اسلام کا قانونِ شہادت

جلد اوّل : حصۂ فوجداری

مُرتبہ

مولانا سیّد متین ہاشمی

ریسرچ ایڈوائزر

شائع کردہ

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم



قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ

اسلام کا قانونِ شہادت

جلد اوّل: حصّہ فوجداری

مرتّبہ

مولانا سیّد محمد متین ہاشمی

ریسرچ ایڈوائزر

شائع کردہ

مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

لاہور

نام کتاب : ——— اسلام کا قانونِ شہادت

مؤلف : ——— مولانا سید محمد متین ہاشمی

ناشر : ——— مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور

اشاعت اوّل : ——— ایک ہزار

تاریخ اشاعت : ۱۳ شوال المعظم ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۴ اگست ۱۹۸۱ء بتقریب جشن آزادی

مطبع : ——— زیڈ۔ ایل آفسٹ پرنٹرز لاہور

قیمت : ——— ۵۵ روپے

ملنے کا پتہ

مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

نسبت روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشکر

ادارہ جناب جنرل **محمد ضیاء الحق** صاحب صدرِ پاکستان و
چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کا شکریہ ادا کرتا ہے، جنہوں نے مرکزِ تحقیق
دیال سنگھ لائبریری لاہور کی کارکردگی کو بنظرِ استحسان دیکھتے
ہوئے اسے پانچ لاکھ روپے کی خطیر امداد عنایت فرمائی اور ادارے
کو اللہ کے فضل سے اس قابل بنایا کہ وہ "**اسلام کا قانونِ شہادت**"
جیسی تحقیقی اور ضروری کتاب شائع کرے۔

اللہ تعالیٰ صدرِ پاکستان کی اس خدمت کو قبول
فرمائے اور پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے کے سلسلے میں جو
مساعی وہ فرما رہے ہیں انہیں شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین

(ادارہ)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	قرائن قاطعہ۔	۲۶۹
	ساتویں فصل : اقرارِ جرم۔	۲۷۱
	آٹھویں فصل : رجوع عن الاقرار	۲۷۹
۱۱	**باب پنجم**	
	پہلی فصل : قذف کی شہادت	۲۸۲
	ادائے شہادت	//
	دوسری فصل : اختلاف فی الشہادۃ	۲۹۰
	تیسری فصل : اقرار	۲۹۲
۱۲	**باب ششم**	
	شراب نوشی کی شہادت	۲۹۳
	پہلی فصل : ادائے شہادت	//
	دوسری فصل : اختلاف فی الشہادۃ	۲۹۹
	تیسری فصل : اقرار	۳۰۱
	چوتھی فصل : رجوع عن الاقرار	۳۰۲
	پانچویں فصل : قرائن	۳۰۳
۱۳	**باب ہفتم**	
	چوری کی شہادت	۳۰۶
	پہلی فصل : گواہوں کی تعداد اور نوعیت۔	//

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	اسلام کا نظریہ قصاص	۳۴۴
	عاقلہ کا بیان۔	۳۶۸
	قتل شبہ عمد و خطا	۳۷۰
	عاقلہ	۳۷۱
	ایک اعتراض کا جواب	۳۷۳
	کیا اس دور میں عاقلہ موجود ہے۔	۳۷۵
فصل سوم	: زنا	۳۷۷
	تمہیدی مباحث	۳۷۷
	حد زنا	//
	سو کوڑوں کی سزا	۳۷۹
	رجم کی سزا	۳۸۰
	چند اعتراضات اور ان کے جواب۔	۳۸۱
	رسولؐ بحیثیت مطاع	۳۸۵
	آیت کا عموم	۳۸۸
	رجم کی حدیث، حدیث متواتر ہے۔	۳۹۰
	سورہ نور اور واقعات رجم	۳۹۲
	خلاصہ کلام	۳۹۸
	رجم اور عمرانی اصول۔	۳۹۹

تقاریظ

محترم جناب سیّد شمیم حسین صاحب قادری مدظلہ العالی

چیف جسٹس ہائیکورٹ، پنجاب

قانون شہادت پر قرآن پاک میں ابدی اور عالمگیر کلیات بیان ہوئے ہیں اور سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو مبارک اور قیمتی ذخیرۂ کتب احادیث کی صورت میں موجود ہے اس میں اس قانون کی مزید تشریح تفسیر اور عملی صورت اور حالات و واقعات کے مطابق مزید مسائل کے حل کرنے کا کافی و وافی اور مُستند مواد موجود ہے اس کے بعد اقوال و اعمال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین تبع تابعین آئمہ مجتہدین، فقہائے ممالک اسلامیہ و اسلامی عدالتوں کے فیصلے بڑی اہمیّت رکھتے ہیں، ان کی روشنی میں مزید اجتہاد کی راہیں ہر وقت کھُلی رہتی ہیں۔ اس طرح مُسلم علماء نے بے شمار تصانیف اور تالیفات کے ذریعے بے شمار فتاوے اور احکام کی کتب تدوین کی ہیں جن میں قانون شہادت کو سائنٹیفک، اور جدید خطوط میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی

ہے شہادت کے موضوع پر جو سرمایہ اسلام کے دامن میں موجود ہے۔ اس کے مقابلے میں دُنیا کے تمام دیگر ممالک کا کل سرمایہ بلامبالغہ عشرِ عشیر کی حیثیت نہیں رکھتا۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اسلام کا بیشتر سرمایہ عربی، فارسی اور ترکی زبان میں ہے، جو معروف اسلامی قدیم کتب خانوں میں جو بغداد، الازہر اور قرطبہ میں موجود ہے انگریزی اور فرانسیسی اقوام نے اپنی بساط کے مطابق اس ابدی سرمائے کو حاصل کرنے اور اپنانے کی کوشش کی ہے اکثر و بیشتر تحقیق جرمنی، انگلستان اور امریکہ میں انہی اسلامی اُصول پر ہو رہی ہے، جنہیں ہم قابلِ غور نہیں سمجھ رہے۔ حالانکہ اِس سے استفادہ کرنے میں اُمّت کی بہبُود مضمر ہے۔

سیّد محمد متین ہاشمی کی علم دوستی اور خدمتِ اسلام کا پُرخلوص جذبہ کتاب زیرِ نظر سے قبل ان کی کتاب "اسلامی حدود" کی صُورت میں منصۂ شہود پر آچکا ہے۔ "اسلام کا قانونِ شہادت" کے حصّہ فوجداری پر ہاشمی صاحب کی یہ تالیف قابلِ قدر ہے اور موزوں وقت پر ایک موزوں اقدام ہے۔ کتاب ہٰذا میں مُستند کتب سے اِستفادہ کیا گیا ہے اور حوالہ جات میں جدید طرز کو اپنایا گیا ہے۔ اس میں تفاسیر قرآن پاک، صحاح سِتہ کتبِ احادیث کے علاوہ جابجا المجلہ، الشرح الکبیر، المغنی، ہدایہ، المبسوط، قرۃ عیون الاخیار، فتاوی عالمگیری، الفتاوی الانقرویہ، جامع الفصولین، اتحاف الابصار والبصائر،

شرح فتح القدیر، معین الحکام، ردالمحتار، الاشباہ والنظائر، المہذب، المصنف، المدونۃ الکبریٰ، حجۃ اللہ البالغہ، التشریع الجنائی، الطرق الحکمیہ، الفتاوی المہدیہ، الطحاوی، الطحطاوی، اعلاء السنن، تبیین الحقائق، فتاوی قاضی خان، بدائع الصنائع، حجۃ اللہ البالغہ، رمز الحقائق، کشاف القناع، ارشاد الساری، فتح الباری، شرح الزرقانی، شرح فقہ اکبر، شرح کنز الدقائق، المحلی، سبل السلام، دائرۃ معارف القرن العشرین، اسرار الشریعۃ الاسلامیہ، فتاوی الکرخی، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، المرقاۃ المفاتیح اور التتارخانیہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بعض حوالہ جات بالواسطہ ہیں جیسے کتاب الاختیار سے لی گئی عبارتیں۔

مؤلف نے بعض جگہوں پر اپنی رائے بھی دی ہے، اور وہاں دیانتداری سے لکھ دیا ہے کہ یہ اسکی ذاتی رائے ہے جس پر علمائے عصر اور شریعت نافذ کرنے والے ادارے جن میں مقننہ اور عدلیہ بھی شامل ہیں غور و خوض کر سکتے ہیں۔

"اسلام کا قانون شہادت" ہاشمی صاحب کی عمیق تحقیق کا نتیجہ ہے۔ جو دیگر اہلِ علم و قلم کے لئے ہمت افزائی کا کام دے گی۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کی یہ کوشش قبول فرمائے اور امتِ مسلمہ عموماً اور پاکستانی مسلمان خصوصاً اس سے بہرہ ور ہوں۔ آمین

مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۸۱ء

سعد محمد حسین جارسا
چیف جسٹس ہائیکورٹ
Acting Chief Justice
Lahore High Court
LAHORE.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناب حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب مدظلہ العالی

ناظم دار العلوم جامعہ نعیمیہ لاہور

پاکستان جو ایک نظریاتی ملک ہے جس میں اسلامی نظام حکومت کا نافذ ہونا بہمہ وجوہ ضروری ہے عرصے کے بعد اس طرف قدرے پیش رفت ہو رہی ہے بعض اسلامی قوانین نافذ ہو جانے کے اعلانات بھی ہو چکے ہیں۔ کچھ عدالتیں بھی ان قوانین کے مطابق فیصلے کرنے کی ذمہ دار ٹھہرائی جا چکی ہیں۔ یہ حقیقت اٹل ہے کہ فیصلوں کی اساس، انصاف کا حصول اور حقوق کے تحفظ کا دار و مدار شہادتوں سے وابستہ ہوتا ہے۔ اغیار کی طرف سے جو نظام عدالت اور قوانین کے نفاذ کے محکمے ورثہ میں ملے ہیں وہ ہنوز جوں کے توں زیر عمل ہیں بالخصوص موجودہ نظام عدالت جو فرنگی ذہنوں کی پیداوار ہے آج تک رائج چلا آ رہا ہے جس میں گواہوں کی تعداد کو اہمیت حاصل ہے گواہوں کی حیثیت سے کوئی سروکار نہیں اور مدعی اور مدعی علیہ کے مثبت و منفی ہر طرح کے گواہوں کی بھرمار ہوتی ہے دعویٰ کے گواہوں اور صفائی کے کثیر گواہوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور عرصہ دراز تک لاتعداد مقدمات فیصلے تک نہیں پہنچ پاتے۔ رات دن عدالتوں کے سامنے جھوٹے گواہ گذر جاتے ہیں۔ وکلاء جھوٹے گواہوں کو تیار کرتے ہیں اور ان کی فہرست عدالت میں پیش کرتے ہیں جرح ہوتی ہے جھوٹے گواہوں کے چہروں سے نقاب اٹھتے ہیں مگر بے فائدہ جب تک گواہوں کے نظام کو صداقت دیانت اور خدا خوفی کی بنیاد پر قائم نہیں کیا جائے گا اور پیشہ ور گواہی کی تعزیر کا کوئی مؤثر انتظام نہ کیا جائے گا اس وقت تک ہم حق رسی، عدل گستری کی برکتوں سے محروم ہی رہیں گے۔ اسلامی قانون شہادت کو مرتب کرنے اور جدید انداز پر مرتب کرنے کی از حد ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں بہت کم کام ہوا ہے فتاویٰ و فقہ کی کتابوں میں اگرچہ شہادت کے

ابواب موجود ہیں مگر اس موضوع پر مستقل کتاب اور براہ راست شہادت کے خالص احکام پر مفصّل تصانیف بہت کم ہیں اس اہم اور بنیادی ضرورت کی طرف حضرت علامہ محمد متین صاحب ہاشمی دامت فیوضہم ایڈوائزر ریسرچ سیل دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نے توجہ، فرمائی بڑی محنت اور کثیر مطالعہ کے بعد یہ کتاب تالیف فرمائی ہے علامہ موصوف قدیم وجدید علوم پر ماہرانہ نظر رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ کتاب جہاں اسلام کے اصل ماخذوں سے تدوین کی گئی ہے وہاں جدید علوم اور ترقی یافتہ ذرائع ثبوت کو شہادت کے منشاء اور اس کے مقصد کے حصول کے قائمقام قرار دے کر عصر حاضر کے ترقی یافتہ تمدنی نظام کے تقاضے پورے کرنے کی سفارش بھی فرمائی ہے۔ علامہ موصوف کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں گواہی کے اسلامی اصول معیار شہادت اور اقسام شہادت پر مفصّل بحث کی گئی ہے گواہی کے واقعاتی کثیر جزئیات عام فہم انداز میں بیان کئے گئے ہیں دوسرے اہل علم و بصیرت کو اس طرح مزید کام کرنے کی فوری ضرورت ہے۔

مولیٰ تعالیٰ علامہ موصوف کی اس کوشش اور محنت کو قبولیت اور افادیت سے بہرور فرمائے۔ آمین۔

(مُفتی) محمد حسین نعیمی

ناظم دارالعلوم جامعہ نعیمیہ لاہور

۲۴ جون ۱۹۸۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب حضرت مولانا

محمد مالک کاندھلوی مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جامعۃ اشرفیہ۔ مسلم ٹاؤن، لاہور، پاکستان

حکومت پاکستان ایک عرصہ قبل اس امر کا اعلان کر چکی تھی کہ ملک میں کلیۃً اسلامی قانون اور اسلامی نظام نافذ ہوگا اور اس سلسلہ میں الحمد اللہ مؤثر اقدامات بھی کئے گئے۔ ظاہر ہے کہ اِس عظیم مقصد کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں کہ نظامِ حکومت اور نظامِ عدالت اس طرح مرتّب کیا جائے کہ ہر مرحلہ پر قانونِ شریعت کے مطابق ملکی انتظام اور عدالتی فیصلے جاری اور نافذ ہوں۔ نظامِ عدالت اور فیصلوں کی وابستگی کی بنیاد شہادت ہے۔ فقہاءِ اسلام نے اس موضوع پر قرونِ اولیٰ سے جو کاوشیں اور محنتیں کیں وہ متقدّمین کی کتابوں میں موجود ہیں یہ تمام مآخذ اور کتابیں عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے قانون داں حضرات اور وکلاء ان سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے ضرورت تھی کہ **"اسلامی قانونِ شہادت"** کے موضوع پر ایک مستند اور مفصّل ذخیرہ اُردو زبان میں مرتّب کیا جائے۔ جو فقہا اسلام کے علوم اور ان کی تحقیقات کا صحیح معنی میں ترجمان ہو۔ الحمد اللہ کہ اس عظیم اور اہم ضرورت کی تکمیل محترم حضرت مولانا محمد متین ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب اسلام کا قانونِ شہادت کے ذریعہ کر دی۔ ناچیز نے اس کتاب کی جلد اوّل (حصہ فوجداری) کا مسودہ متعدد مقامات سے دیکھا۔ اس حصہ میں مؤلف نے شہادت اور اقسامِ شہادت کی فقہی اصُول کے لحاظ سے مبسوط تحقیق کی ہے شاہدوں کی جرح وتعدیل کا باب نہایت اہم ہے اس کی تفصیلات بھی نہایت مستند طریقہ سے پیش کیں۔ بالخصوص تزکیۂ شہود کی بحث میں ان تمام اُمور کو جمع کر دیا جن کی روشنی میں ہر عدالت اپنے فیصلہ میں عدل وانصاف کے تقاضے پورے کر سکتی ہے۔ مولانا متین ہاشمی

نے اس کتاب میں فقہائے اسلام کی ان مستند کتابوں کو بنیاد بنایا ہے جن پر قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک علماءِ اُمت قانونِ شریعت مدون کرتے رہے ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اس کتاب کی خصوصیات اور افادیت پر کچھ تفصیل سے لکھوں۔ لیکن کم ہمتی اور کثرتِ مشاغل کے باعث بس اتنا ہی عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب قانونِ شریعت کی ایک عظیم خدمت ہے خداوند عالم حضرت مؤلف کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اہلِ علم کو ان گرانقدر علوم سے مستفیض فرمائے۔ آمین یا ربّ العٰلمین۔

بندۂ ناچیز

محمد مالک کاندھلوی
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

۹۔ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۱ھ

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

عرضِ مرتّب

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ قیامِ پاکستان کا مقصد محض ایک خطۂ زمین کا حصول نہیں تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس ترقی یافتہ دَور میں ایک مملکت خالص دینی بنیادوں پر حاصل کر کے اس میں دین اسلام کے عطا کردہ نظامِ حیات کو نافذ کیا جائے تاکہ دنیا پر یہ واضح ہو کہ آج کے دَور میں بھی اسلام ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے اور اس میں موجودہ ترقی یافتہ اور پیچیدہ زندگی کے مسائل کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ملکی معاشرت، معیشت، تعلیم، صنعت و تجارت، عدالت اور ثقافت سب کو حقیقی اسلامی اصولوں پر استوار کیا جاتا لیکن اسے سوائے بدقسمتی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بجائے ہم اسی پرانے ڈگر پر چلتے رہے ہم نے اسلام کا نام صرف نعرے کے طور پر استعمال کیا اور زندگی کے ہر شعبے میں برطانوی طرز اور دورِ غلامی کے نظریات کو برقرار رکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری زندگی میں ثنویت اور دو عملی پیدا ہو گئی۔ ایک طرف تو ہم کہتے رہے کہ ملک کی قومی زبان اُردو ہے اور

دوسری طرف دھڑا دھڑ ہر گلی اور کوچے میں انگلش میڈیم اسکول کھولتے چلے گئے ملک کی قومی زبان اردو ہی مگر سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں انگلش ہی کا سکہ چلتا رہا، ہم نے پاکستان تو اسلام کے نام پر حاصل کیا اور معیشت کے خدوخال سرمایہ دارانہ نظام پر استوار کیے، یہی حال عدالتوں اور عدالتی قوانین کا ہوا، لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روز بہ روز ملک اپنے بنیادی نظریات سے دُور ہوتا چلا گیا اور ہمیں وہ روز بد بھی دیکھنا نصیب ہوا کہ ہمارے ملک کا ایک بازو ہم سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس واقعہ فاجعہ کو ہم تازیانہ عبرت سمجھتے اور ہوش کے ناخون لیتے لیکن ہماری وہی رفتار بے ڈھنگی باقی رہی جو پہلے تھی۔

خدا کا شکر ہے کہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ ملک صحیح ڈگر پر آجائے اور موجودہ دو عملی کا خاتمہ ہو چنانچہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ کو جنرل صاحب موصوف نے اسلامی حدود کا اعلان فرمایا معیشت میں انہوں نے سود سے پاک نظام بنیکاری کا آغاز کیا، وفاقی شرعی عدالت قائم کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی نظام کو من کل الوجوہ ملک میں برپا کرنے کے سلسلے میں باوجود موانع اور دشواریوں کے صدر صاحب موصوف مخلصانہ مساعی فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب و قبول فرمائے۔ آمین۔

صدر پاکستان کا بحیثیت سربراہ مملکت کے جو فرض ہے وہ بفضلہ تعالےٰ انجام دے رہے ہیں لیکن اس وقت سب سے بڑی ذمے داری علماء کرام کی ہے کہ وہ ملک میں نفاذ اسلام کو آسان بنانے کے لیے جو کچھ علمی سطح پر کر سکتے ہیں کریں۔

فی الحال وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ذہنوں کو اسلامی سانچے

میں ڈھالا جائے کیونکہ عدلیہ اسلامی نظامِ حیات کا اہم ترین شعبہ ہے اس کے بغیر وہ معاشرہ وجود میں لایا ہی نہیں جا سکتا جو اسلام کا مقصود ہے، قوانین وضوابط اسی لیے وضع کیے جاتے ہیں کہ معاشرہ کے اعمال وافعال کو مخصوص خطوط پر استوار کیا جا سکے ۔ لہٰذا یہ امر لازمی ہے کہ کسی ملک کا قانون اس ملک کے اساسی نظریات ومتقدات کا عکاس ہو اگر ایسا نہ ہو تو ملک کے باشندے بنیادی نظریات سے ناواقف اور اکثر اوقات ان کی زندگی ان سے متصادم ہو جاتی ہے یہ صورت حال کسی بھی ملک کے لیے انتہائی مہلک اور تباہ کن ہوتی ہے ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے ملک کی بنیاد اسلام ہے اور ملک میں کم وبیش برطانوی قوانین نافذ ہیں ظاہر ہے کہ برطانوی نظام حیات کی اساسیات دوسری ہیں اور اسلامی نظام حیات کی دوسری بہت سے ایسے جرائم ہیں جو برطانوی قانون کے ماتحت جرم ہی نہیں شمار کیے جاتے اور انہیں قانونی تحفظ بھی حاصل ہے مثلاً ہم جنسی کلب میں جوا شراب نوشی یا زنا بالرضا جبکہ اسلامی قوانین کے تحت ان کی سزا کوڑے اور بعض حالتوں میں موت ہے اسی طرح چوری کی سزا اسلامی قانون میں قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہے مگر برطانوی نظام میں اس کی سزا چند دن اور چند ماہ کی قید ہے ۔ لہٰذا اسے قومی واجتماعی خودکشی کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا کہ پاکستان جیسی ایک اسلامی مملکت میں وہ قوانین جاری کئے جائیں جو برطانوی عوام کی [illegible] ملک کے آئینہ دار ہیں اگر برطانیہ کے عوام سے کہا جائے کہ تم اپنے [illegible] اسلامی قوانین کو اپنے ملک میں رائج کرنا [illegible] تو وہ [illegible] جائیں گے؟ ہرگز نہیں پھر یہ کتنی بڑی [illegible] بات [illegible] کہ ہم [illegible]

(جبکہ قرآن کریم جیسی عظیم ولافانی کتاب اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا پاک، بے عیب اور جامع اسوہ ہمارے پاس موجود ہے۔) ہم دوسروں کی دریوزہ گری کرتے پھر رہے ہیں اور ہم نے مغرب کے نظام قانون کو اپنے ملک میں رائج کر کے اپنے ملک کے عوام کو مشکلات میں گرفتار کر رکھا ہے اس سے جو مفاسد پیدا ہو رہے ہیں اور ہمارا نظام اخلاق جس طرح روز بہ روز تباہ ہوتا جارہا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اس لیے وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ ہم اپنے دین وآئین، اپنی معاشرت واخلاق اور اپنی روایات ونظام حیات پر فخر کرنا سیکھیں اور اپنی قومی زندگی سے دو عملی کو یکسر خارج کر دیں۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم جدید دور کے تقاضوں اور معاشرتی تبدیلیوں سے یکسر آنکھیں بند کر کے وقت کی سوئی کو پیچھے کی طرف گھما دیں۔ اور اس طرح ملک اور قوم کو آثارِ قدیمہ میں تبدیل کر دیں۔ کیونکہ جو نظامِ حیات وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتا لوگ اس سے رفتہ رفتہ بیزار ہو جاتے ہیں دین اسلام میں یہی خوبی ہے کہ اس کا عطا کردہ نظام حیات کسی دور میں کبھی بھی فرسودہ نہیں ہو سکتا اسی لیے ہر مرحلے پر اجتہاد کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اسلامی تاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ جب بھی ضرورت پیش آئی علمائے مجتہدین نے اس فریضے کو قرآن وسنت اور اجماعِ اُمت کے ضوابط کی روشنی میں ادا کیا اس اقدام سے اسلامی فقہ کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا راقم الحروف کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں بھی ان علمائے کرام کو آگے آنا چاہیے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجتہاد کی اہلیت بخشی ہے اور جدید تقاضوں کو

ملحوظ رکھ کر قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کرنا چاہیے۔

اسلام کا قانونِ شہادت :

کسی بھی نظام عدل میں "قانون شہادت" کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کو۔ کیونکہ قانون شہادت ہی کی بنیاد پہ دیوانی اور فوجداری کے مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے، اگر کسی نظام عدل کا قانون شہادت کمزور ہو تو، انصاف کے تقاضے یا تو سرے سے پورے ہی نہیں ہوتے یا اس قدر پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے کہ حاکم بیچارہ سخت پریشان ہو جاتا ہے نیز مقدمات کے فیصلے میں اتنی تاخیر ہوتی ہے کہ عدالتوں کا چکر لگاتے لگاتے اور بھاری اخراجات ادا کرتے کرتے فریقین کا کچومر نکل جاتا ہے اسلام کا نظام عدل جسطرح سیدھا سادہ ہے اس کا نظام شہادت بھی اسی طرح پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر معمولی سی سوجھ بوجھ سے کام لیا جائے تو وہ مقدمات جو سات سات اور آٹھ آٹھ سال تک چلتے رہتے ہیں ان کا فیصلہ دو تین ہفتوں میں ہو سکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے فوری طور پر معاشرے کو تیار کرنا ہوگا اور اس تیاری میں تبلیغ، ترغیب اور ترہیب تینوں ذرائع کو استعمال کرنا پڑے گا۔ موجودہ دور میں رسل ورسائل اور ابلاغ عامہ کے جو ذرائع پیدا ہو گئے ہیں اگر ان سے یکجہتی کے ساتھ بغیر دو عملی و دو رنگی اختیار کیے ہوئے استفادہ کیا جائے تو برسوں کا کام دو چار مہینوں میں ہو سکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے شرط یہی ہے کہ

سر دگلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد

یا تن بہ رضائے یار می باید داد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

یعنی یہ کہ "نیمے دروں نیمے بروں" والی کیفیت سے قوم کو نکالنا ہوگا اور مملکت کے تمام کاروبار اور تمام شعبوں کو نظریہ اسلام کا پابند بنا دینا ہوگا پہلے تو اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ اسلامی قانون شہادت کو مرتب کیا جاتا۔ لیکن اللہ کے فضل و کرم سے جبکہ ملک میں اسلامی حدود کا نفاذ ہو چکا ہے اور اُمید کی جا رہی ہے کہ انشاء اللہ العزیز جلد یا بدیر مکمل اسلامی قوانین ملک میں نافذ ہو جائیں گے اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ قانون شہادت مرتب کر دیا جاتا۔ اگرچہ یہ کام بہت اہم تھا اور میں اپنے اندر اس کی انجام دہی کی صلاحیت و اہلیت نہیں پاتا تھا تاہم اللہ تبارک و تعالیٰ کی مدد و نصرت پر بھروسہ کر کے میں نے اس کام کو شروع کر دیا میرے لیے اس راہ میں جو سب سے بڑی دشواری تھی وہ یہ کہ اس موضوع پر کتب فقہ و فتاویٰ میں جستہ جستہ ابواب تو ضرور ملتے ہیں تاہم جہاں تک مجھے علم ہے۔ اس موضوع پر فقہائے سلف کی کوئی مستقل کتاب دستیاب نہیں لہٰذا ابواب قائم کرنا اصول کو ترتیب دینا اور ان کے لیے کتب فقہ سے مواد جمع کرنا ان کی چھان پھٹک کرنا خاصا محنت کا کام تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ میرے پیش نظر یہ بات بھی رہی کہ جدید دنیا میں کسی واقعہ کی صداقت یا کسی شہادت کو پرکھنے کے لیے جو ذرائع اور وسائل ایجاد ہو چکے ہیں اگر وہ اسلامی قانون شہادت سے اساسی طور پر متصادم نہ ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ انہیں نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ اسلامی قانون

کسی جامد شے کا تو نام نہیں یہ تو ایک حرکی نظام ہے۔ جو ہمیشہ وقت کی تبدیلیوں اور جدید معلومات و ایجادات کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتا ہے بشرطیکہ وہ چیزیں اس کے اصولوں اور اساسیات سے متصادم نہ ہوں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور اہل علم پر مخفی نہیں۔ مگر چونکہ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ حتمی طور پر یہ بات کہدوں اس لیے اسے میں نے علمائے امّت کی خدمت میں بطور سفارش کے پیش کیا ہے اور ہر جگہ یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ راقم الحروف کی ذاتی رائے ہے علمائے امّت کو رد و قبول کا پورا پورا اختیار ہے۔ بہر صورت جو کچھ مجھ سے ہو سکا محض اللہ کی رضا اور وقت کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے میں پیش کر رہا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کتاب میں غلطیاں نہیں ہوں گی لازماً اس میں کوتاہیاں اور غلطیاں ہوں گی اس لیے اہل علم حضرات سے عاجزانہ التماس ہے کہ اگر اس میں کوئی خامی یا غلطی ہو تو راقم الحروف کو مطلع کر دیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جا سکے البتہ مقصود اصلاح ہونا چاہیے نہ کہ خواہ مخواہ کیڑے نکالنا۔

کتاب کی ترتیب: اسلامی قانون شہادت کی یہ پہلی جلد ہے اور اس کا خصوصی موضوع قصاص و حدود کے مقدمات میں شہادت ہے اس کی دوسری جلد میں انشاء اللہ العزیز بالخصوص دیوانی مقدمات میں شہادت کے ضوابط بیان ہوں گے تاہم چونکہ جلد اول ایک پوری کتاب کا حصہ ہے اس لیے ابتداء میں جہاں شہادت کے اصولی مباحث درج کیے گئے ہیں وہاں فوجداری و دیوانی کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے بلکہ دونوں قسم کے

مقدمات میں شہادت کے اصولی مباحث درج کر دیئے گئے ہیں تا کہ قارئین کرام کی نگاہ میں اسلامی قانون شہادت کے بنیادی اصول آجائیں اور آگے چل کر ہر عنوان کے تحت تفصیلی مباحث درج کئے گئے ہیں یا جلد ثانی میں انشاء اللہ العزیز درج کئے جائیں گے۔

چونکہ یہ کتاب طلباء، علماء، وکلاء اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے لکھی گئی ہے اس لیے باوجود اس کے کہ قتل کی اقسام و احکام قصاص کی حقیقت۔ عاقلہ کی حیثیت۔ زنا قذف، چوری، ڈاکہ، شراب خوری اور ارتداد کی تعریفات اور احکام کا بظاہر بلا واسطہ قانون شہادت سے تعلق نہ تھا۔ تاہم جب تک جرم کی حقیقت اور اس کی سزا کے احکام معلوم نہ ہوں شہادت کی نوعیت کو سمجھنا ہر آدمی کے بس سے باہر ہے اس لیے راقم الحروف نے اجمالاً جرائم کی حقیقت اور احکام کا بھی تذکرہ ضمیمہ میں کر دیا ہے تا کہ قاری اجمالی طور ہی پر سہی موضوع سے متعارف ہو سکے اس کام کی انجام دہی میں میں نے دیگر کتب حوالہ کے علاوہ اپنی تالیف "اسلامی حدود" سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس مقام پر ایک اور بات کا ذکر کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ اس کتاب کو حنفی فقہ کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے اس لیے کہ ہمارے ملک میں فقہ حنفی ہی شائع و ذائع ہے۔ البتہ کہیں کہیں جہاں ضرورت سمجھی گئی ہے دیگر ائمہ کرام کی رائے بھی درج کر دی گئی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ حنفی فقہ کے مطابق دفعات کو ترتیب دیتے وقت صرف امام ابو حنیفہ ہی کے قول کا التزام نہیں برتا گیا ہے بلکہ جہاں دیگر فقہائے احناف مثلاً امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہما کی

رائے ہمارے دَور کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ نظر آئی ہے۔ اسے یا تو اختیا کر لیا گیا ہے یا کم از کم علماء کی خدمت میں اسے ترجیح دینے کی سفارش کی گئی ہے۔ اسی مقام پر فقہ حنفی میں دیگر مسالک (مالکی۔ شافعی۔ حنبلی۔ ظاہری) کے مقابلے میں کم سے کم مفتیٰ بہ اقوال ہونے کی مصلحت بھی سمجھ میں آجاتی ہے یعنی صورت حال یہ ہے کہ فقہ شافعی مدون ہے اور اس میں مفتیٰ بہ اقوال متعین ہیں۔ یہی حال فقہ مالکی اور حنبلی کا بھی ہے مگر فقہ حنفی میں ایسا نہیں ہے بلکہ اکثر مقامات پر یہ پتہ نہیں چلتا کہ علمائے احناف کا اجماع اور فتویٰ کس شق پر ہے ظاہرا یہ ایک نقص معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ فقہ حنفی کی ایک بہت بڑی خوبی ہے اس لیے کہ اس میں توسع ہے۔ یعنی ہر دَور کی گنجائش ہے۔ ممکن ہے کہ ایک دَور ایسا آجائے جب امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل دشوار ہو جائے یا امام صاحب کے قول پر عمل انقلابات زمانہ کے باعث خلاف مصلحت ہو جائے اس صورت میں ایک حنفی فقیہ کے لیے یہ گنجائش ہے کہ وہ امام ابویوسف یا امام محمد یا کرخی یا طحاوی یا سرخسی کے قول پر عمل کرلے۔ اس چیز نے حنفی فقہ کے دامن کو غیر معمولی وسعت دی ہے اور اس میں یہ صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ وہ ہر دَور کے تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔

ضمیمہ ۲ میں ان فقہاء اور مصنفین کا بالاختصار محض تعارف کے لئے تذکرہ کیا گیا ہے جن کی کتب سے اس کتاب کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے۔

میں جناب شمیم حسین قادری چیف جسٹس عدالت عالیہ پنجاب کا بیحد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی ترتیب میں دلچسپی لی اور

مجھے نہایت مفید مشورے دیئے نیز ہر طرح سے میری ہمت افزائی فرمائی۔

جناب مفتی محمد حسین نعیمی صاحب ناظم جامعہ نعیمیہ لاہور اور جناب مولانا محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کہ ان حضرات نے مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور اپنی گراں قدر آراء کو شامل کتاب کرنے کی اجازت دے کر کرم گستری و عزت افزائی فرمائی میں جناب ڈاکٹر منیر احمد مغل ایم اے پی ایچ ڈی ایل ایل بی ممبر انسپکشن ٹیم ہائی کورٹ پنجاب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی ترتیب میں اپنے مشوروں سے میری مدد کی۔

عزیزم حافظ غلام حسین ریسرچ اسسٹنٹ کا بھی میں شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے نہایت تندھی، ذمے داری اور انہماک سے ضمیمہ ۲ مرتب کیا اور اس کتاب کی تیاری کے ہر مرحلے پر میرے ساتھ مؤثر تعاون کیا نیز میں مجلس منتظمہ ریسرچ سیل سب کمیٹی دیال سنگھ لائبریری کے اراکین کا بھی شکر گزار ہوں۔

اللہ تعالیٰ میرے تمام کرم فرماؤں کے مخلصانہ جذبات کو اور میری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور جلد از جلد ملک میں پوری جامعیت کے ساتھ اسلامی نظام کو نافذ فرمائے۔ آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ

اَجْمَعِيْنَ

محمد متین ہاشمی عفی اللہ عنہ

مورخہ ۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

بمطابق ۲۰ جولائی ۱۹۸۱ء ریسرچ ایڈوائزر، دیال سنگھ لائبریری، لاہور

باب اوّل

تمہیدی مباحث

شہادت کے لغوی معنی

شہادت لغت میں خبرِ قاطع کو کہتے ہیں۔[1]

شہادت کی فقہی تعریف

فقہ میں شہادت اخبار عن مشاہدۃ وعیان لا عن تخمین وحسبان[2]

یعنی شہادت کسی واقعہ کے بارے میں اپنے مشاہدے اور دید کے مطابق خبر دینے کو کہتے ہیں نہ کہ ظن وتخمین کی بنیاد پر۔ اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری[3] میں لکھا ہے کہ

شہادت اس قطعی اور فیصلہ کن بیان کا نام ہے جو قانونی

---

[1] ابن منظور الافریقی ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم: لسان العرب: ۳: ۲۳۹ طبع بیروت ۱۹۵۵ء
و
الزبیدی السید محمد مرتضیٰ: تاج العروس: ۲: ۳۹۱ طبع بیروت ۱۹۶۶ء

[2] ابن نجیم: بحر الرائق: ۷: ۵۵ طبع مصر

[3] العینی: عمدۃ القاری: ۶: ۱۱۱

عدالت میں حاضر ہو کر کسی ایسے معاملے کے متعلق دیا جاتا ہے جو بیان کرنے والے شاہد نے صاف طور پر دیکھا ہو"

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے :۔

"یلزم ان یکون الشھود قد عاینه بالذات المشھود به وان یشھدوا علیٰ ذٰلك الوجه ولا یجوز ان یشھد بالسماع[1]

(گواہ کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کی شہادت دے اسے اس نے خود دیکھا ہو اور اپنی شہادت میں یہی کہے یہ جائز نہیں کہ محض تشنید کی بنیاد پر شہادت دے)

شہادت کی اقسام

بنیادی طور پر اسلامی قانون شہادت میں شہادت کی تین قسمیں ہیں

(الف) شہادت۔

(ب) اقرار۔

(ج) حلف[2] بالیمین

---

[1] المجلۃ : ۳۰۹ طبع کراچی

[2] چونکہ حلف بالیمین کا تعلق دیوانی مقدمات سے ہے اس لیے اس کی بحث انشاءاللہ دوسری جلد میں آئے گی۔

پہلی فصل

شہادت کی اہمیت

شہادت دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے پاس ایک امانت ہے۔ یعنی یہ کہ اگر کسی شخص سے کسی واقعے کے بارے میں دریافت کیا جائے اور اپنے مشاہدے کے ذریعہ وہ حقائق کو جانتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ اپنے علم و مشاہدے کے مطابق صحیح صحیح بات حاکمِ مجاز کی عدالت میں بیان کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

(البقرۃ ۱۴۰)

اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی گواہی کو جو اس کے پاس ہے چھپائے اور اللہ تعالیٰ اس عمل سے غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو

ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ

اور شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو شخص شہادت

يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔ (البقرہ — ۲۸۳)

کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے بخوبی واقف ہے جو تم کرتے ہو۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا۔ (البقرہ — ۲۸۲)

اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے طلب کیا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ادائے شہادت کے وقت کامل عدل اختیار کیا جائے۔ نہ بے جا طرف داری کی جائے اور نہ کسی کی عداوت میں غلط بیانی سے کام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ سے ڈرتے ہوئے) گواہی دو (یعنی سچی سچی بات بیان کر دو) اگرچہ وہ گواہی خود تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہو یا تمہارے والدین یا عزیز و اقارب کے خلاف ہو۔ اگر کوئی مالدار یا مفلس ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا تم سے زیادہ نگہبان ہے تم انصاف کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلو اور اگر

تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا۔	تم گواہی میں ایچ پیچ کروگے (یعنی جان بوجھ کر کسی کو بچاؤ گے) تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھتا ہے۔
(النساء ـــ ۱۳۵)	

سورۃ مائدہ میں ارشاد ہے:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا	اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف
قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ	کے ساتھ گواہی دینے میں مستعد رہو اور
وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ	ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی عداوت تم سے
قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟	گواہی دینے میں بے انصافی کرائے۔
هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫	انصاف کرو کہ انصاف ہی پرہیزگاری
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ	تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے۔
بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔	اور اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ تمہارے اعمال
(المائدہ ـــ ۸)	کی خبر رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل نکات مستفاد ہوتے ہیں۔

(۱) پہلی بات یہ کہ شہادت اللہ کی طرف سے بندے کے پاس ایک امانت ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ شہادت کا چھپانا گناہ ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ ادائے شہادت کے وقت پوری دیانت داری برتنی چاہیے، خواہ وہ شہادت خود گواہ یا اس کے والدین یا دیگر اعزاء کے خلاف

ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) چوتھی یہ کہ شہادت کی ادائیگی کے وقت ہر قسم کے خوف وطمع سے مستغنی ہونا چاہیے اور صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے

(۵) پانچویں یہ کہ واقعات کو صاف صاف بغیر ایچ پیچ کے بیان کر دینا چاہیے تاکہ حاکم کو صحیح نتیجے پر پہنچنے میں دشواری پیش نہ آئے۔

(۶) اور چھٹی یہ کہ شہادت دیتے وقت کسی کی عداوت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

یوں تو شہادت سے متعلق کتب حدیث میں بہت سی روایتیں ہیں، لیکن خلّال نے اپنے جامع میں حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس سے شہادت کی حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

عن ابن عباس انه قال سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الشهادة قال "هل تری الشمس؟ قال "نعم" قال علی مثلها فاشهد[1]	حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شہادت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے سوال فرمایا "کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو؟ سائل نے جواب دیا "جی ہاں" تب آپ نے ارشاد فرمایا۔ (اس طرح کسی واقعہ کو دیکھ لینا) تو شہادت دینا

یعنی شہادت دینا بچوں کا کھیل نہیں بلکہ ادائے امانت ہے۔ لہٰذا جب تک کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے اس وقت تک شہادت نہیں دینا چاہیے۔

[1] المقدسی محمد بن احمد بن قدامہ: الشرح الکبیر علی ہامشہ المغنی: ۱۲: ۵ : طبع مصر ۱۳۴۱ھ

شہادت کی بنیادی شرائط

دفعہ (۱) ان مقدمات میں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ضروری ہے کہ کوئی مدعی عدالت مجاز میں دعویٰ دائر کرے بہ خلاف دیگر مقدمات حدود قصاص کے کہ ان میں مدعی کا دعویٰ دائر کرنا ضروری نہیں۔[1]

دفعہ (۲) کوئی شہادت خلافِ محسوس مقبول نہیں ہوتی مثلاً گواہ کسی کی موت کی شہادت دے اور وہ شخص زندہ و سلامت عدالت میں موجود ہو یا کسی مکان کے منہدم ہو جانے کی شہادت دے اور مکان صحیح و سالم موجود ہو۔[2]

دفعہ (۳) کسی امرِ متواتر کے خلاف شہادت مقبول نہیں ہوتی، مثلاً کوئی گواہ یہ شہادت دے کہ کراچی نام کا کوئی شہر پاکستان میں نہیں ہے۔[3]

دفعہ (۴) محض منفی شہادت مقبول نہیں ہوتی مثلاً کوئی گواہ کہے کہ فلاں نے یہ جرم نہیں کیا ہے یا فلاں شخص، فلاں شخص کا مقروض نہیں ہے۔[4]

دفعہ (۵) ضروری ہے کہ شہادت دینے کا مقصد جلب منفعت یا دفع مضرت نہ ہو اسی بنا پر اصل کی شہادت فرع کے لیے یا بالعکس یا اجیر کی شہادت مستاجر کے لیے یا بالعکس مقبول نہیں۔[5]

مثلاً اگر باپ بیٹے کے حق میں یا بیٹا باپ کے حق میں شہادت دے یا ملازم آقا کے حق میں یا اس کے برعکس شہادت ہو تو مقبول نہیں ہے۔

---

[1] المجلۃ الاحکام العدلیہ: ص ۳۴۲ [2] ایضاً
[3] ایضاً [4] ایضاً۔ [5] ایضاً

دفعہ (۶) ایک دوست کی شہادت دوست کے حق میں مقبول ہوسکتی ہے بشرطیکہ دوستی ایسی نہ ہو کہ ایک دوست دوسرے دوست کی مملوکات میں بے جھجک تصرّف کرتا ہو۔[1]

دفعہ (۷) ضروری ہے کہ شاہد (گواہ) اور مشہود علیہ (جس کے خلاف گواہی دی جائے) کے درمیان دنیوی عداوت نہ ہو۔[2]

دفعہ (۸) ایک ہی شخص مدعی اور خود ہی گواہ نہیں ہوسکتا۔ اسی بنا پر وصی یتیم کا اور موکل وکیل کا گواہ نہیں بن سکتا ہے۔[3]

دفعہ (۹) کوئی شخص اپنے ہی فعل پر گواہی نہیں دے سکتا، اسی لیے وکیلوں اور ایجنٹوں کی گواہی بہ ایں طور مقبول نہیں کہ میں نے فلاں چیز فلاں شخص کے ہاتھ وکالتہً اتنی قیمت میں فروخت کی۔[4]

دفعہ (۱۰) ضروری ہے کہ گواہ عادل ہو۔[5] (عادل کی تعریف آگے آرہی ہے)

دفعہ (۱۱) حدود و قصاص کے مقدمات میں اسی شہادت سے جُرم ثابت ہوسکتا ہے جو شہادت قاطعہ ہو اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو شہادت رد کردی جائے گی۔[6]

دفعہ (۱۲) سوائے زنا کے حدود و قصاص کے مقدمات میں ضروری ہے کہ دو عادل گواہ عینی شہادت دیں۔[7]

---

[1] المجلہ: ۳۴۳ [2] المجلہ: ۳۴۳۔
[3] ایضاً [4] ایضاً [5] المجلہ ص ۳۴۴
[6] ابن قدامہ احمد بن محمود: المغنی: ۱۰: ۲۰۰ : طبع مصر ۱۳۰۷ھ
[7] ایضاً: ۔ ۔

دفعہ (۱۳) نکاح، طلاق، رجعت، ایلاء، ظہار، نسب، توکیل، وصیّت، ولاء وغیرہ کے مقدمات میں بھی دو گواہوں کی شہادت ضروری ہے[1]۔

دفعہ (۱۴) اموال کے مقدمات از قسم قرض، غصب، بیع، وقف، اجارہ، ہبہ، صلح، مساقاۃ، مضاربت، شرکت اور وصیّت میں ایک مرد اور دو عورتوں یا ایک عادل مرد کی شہادت بالحلف (عند المطالبہ) بھی قبول کی جا سکتی ہے[2]۔

دفعہ (۱۵) اگر عذر شرعی کے بغیر وقت گزر جانے کے بعد حدود کے مقدمات میں گواہ گواہی دیں تو شہادت رد کر دی جائے گی۔ سوائے حد قذف کے کیونکہ قذف کے مقدمات میں وقت گزر جانے کے بعد بھی شہادت قبول کی جاتی ہے[3]۔

دفعہ (۱۶) مدعی کے ذمّے گواہ پیش کرنا اور مدعی علیہ اگر منکر ہو تو اس کے ذمّے حلف لینا ہے[4]۔

دفعہ (۱۷) صاحب حیثیت کے لیے یہ درست نہیں کہ شہادت دینے کی اُجرت بصورتِ ہرجانہ وصول کرے، کیونکہ ادائے شہادت فرض کفایہ ہے اور فرض کی ادائیگی پر اُجرت لینا درست نہیں۔ البتہ اگر گواہ صاحب حیثیت نہ ہو اور شہادت کی ادائیگی کی صورت میں اس بات کا امکان ہو کہ اس کے اہل و عیال نفقے سے محروم ہو جائیں گے یا شہادت دینے کے لیے کو سفر کرنا پڑے اور اسے اخراجات سفر کی ضرورت ہو تو ان کی اُجرت متعین کیے بغیر وہ وصول کر سکتا ہے[5]۔

---

[1] ابن قدامہ احمد بن محمود: المغنی: ۱: ۲۲۴ [5] ایضاً

[2] المرغینانی برہان الدین علی بن ابی بکر: ہدایہ، ۲: ۵۰۰ طبع مجتبائی دہلی

[3] شمس الائمہ السرخسی: المبسوط ۰۰: ۱۱۰ طبع مصر [4] المغنی، ۲: ۱۹

باب دوم

شہادت کے بنیادی اصول

پہلی فصل ادائے شہادت

(عام دعاوی میں ادائے شہادت)

دفعہ ۱۸: عدالت سے باہر کی شہادت معتبر نہیں المجلہ میں ہے۔

لا تعتبر الشهادة التي تقع في خارج مجلس المحكمة [1]

ترجمہ: عدالت سے باہر جو شہادت دی جائے وہ معتبر نہیں ہوتی

دفعہ ۱۹: ضروری ہے کہ گواہ گواہی دیتے وقت لفظ شہادت استعمال کرے۔

ولا بد في ذلك كله من العدالة و لفظة الشهادة فان لم يذكر الشاهد لفظة الشهادة و قال اعلم او اتيقن لم تقبل شهادته [2]

ترجمہ: تمام حقوق میں گواہ کے عادل ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اظہار میں لفظ شہادت استعمال کرے لہٰذا اگر اس نے لفظ شہادت استعمال نہ کیا اور اس کے بجائے

---

[1] المجلۃ : ۱۶۷۹

[2] ایضاً - و عابدین الشیخ محمد علاء الدین آفندی : قرۃ عیون الاخیار : ۱ : ۵۳

کہا کہ "میں جانتا ہوں" یا "مجھے یقین ہے" تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

دفعہ ۲۰: حاکم کے دریافت کرنے پر اگر گواہ لفظ شہادت استعمال کر دے تو شہادت معتبر ہو گی۔[1]

مثلاً شاہد نے کہا کہ "میں اس بات کو جانتا ہوں"۔ اس پر حاکم نے دریافت کیا کہ "کیا تم اس کی شہادت دیتے ہو؟" اور اس نے جواب میں کہا کہ "ہاں! میں ایسی شہادت دیتا ہوں"۔ تو شہادت معتبر ہو گی۔

دفعہ ۲۱: شاہد کا شہادت دیتے وقت مشہود لہٗ (جس کے حق میں شہادت دی جائے) اور مشہود علیہ (جس کے خلاف شہادت دی جائے) کی طرف اشارہ کرنا (اگر وہ حاضر عدالت ہوں) کافی ہے۔

مشہود لہٗ اور مشہود علیہ کی ولدیت بتانا ضروری نہیں لیکن اگر شہادت موکل یا میت کے بارے میں ہو تو گواہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کے باپ اور دادا کا نام لے۔ البتہ اگر وہ لوگ بہت مشہور ہوں تو پھر ان کا نام ہی لے لینا اور ان کی شہرت کا تذکرہ کر دینا ہی کافی ہو گا۔[2]

دفعہ ۲۲: جائیداد غیر منقولہ کے بارے میں شہادت دیتے وقت جائیداد کی حدود کا بیان کرنا ضروری ہے، لیکن اگر گواہ نے حدود نہ بیان کیں تاہم وعدہ ایا

---

[1] المجلۃ: ۱۶۷۹

[2] ایضاً۔

کہ بوقت ضرورت وہ موقع پر جاکر جائیداد کو دکھلا سکتا اور تعیین حدود کر سکتا ہے تو اسے جائیداد کو دکھلانے اور حدود کو متعین کرنے کا حکم دیا جائے گا[1]

دفعہ ۲۳: اگر گواہ کسی معاملے میں مدعی یا مدعی علیہ کے اقرار کی شہادت دے تو ضروری ہے کہ اس کی شہادت علی الاقرار واضح ہو مثلاً اگر گواہ یہ کہے کہ فلاں شخص نے میرے سامنے فلاں چیز کے فروخت کرنے یا اس قسم کا معاملہ کرنے کا اقرار کیا تھا تو اس وقت ضروری ہے کہ وہ یہ وضاحت کرے کہ اقرار کرنے والے نے شئے مذکور کی بیع وشراء کے بارے میں یہ واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اس نے بذاتِ خود یہ کام انجام دیا تھا[2]۔

دفعہ ۲۴: مویشیوں کے بارے میں شہادت دیتے وقت ضروری ہے کہ گواہ ان کی نوع (یعنی گھوڑا، بیل، گائے بھینس، بھیڑ اور بکری) بھی بتائے[3]۔

الف: مویشیوں کی صنف بھی بتانا ضروری ہے:۔

یعنی اگر مدعی یہ دعویٰ کرے کہ مدعی علیہ نے اس کے اتنے مویشی ہلاک کر دیے ہیں اور وہ اس کے ثبوت میں گواہ پیش کرے تو گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ بتلائیں کہ کتنے نر مویشی تھے اور کتنے مادہ۔ فقیہ ابوبکر نے لکھا ہے کہ اگر گواہان اس کی وضاحت نہ کر سکیں تو مجھے اندیشہ ہے کہ شہادت باطل ٹھہر جائے گی۔ البتہ اگر وہ صنف تو بتلا دیں لیکن رنگ نہ بتلا

---

[1] المجلۃ: ص ۲۸۰۔

[2] عالمگیری: ۳: ۴۵۸ طبع مصر ۱۳۱۰ھ [3] ایضاً۔

سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔[1]

ب۔ رنگ میں اختلاف سے شہادت کی ثقاہت متاثر نہیں ہوتی مثلاً اگر شہادت دیتے وقت حاکم نے گواہوں سے مویشیوں کے رنگ کے بارے میں دریافت کیا اور انہوں نے رنگ بتلا دیے، پھر دوبارہ اسی مقدمے میں شہادت دیتے وقت حاکم کے سوال پر انہوں نے مویشیوں کے مختلف رنگ بتلائے تو بھی شہادت قبول کی جائے گی۔[2]

دفعہ ۲۵: کسی کے دیوالیہ ہونے کی شہادت میں ضروری ہے کہ پوری تفصیل بتائی جائے۔

مثلاً اگر گواہ کسی تاجر کے دیوالیہ ہونے کی شہادت دے رہے ہوں تو انہیں اپنی شہادت میں یہ کہنا ہوگا کہ سوائے دن رات کے استعمال کے دو جوڑے کپڑوں کے ہم نہیں جانتے کہ اس کے پاس کوئی دوسری ملکیت بھی ہے۔[3]

دفعہ ۲۶: عمل بیع و شراء بغیر ایجاب و قبول کی شہادت میں ضروری ہے کہ محض عمل کی شہادت دی جائے۔

مثلاً ایک دکاندار کے پاس ایک شخص آیا دکاندار نے کپڑا دکھایا مشتری

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۴۵۸ طبع مصر ۱۳۱۰ھ

[2] ایضاً : ۳ : ۴۶۰

[3] ایضاً

نے قیمت ادا کی اور کپڑا لے گیا۔ فریقین میں سے کسی نے بیع و شراء کے الفاظ اپنی زبان سے ادا نہ کیے۔ پھر بعد میں جھگڑا پیدا ہُوا اور شہادت کی ضرورت پیش آگئی تو اس صورت میں گواہوں پر لازم ہے کہ اپنے اظہار میں صرف یہ کہیں کہ:

"مشتری آیا تھا اس نے بائع کو روپے تھمائے
اور کپڑا لے کر چلا گیا۔"

یہ نہ کہیں کہ بیع و شراء کے سلسلے میں ایجاب و قبول بھی ہُوا۔ البتہ اگر ان کے سامنے ایجاب و قبول ہُوا تھا یا ایسے معاملات پیش آئے ہوں جن سے متحقق طور پر گواہوں نے بیع و شراء کا معاملہ سمجھا ہو تو وہ اپنے بیان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ "لین دین" بصورت بیع و شراء ہُوا تھا۔[1]

الف۔: بیع بالتعاطی[2] کی صُورت میں صرف لین دین کی شہادت دینا ضروری ہے۔ مثلاً اگر دو آدمیوں کے درمیان "بیع بالتعاطی" کے ذریعہ معاملہ ہُوا ہو تو گواہان اس بات کے مجاز نہ ہوں گے کہ بیع کی شہادت دیں بلکہ انہیں صرف "لین دین" کی شہادت دینا ہو گی۔ بعض علمائے حنفیہ کی رائے ہے

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۴۷۰

[2] بیع بالتعاطی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خریدار کو معلوم ہے کہ فلاں مال کی کیا قیمت ہوتی ہے۔ وہ آئے اور قیمت بائع کو ادا کر کے مال اُٹھا کر لے جائے۔ زبانی ایجاب و قبول نہ ہو۔

کہ اگر بیع کی شہادت دیں تو بھی درست ہے[1]۔

دفعہ ۲۷ : اگر گواہ مویشی کی صحیح عُمر نہ بتا سکے تو شہادت رد کر دی جائے گی مثلاً مدعی کے حق میں گواہوں نے شہادت دی اور اپنے بیان میں کہا کہ فلاں جانور مدعی کا ہے۔ قاضی نے دریافت کیا کہ "جانور تین سال کا ہے یا چار سال کا؟" گواہوں نے تبلایا کہ "تین سال کا" لیکن جانور چار سال کا نکلا تو شہادت رد کر دی جائے گی۔ البتہ اگر گواہوں نے کہا کہ ابتداء میں جب ہم نے شہادت دی تھی تو اس کی عمر یہ تھی، اب یہ ہو گی (یعنی اس وقت وہ تین سال کا تھا اور اب جبکہ ایک سال گزر چکا ہے وہ چار سال کا ہو گیا ہو گا) تو شہادت قبول کر لی جائے گی[2]۔

دفعہ ۲۸ : واقعہ کی غیر متضاد اجمالی شہادت بھی قبول کی جا سکتی ہے۔ مثلاً کسی شخص نے دعویٰ دائر کیا کہ اس نے زید کو پانچ اشرفیاں بطور قرض دی تھیں اور زید نے عدالت میں بیان دیا کہ میں نے وہ اشرفیاں ادا کر دی تھیں اور دو گواہ پیش کیے۔ گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ہم نے دیکھا کہ زید نے مدعی کو پانچ اشرفیاں دیں۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ اشرفیاں کیسی تھیں یعنی ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ اشرفیاں مدعی کے دین کی تھیں یا نہیں تب بھی شہادت قبول کر لی جائے گی اور زید کو بری الذمہ قرار دے دیا جائے گا[3]۔

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۴۶۰

[2] الفتاوی الانقرویہ : ۱ : ۳۷۰ طبع افغانستان ۱۳۹۰ھ [3] ایضاً

دوسری فصل

قبضہ کی شہادت

دفعہ ۲۹ مالکانہ تصرف کی شہادت بھی بالواسطہ قبضے کی شہادت متصوّر ہوگی۔

مثلاً اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کے بارے میں قبضے کی شہادت دے جو کسی مکان میں مالکانہ تصرف کرتا ہو، مثلاً اس میں سکونت پذیر ہو یا کرایہ پر دیتا رہا ہو یا عاریتہً لوگوں کو دے دیا ہو یا اس کی مرمت کراتا رہتا ہو یا کسی حصّے کو گراتا اور کسی حصّے کو بناتا رہتا ہو اور کوئی اس سے نزاع نہ کرتا ہو تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی[۱]

دفعہ ۳۰: قبضۂ ناحق کی صورت میں ضروری ہے کہ گواہ اس کا تذکرہ بھی کرے ورنہ قبضۂ ناحق نہیں مانا جائے گا۔

مثلاً اگر کسی چیز کے دو دعویدار ہوں اور گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ شے متنازع فیہ مدعی کی ملکیت ہے اور یہ نہیں کہا کہ شے مذکور مدعی علیہ کے قبضۂ ناحق میں ہے تو حاکم اس قسم کی شہادت کی بنیاد پر شے متنازع فیہ کا مالک تو مدعی کو قرار دے سکتا ہے لیکن قبضہ اس وقت تک نہیں دلا سکتا جب تک کہ گواہان اپنے بیان میں یہ نہ کہیں

---

[۱] المغنی: ۱۲: ۲۵

کہ شے مذکور مدعیٰ علیہ کے قبضۂ ناحق میں ہے۔[1]

الف:- حاکم پر لازم ہے کہ گواہ سے استحقاق کی تفصیل دریافت کرے۔ اور اس کی بنیاد پر فیصلہ کرے

مثلاً اگر گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ اس چیز پر مدعی کا حق ہے تو حاکم کو گواہ سے یہ دریافت کرنا چاہیے کہ "حق سے اس کی کیا مراد ہے"؟ اگر گواہ حق ملکیت مراد لے رہا ہو تو اسے ملکیت کا فیصلہ کرنا چاہیے اور اگر حق سے وہ کوئی دوسری چیز از قسم قبضہ مراد لے رہا ہو تو اس کی مراد کے مطابق حاکم کو فیصلہ کرنا چاہیے۔[2]

ب:- ملکیت کے بارے میں قابض کے گواہوں کی شہادت کو ترجیح دی جائے گی۔

مثلاً ایک مکان کسی شخص کے قبضے میں تھا۔ دوسرے شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے وہ مکان فلاں شخص سے خرید لیا ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں دو گواہ پیش کر دیے۔ اس کے جواب میں مکان پر قابض شخص نے بھی دو گواہ پیش کیے کہ اس نے مالک سے وہ مکان خرید لیا ہے اور خریدنے کے بعد اس نے مکان پر قبضہ کیا ہے تو قابض کے گواہوں کے بیان کو ترجیح دی جائے گی اور اس کے حق میں فیصلہ کیا

---

[1] عالمگیری: ۳: ۴۶۰

[2] الف

جائے گا۔[1]

ج۔ : ناجائز قبضے کی شہادت میں مدت کا تعین ضروری ہوتا ہے بشرطیکہ دعوے میں تعین کیا گیا ہو۔

مثلاً ایک مکان کے بارے میں کسی نے دعویٰ دائر کیا کہ یہ میرا ہے اور فلاں شخص نے بغیر کسی قانونی استحقاق کے فلاں تاریخ کو اس پر قبضہ کر لیا۔ اپنے اس دعوے کے سلسلے میں اس نے دو گواہ پیش کیے جنہوں نے اپنے بیان میں یہ تو ضرور کہا کہ مکان مذکور پر مدعیٰ علیہ نے ناجائز طور پر قبضہ کر لیا ہے لیکن ناجائز قبضے کی مدت کا تعین نہیں کیا نہ اس کی تاریخ بیان کی تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ دعویٰ اور شہادت میں اختلاف ہو گیا۔ دعویٰ تو یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ نے زمانۂ ماضی میں ناجائز طور پر مکان مذکور پر قبضہ کر لیا ہے اور شہادت مطلق ہے جو حال پر محمول ہو گی۔[2]

د۔ : ملکیت منقولہ کے دعوے میں ضروری نہیں کہ گواہ صراحۃً یہ کہے کہ وہ مدعیٰ علیہ کے ناحق قبضے میں ہے۔[3]

ھ۔ : اگر دعوے میں ناجائز قبضے کی مدت کا تعین نہ کیا گیا ہو اور شہادت

---

[1] المبسوط : ۱۶ : ۱۶۰

[2] قاضی ابن سماونہ محمود بن اسرائیل : جامع الفصولین : ۱ : ۱۱۷ طبع مصر سنہ ۱۳۰۰ھ

[3] الفتاویٰ الانقرویہ : ۱ : ۳۶۸

میں بھی تعیّن نہ کیا جائے تو شہادت قبول کی جائے گی

مثلاً مدعی نے مدعیٰ علیہ پر کسی مکان پر ناجائز قبضہ کر لینے کا مطلق دعویٰ کیا اور کسی تاریخ کا تعین نہیں کیا اور گواہ نے بھی اپنے بیان میں مطلق ناجائز قبضہ کر لینے کی شہادت دی تو شہادت قبول کر لی جائے گی۔[1]

○

---

[1] جامع الفصولین : ۱ : ۱۱۷ ۔

تیسری فصل

قطعی شہادت

دفعہ ۱۴۳ : ضروری ہے کہ گواہ کے بیان میں قطعیت ہو مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ اس نے وہ مکان (جو بکر کے قبضے میں ہے) بکر سے خرید لیا ہے لیکن بکر اس بات سے انکار کرتا ہے کہ اس نے مکان مذکورہ زید کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ زید نے اپنے دعوے کے ثبوت میں جو گواہ پیش کیے انہوں نے شہادت دی کہ بکر نے مکان مذکور زید کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، لیکن انہوں نے قیمت نہیں بتلائی تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[1]

الف : بیع کی شہادت میں قیمت اور وصولی کی شہادت ضروری ہوتی ہے ورنہ شہادت رد کر دی جائے گی۔ مثلاً دو گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں شخص نے ہمارے سامنے اقرار کیا تھا کہ اس نے اپنی فلاں ملکیت فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کر دی ہے لیکن انہوں نے نہ تو قیمت بتلائی نہ یہ بتلایا کہ بائع نے مشتری سے قیمت وصول کر لی تھی تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[2]

۱؎ المبسوط : ۱۶ : ۱۵۹

۲؎ ایضاً

ب : جائیداد غیر منقولہ کے بارے میں شہادت دیتے وقت حدودِ اربعہ کا تعیّن یا کم از کم یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ گواہ اس جگہ کو پہچانتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے دعویٰ دائر کیا کہ اس نے فلاں مکان خرید لیا ہے اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اس نے دو گواہ پیش کیے۔ گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ "مدعی نے مکان مذکور خرید لیا ہے۔" لیکن جب حاکم نے ان سے حدود اربعہ دریافت کیں اور ان سے پوچھا کہ کیا وہ اس مکان کو پہچانتے ہیں تو انھوں نے نفی میں جواب دے دیا۔ ایسی شہادت باطل قرار دی جائے گی۔[1]

ج :- حدود اربعہ کے بجائے اگر گواہ تین حدود بیان کر دیں تو اُسے حدود اربعہ بتلانے کے برابر سمجھا جائے گا۔[2]

د - : اگر گواہ دعوائے ملکیت کی شہادت میں بنیادی باتیں بتلا دیں تو شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔ مثلاً دو گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں شخص نے ہمارے سامنے اقرار کیا تھا کہ اس نے اپنی فلاں ملکیت، فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کر کے مشتری سے اس کی قیمت وصول کی تھی لیکن انھوں نے یہ نہیں بتلایا کہ بائع نے کتنی رقم وصول کی تھی تو ان کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔[3]

---

[1] المبسوط : ۱۶ : ۱

[2] ایضاً۔

[3] ایضاً۔

دفعہ ۳۲ : سوائے تین صورتوں کے شہادت بالمجہول قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

وہ تین صورتیں یہ ہیں :۔

(الف) اگر گواہوں نے شہادت دی کہ زید ایک شخص کا کفیل بنا تھا لیکن ہم اس شخص کو نہیں جانتے

(ب) گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ "فلاں شخص نے فلاں شخص کے پاس چند چیزیں رہن رکھ کر اس سے اتنی رقم لی تھی لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کون کون سی چیزیں تھیں"۔

(ج) گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ زید نے فلاں شخص کی مختلف چیزیں غصب کرلی ہیں لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کون کون سی چیزیں تھیں۔

مذکورہ بالا تینوں قسم کی شہادتیں قبول کرلی جائیں گی[1]۔

الف۔ : قرض کے دعوے کی شہادت میں بھی اتنی قطعیت ضروری ہے جس سے دعویٰ ثابت ہو جائے۔ مثلاً مدعی نے مدعیٰ علیہ پر قرض کا دعویٰ کیا اور گواہ پیش کیے۔ مدعیٰ علیہ نے گواہوں سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس بات کی بھی شہادت دیتے ہیں کہ مدعی کے اتنے روپے ابھی بھی میرے ذمّے باقی ہیں؟ اور گواہوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ اتنے ہی روپے اس وقت بھی تمہارے ذمّے باقی ہیں"۔ تو شہادت

---

[1] اتحاف الابصار والبصائر : ۲۸۹

ب -

رد کر دی جائے گی۔[1]

ب۔ : گواہ کو مطلق لفظ قرض کہنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے دعویٰ ثابت ہو رہا ہو تو شہادت قبول کر لی جائے گی۔

مثلاً مدعی نے مدعیٰ علیہ پر بہ ایں طور دعویٰ کیا کہ "اس نے مجھ سے اتنے روپے قرض لیے تھے، لہٰذا اس کے ذمّے میرے اتنے روپے باقی ہیں"۔ گواہ نے اپنے بیان میں "قرض" کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ صرف اتنا کہا کہ "مدعی کے اتنے روپے مدعیٰ علیہ کے ذمہ باقی ہیں" تو صحیح یہی ہے کہ شہادت قبول کر لی جائے گی۔

یا

مثلاً زید نے کسی شخص پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے اتنے روپے قرض لیے ہیں اور دو گواہ پیش کیے۔ گواہوں نے اپنے بیان میں صرف اتنا کہا کہ مدعیٰ علیہ نے ہمارے سامنے یہ اقرار کیا تھا کہ اس کے ذمّے زید کے اتنے روپے ہیں یا ایک گواہ نے کہا کہ مدعیٰ علیہ نے زید سے اتنے روپے قرض لیے تھے اور دوسرے نے کہا کہ مدعیٰ علیہ نے میرے سامنے یہ اقرار کیا تھا کہ اس کے ذمّے زید کے اتنے روپے باقی ہیں تو ان دونوں صورتوں میں دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور شہادت قبول کی جائے گی۔[2]

---

[1] جامع الفصولین : ۱ : ۱۱۷ [2] ایضاً۔

ج - : میّت پر قرض کا دعویٰ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ مرتے وقت تک اس پر قرض تھا اور گواہ بھی اپنے بیان میں صراحتًہ اس کا تذکرہ کرے، ورنہ شہادت رد کردی جائے گی۔
مثلاً کسی شخص نے کسی وارث پر دعویٰ کیا کہ اس کے مرحوم مورث کے ذمّے میرے اتنے روپے باقی تھے اور گواہ پیش کیے تو گواہوں نے اگر اپنے بیان میں صرف یہ کہا کہ فلاں شخص کے فلاں مرحوم مورث کے ذمّے مدعی کے اتنے روپے باقی تھے تو شہادت رد کر دی جائے گی۔ البتہ اگر وہ اپنے بیان میں کہیں کہ موت کے وقت اس کے ذمّے فلاں شخص (مدعی) کے اتنے روپے باقی تھے تو شہادت قبول کی جائے گی[1]

د - : قتل کے مقدمات میں بھی ضروری ہے کہ گواہ کا اظہار قطعی ہو اور گول مول بات نہ کہی جائے ورنہ شہادت رد کر دی جائے گی[2]

ﮦ - : رقومات اور کسی بھی حق ملکیت کی شہادت میں ضروری ہے کہ گواہ رقم معین کا تذکرہ کرے اور ملکیت کی بھی مدت کی تعیین کرے۔ ورنہ شہادت رد کر دی جائے گی۔
مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ بکر پر اس کے سو روپے قرض ہیں تو زید جو

---

[1] الفتاوی الانقرویہ : ۱ : ۳۶۸

[2] المغنی : ۱۰ : ۴۳

گواہ پیش کرے اسے یہ کہنا ہوگا کہ "میں شہادت دیتا ہوں کہ زید کے بکر کے ذمّے سو روپے باقی ہیں"۔ اس کے بجائے اگر وہ یہ کہے کہ "زید کے بکر کے ذمّے سو یا سوا سو روپے باقی ہیں تو ایسی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح کسی شے پر ملکیت کا دعویٰ کرتے وقت ایک معینہ مدّت بیان کرنی پڑے گی اور گواہوں کو بھی اپنے بیان میں اسی معیّنہ مدت کے بارے میں کہنا پڑے گا، ورنہ دعویٰ مقبول ہوگا نہ شہادت۔ مثلاً اگر کسی نے اپنے دعوے میں کہا کہ یہ مکان دس بارہ سال سے میری ملکیّت میں ہے"، یا گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ "یہ مکان دس بارہ برس سے مدعی کی ملکیت میں ہے" تو نہ دعوے تسلیم کیا جائے گا نہ شہادت[۱]۔

○

---

[۱] عالمگیری: ۳ : ۴۶۲۔

چوتھی فصل

شہادت بلا دعویٰ

دفعہ ۳۴۳: ہر شہادت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دعویٰ ہو لیکن مندرجہ ذیل صورتوں میں بغیر دعویٰ بھی شہادت قبول کی جائیگی۔

(الف) کسی عورت کی طلاق کے بارے میں بشرطیکہ شوہر (طالق) عدالت میں موجود ہو اور اس کے سامنے گواہ یہ شہادت دے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے[1]۔

(ب) کسی جائیداد کے وقف کے بارے میں خواہ گواہان موقوفہ جگہ میں خود مقیم ہوں۔ مثلاً دو گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں شخص نے اپنی فلاں جائیداد فلاں مسجد میں مقیم فقراء پر وقف کر دی ہے تو اُن کی شہادت قبول کی جائے گی، چاہے گواہان بذاتِ خود اس مسجد میں مقیم فقراء میں سے ہوں[2]۔

البتہ اگر دو گواہ شہادت دیں کہ فلاں شخص نے اپنے مکان کے کچھ حصّے کو وقف کر دیا ہے لیکن وہ یہ نہ بتلا سکیں کہ اس نے

---

[1] جامع الفصولین: ۱: ۱۴۳

[2] ایضاً۔

کس حصّے کو وقف کیا ہے تو ان کی شہادت رد کر دی جائے گی۔[1]

اگر گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ فلاں جائیداد فلاں ادارے پر وقف ہے" لیکن انہوں نے واقف کا نام نہیں تبلایا یا یہ کہا کہ ہم نہیں جانتے کس نے اس جائیداد کو وقف کیا ہے۔" تو صحیح یہی ہے کہ ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔[2]

(ج) رمضان المبارک، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے چاند کے بارے میں بھی شہادت بغیر دعویٰ قبول کی جائے گی۔

(د) حد قذف کے علاوہ دیگر حدود میں بھی شہادت بغیر دعویٰ کے قبول کی جاتی ہے۔[3]

○

---

[1] جامع الفصولین : ۱ : ۱۲۳۔

[2] الرملی خیر الدین : حاشیہ علی جامع الفصولین : ۱ : ۱۲۰ : طبع مصر سنہ ۱۳۰۰ھ

[3] اتحاف الابصار والبصائر : ۳۰۱۔

پانچویں فصل

بیانِ شہادت کے بعض حصّوں کا باطل ہونا

دفعہ ۴۴ اگر بیانِ شہادت کے بعض حصّے غلط ثابت ہو جائیں تو پُورا بیان شہادت باطل قرار دے دیا جائے گا۔[1]

مغربی قانونِ شہادت میں ایسا نہیں ہے بلکہ اگر حاکم کو یقین ہو کہ گواہ کے بیان میں کچھ حصّے درست ہیں تو وہ انہیں قبول کر لیتا ہے حالانکہ یہ عمل بداہتہً خلافِ عقل ہے کیونکہ اگر گواہ اپنے بیان کے ایک حصّے میں بے شرمی سے جھُوٹ بول سکتا ہے تو ایسی کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ بقیہ حصّے میں وہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔

○

---

[1] اتحاف الابصار والبصائر : ص ۲۸۹

چھٹی فصل

شہادت میں شناخت کا مسئلہ

دفعہ ۳۵ شہادت میں ضروری ہے کہ شاہد، مشہود لہٗ اور مشہود علیہ عین اور اسم دونوں اعتبار سے متعیّن ہوں، ورنہ شہادت رد کردی جائے گی مثلاً:

زید کی دو بالغ بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام فاطمہ اور دُوسری کا زینب تھا۔ ان دونوں میں سے کسی ایک نے کسی شخص سے قرض لیا اور اس کا مقدمہ عدالت میں پیش ہُوا۔ گواہ کو یہ بات تو معلوم تھی کہ زید کی دو بیٹیوں میں سے ایک نے قرض لیا تھا، لیکن اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ زینب کون ہے اور فاطمہ کون؟ اور ان دونوں میں سے قرض کس نے لیا تھا۔ ایسی صورت میں گواہ اس مقدمے میں گواہی دینے کا مجاز نہیں ہوگا۔[1] یا مثلاً

ایک عورت عدالت میں حاضر ہوئی اور اس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ پھر حاکم کے سامنے بیان دیا کہ "میں فلاں بنتِ فلاں ہوں۔ میں نے اپنا

---

[1] الدسوقی شمس الدین الشیخ محمد عرفہ: حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴: ۱۸۷ : طبع مصر

دین مہر جو میرے شوہر فلاں بن فلاں پر واجب تھا معاف کر دیا ہے

تو اس کا اقرار تسلیم کر لیا جائے گا، لیکن اگر وہ عورت برقع پوش ہو تو دو گواہ طلب کیے جائیں گے جو اس بات کی شہادت دیں گے کہ واقعۃً یہ فلاں عورت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ برقع پوش کا اقرار یا شہادت اس وقت تک تسلیم نہیں کی جائے گی جب تک ایک جماعت اس بات کی شہادت نہ دے دے کہ "یہ فلاں بنت فلاں ہے"۔[1]

الف : کسی فعل کا کسی پر دعویٰ کرتے وقت یا کسی فاعل کے فعل پر شہادت دیتے وقت یہ ضروری نہیں ہوتا کہ فاعل کا نام بھی تبلایا جائے (بلکہ صرف اس کی شناخت کافی ہے) دعویٰ اور شہادت قبول کی جائے گی۔[2]

ب : اگر گواہ نکاح کے مقدمے میں مدعیہ کی شناخت کرے لیکن حالیہ کیفیت کے بارے میں کوئی قطعی بات نہ بھی کہہ سکے تب بھی اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی، مثلاً:

کسی عورت نے زید پر دعویٰ کیا کہ وہ اس کی منکوحہ بیوی ہے اور اس نے دو گواہ پیش کیے۔ ایک گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ "یہ زید

---

[1] بحر الرائق : ۷ : ۷۰۔

[2] ابن عابدین : منحۃ الخالق علیٰ حاشیۃ بحر الرائق : ۷ : ۷۲ طبع مصر۔

کی بیوی ہے"۔ مگر دوسرے گواہ نے کہا کہ "میں اتنا تو جانتا ہوں کہ یہ زید کی بیوی تھی"۔ (اس وقت کیا پوزیشن ہے؟ اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا) تو شہادت قبول کر لی جائے گی۔[1]

ج : اگر گواہ کسی مقرہ کا اقرار پردے کے پیچھے سے سُنے اور اس بنا پر اس کے اقرار کی شہادت دے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔[2]

د : گواہ اگر نام بتلائیں لیکن مشہود لہٗ یا مشہود علیہ کو نہ پہچانیں تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔[3]

---

[1] جامع الفصولین : ۱ : ۱۱۸

[2] کمال الدین، محمد بن عبدالواحد السیواسی المعروف بابن الہمام الحنفی : شرح فتح القدیر : ٦ : ۱۷ طبع مصر ۱۳۱۷ھ

[3] ایضاً۔

ساتویں فصل

دستاویزی شہادت اور اُس کے متعلقات

دفعہ ۳۶ : وہی دستاویزی شہادت قابلِ قبول ہوتی ہے جو ہر قسم کی جعل سازی اور تزویر سے مبرّا ہو۔ اسی بنا پر محض تحریر یا مُہر معتبر نہیں، تاوقتیکہ وہ ہر قسم کی تزویر و تصنیع سے خالی نہ ہو اور فیصلے کی بنیاد بننے کی اس میں صلاحیت نہ ہو۔[1]

الف۔ : سرکاری دستاویزات معتبر ہوتی ہیں، بشرطیکہ وہ جعل سازی سے محفوظ ہوں۔[2]

ب۔ : سرکاری رجسٹر کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔[3]

ج۔ : جس طرح دستاویزی شہادت معتبر ہوتی ہے اسی طرح کسی تحریر پر شہادت دینا بھی درست ہے۔ مثلاً کسی نے اپنے بیان میں کہا کہ "یہ تحریر فلاں شخص کی ہے اور اس نے اپنی اس تحریر میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس کے ذمّے فلاں شخص کے اتنے روپے باقی ہیں یا یہ کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے" لیکن ضروری ہے کہ دو عادل گواہ اسی مضمون کی شہادت دیں اور تحریر محولہ بالا بھی عدالت میں پیش

---

۱ المجلۃ : ۱۶۱۰

۲ ایضاً ۳ ایضاً

کی جائے۔[1]

(راقم الحروف کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں تحریر اور نشان انگوٹھا کے ماہرین کی رائے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے اور اس رائے پر اعتماد بھی کیا جاسکتا ہے)

د: دستاویز کے ضائع ہو جانے کے بعد اگر دو عادل گواہ اس کے مندرجات کی بابت شہادت دیں تو صحیح بات یہی ہے کہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی، مثلاً:

دو عادل گواہوں نے کسی شخص کے ہاتھ میں کوئی دستاویز دیکھی، شخص مذکور نے بتلایا کہ اس دستاویز میں اس نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس پر فلاں شخص کے اتنے روپے باقی ہیں۔ گواہوں نے وہ تحریر پڑھی اور اس کے مندرجات کو اپنے حافظے میں محفوظ کر لیا۔ نیز محولہ بالا دستاویز کے بارے میں ضروری تحقیقات بھی کر لی۔ اتفاقاً اس کے بعد وہ دستاویز غائب ہو گئی۔ اب اگر گواہان دستاویز مذکور کے

---

[1] حاشیۃ الدسوقی: ۴: ۱۹۲

مندرجات کے بارے میں شہادت دیں تو ابن عرفہ، متیطی اور صاحب المعیار کے قول کے مطابق شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ یہی قول راجح ہے۔ البتہ علامہ ابوالحسن الصغیر کا قول ہے کہ شہادت قبول کی جائے گی۔[1] نیز

اگر کسی جائیداد غیر منقولہ کی حدود کی تعیین کے سلسلے میں کوئی دستاویز پیش کی جائے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً:

مدعی نے کسی مکان کے بارے میں دعویٰ دائر کیا اور اپنے دعوے میں کہا کہ "وہ مکان جس کی حدود اس دستاویز میں مرقوم ہیں، مدعی کی ملکیت ہے" تو دعویٰ اور شہادت دونوں کو قبول کیا جائے گا۔[2]

○

۱؎ الدسوقی : ۴ : ۱۹۲

۲؎ الفتاویٰ الانقرویہ : ۱ : ۳٦۸

آٹھویں فصل

سماعی شہادت

دفعہ ۴۷: حدود میں سماعی شہادت معتبر نہیں

عینی شہادت ہونی چاہیئے[1]۔

دفعہ ۴۸: اگر گواہ چھپ کر مقر کے اقرار کو سُن رہا تھا اور مقر کو دیکھ بھی رہا تھا تو اس کے اقرار پر گواہ کی شہادت معتبر ہو گی[2]۔ نیز

اگر گواہ نے مقر کے اقرار کو سنا اور کوئی ایسی یقینی صورت پیدا ہو گئی کہ مقر کے اقرار میں شبہہ نہ ہو تو شہادۃ علی الاقرار بالسماع مقبول ہو گی۔

مثلاً ایک شخص ایک کمرے میں اکیلا تھا۔ اسی دوران ایک دوسرا شخص آیا اور اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ پھر باہر نکل کر کمرے کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ اس دروازے کے علاوہ اس کمرے میں کوئی دروازہ نہ تھا۔ اس وقت اس شخص نے جو کمرے میں تھا بہ آواز بلند کسی حق کا اقرار کیا جسے دروازے پر بیٹھنے والے شخص نے سُنا۔ اب اگر یہ شخص (جو دروازے پر بیٹھا ہُوا تھا) اس اقرار پر شہادت دے تو اس کی شہادت معتبر ہو گی[3]

---

[1] التشریع الجنائی ۲ : ۱۴۱۱

[2] ابن النجیم شیخ زین الدین : بحر الرائق ۷ : ۷۰ طبع مصر۔

[3] ایضا

دفعہ ۳۹ نکاح، موت، نسب، وقف، ولادت، ولدیت اور عزل میں سماعی شہادت معتبر ہوتی ہے[۱]

الف۔ : اقرار بالنسب کو اگر گواہ نے سنا اور اس پر شہادت دی تو شہادت معتبر ہو گی۔ مثلاً کسی نے زید کو یہ کہتے سنا کہ بکر اس کا بیٹا ہے یا زید نے کسی لڑکے کے بارے میں گواہ کے سامنے اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے یا لڑکے کو یہ کہتے سنا کہ فلاں میرا باپ ہے اور وہ شخص (جس کو لڑکے نے اپنا باپ کہا) خاموش رہا اور گواہ نے ثبوت نسب کی گواہی دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔[۲]

ب۔ : اگر کسی آدمی نے کسی شخص کو کسی حق کا اقرار کرتے ہوئے یا کسی گواہ کو کسی حق کی شہادت دیتے ہوئے یا کسی حاکم کو کسی حق کے بارے میں حکم دیتے ہوئے یا حکم کو نافذ کرتے ہوئے سنا تو اس آدمی کے لیے درست ہے کہ وہ اس حق کے بارے میں عدالت میں شہادت دے۔

ج۔ : اگر فریقین سماعی گواہوں کو شہادت دینے سے منع کر دیں۔ اس کے باوجود اگر گواہان شہادت دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

مثلاً دو گواہوں کی موجودگی میں دو شخصوں کے درمیان حساب و کتاب ہو رہا تھا اور گواہان اس سارے حساب و کتاب کو سن رہے تھے۔

۱۔ المقدسی : الشرح الکبیر : ۱۲ : ۱۰ طبع مصر ۱۳۴۷ھ

۲۔ الشرح الکبیر : ۱۲ : ۱۲ علی ہامشہ المغنی۔

فریقین نے گواہان سے یہ بھی کہا کہ یہ بات آپ دونوں تک محدود رہنی چاہیے اس کے باوجود اگر گواہان اس حساب وکتاب کے بارے میں شہادت دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔[1]

د- : اگر ایک عادل گواہ بھی کسی شخص کی موت کی شہادت دے دے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور شہادت دیتے وقت "لفظ شہادت" بھی استعمال نہ کرے تو بھی شہادت معتبر ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی عادل گواہ نے اپنے بیان شہادت میں کہا کہ میں فلاں شخص کے جنازے میں موجود تھا" یا فلاں کی تجہیز وتکفین میں شریک ہوا تھا یا مجھے ایک قابل اعتماد شخص نے بتلایا تھا کہ فلاں شخص کی وفات ہوگئی" تب بھی شہادت معتبر ہوگی۔[2]

ہ- : اگر کسی شخص کی موت کی خبر آئے اور لوگ مراسم تعزیت بجالائیں یا قرآن خوانی وایصال ثواب کرائیں تو محض ان رسوم کی ادائیگی کی بنیاد پر اس شخص کی موت کی شہادت دینا درست نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ خبر غلط ہو یا اس کی میراث کو تقسیم کرنے کی غرض سے یہ ڈھونگ رچایا گیا ہو۔[3]

---

[1] الشرح الکبیر: ۱۲: ۲۰ علی ہامشہ المغنی۔

[2] امام علاء الدین: معین الحکام: ۱۳۵ طبع مصر

[3] ایضاً۔

د۔ : اگر کسی عادل شخص کو دو عادل مرد ہوں یا ایک عادل مرد اور ایک عادلہ عورت نے خبر دی کہ "فلاں عورت فلاں شخص کی زوجہ منکوحہ ہے"۔ اور اس اطلاع کی بنا پر وہ شخص عورت مذکورہ کے نکاح کی شہادت دے تو شہادت معتبر ہوگی۔[1]

ز۔ : سماع کی بنیاد پر نسب کی شہادت مقبول ہوگی۔ مثلاً اگر کسی نے لوگوں کی زبانی یہ سُنا کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا ہے یا فلاں شخص فلاں کا بھائی ہے اور اس بنیاد پر اس نے اس بات کی شہادت دی تو شہادت قبول کی جائے گی۔[2]

ح۔ : سماع کی بنیاد پر حاکم کی ولایت کی شہادت قبول کی جائے گی مثلاً اگر کسی نے لوگوں کی زبانی یہ سُنا کہ "فلاں شخص فلاں شہر کا قاضی ہے" اور اس نے اس بنیاد پر شہادت دی تو شہادت قبول کی جائے گی۔[3]

ط : سماع کی بنیاد پر وقف کی شہادت بھی قبول کی جائے گی مثلاً اگر یہ بات لوگوں میں مشہور ہو کہ "فلاں شخص نے اپنی فلاں جائیداد فلاں ادارے یا فلاں مسجد پر وقف کر دی ہے" اور اس نے اس

---

[1] امام علاء الدین : معین الحکام : ۱۳۶ طبع مصر
[2] ایضاً ص : ۱۳۶ [3] ایضاً

بنا پر اس بات کی شہادت دی تو شہادت قبول کی جائے گی۔[1]

ی : سماع کی بنیاد پر کسی منکوحہ عورت کے ساتھ خلوت صحیحہ کی شہادت دی جا سکتی ہے۔[2]

○

۱؎ معین الحکام : ۱۳۶

۲؎ ایضاً

نویں فصل

شہادۃ علیٰ الشہادۃ

دفعہ ۴۰: حدود و قصاص کے مقدمات میں شہادۃ علیٰ الشہادۃ قبول نہیں کی جاتی[1]۔

دفعہ ۴۱: شہادۃ علیٰ الشہادۃ کی صورت یہ ہو گی کہ اصل شاہد فرع کو مخاطب کر کے یہ کہے کہ تم میری اس شہادت پر گواہ بنو اور میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ فلاں شخص کے فلاں پر اتنے روپے باقی ہیں۔ اور جسے گواہ بنایا جا رہا ہے وہ گواہ بننا منظور کرے یا خاموش رہ جائے[2]۔

دفعہ ۴۲: شہادۃ علیٰ الشہادۃ اسی صورت میں قبول کی جا سکتی ہے، جبکہ موت یا مرض یا طویل سفر کے باعث اصل شاہد حاضر عدالت ہونے سے معذور ہو۔ یا کوئی پردہ نشین عورت ہو جس کے لیے غیر مردوں کے سامنے حاضر ہو کر بیان دینا متعذر ہو[3]۔

دفعہ ۴۳: شہادۃ علیٰ الشہادۃ میں بھی گواہ کی تعداد کا جو نصاب مقرر ہے

---

[1] رد المحتار: ۴: ۴۰۹

[2] علاء الدین الحصکفی: در مختار: ۲: ۱۰۰ طبع مجتبائی دہلی۔

[3] ایضاً۔

اس کا پورا ہونا ضروری ہے۔[1]

دفعہ ۴۴ : اگر اصل شاہد کی اہلیت کسی وجہ سے ساقط ہوجائے مثلاً وہ نابینا ہوجائے یا گونگا یا فاسق ہوجائے تو فرع کی شہادت کی اہلیت بھی ساقط ہوجائے گی۔[2]

الف۔ : اگر اصل اپنی شہادت سے منکر ہوجائے مثلاً کہے کہ میں نے ایسا بیان (شہادت) دیا ہی نہیں"۔ یا کہے کہ ہم نے فرع کو گواہ بنایا ہی نہیں"۔ یا کہے کہ ہم نے اسے گواہ تو بنایا تھا، لیکن ہم سے غلطی ہو گئی"۔ تو ان تمام صورتوں میں فرع کی شہادت باطل ہوجائے گی۔[3]

ب۔ : اگر اصل فرع کو گواہ بنائے پھر اسے شہادت دینے سے منع کرے تو اس کے منع کرنے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ فرع سابق اشہاد کی بنا پر شہادت دے سکتا ہے۔[4]

ج۔: اگر اصل نے چند آدمیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میری فلاں شہادت پر گواہ بن جاؤ تو جن لوگوں کو مخاطب کرے گا وہی شہادت دینے کے اہل ہوں گے۔ اگر اس بات کو کوئی دوسرا شخص سُنے جسے اصل

---

[1] علاء الدین الحصکفی ، درمختار ، ۲ : ۱۰۰ طبع مجتبائی دہلی

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] ایضاً

نے مخاطب نہیں کیا تھا تو وہ گواہ نہیں بن سکتا۔[1]

د۔ : ایک فرع ایک اصل کی شہادت پر گواہ نہیں بن سکتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ دو آدمیوں کو گواہ بنایا جائے۔[2]

ھ۔ : حد قذف کے لگائے جانے کے سلسلے میں شہادۃ علی الشہادۃ قبول کی جائے گی۔ مثلاً اگر دو گواہ دو گواہوں کے بارے میں یہ شہادت دیں کہ فلاں گواہ پر فلاں شہر کے قاضی نے حد قذف لگائی تھی تو اُن کی شہادت قبول کی جائے گی۔[3]

و۔ : اگر دو اصل گواہ فرع گواہ بنانے کے بعد مُرتد ہو جائیں اس کے بعد اسلام قبول کر لیں تو اب فرع اصل گواہوں کے بیان پر شہادت نہیں دے سکتا اس لیے کہ ارتداد سے سابقہ شہادت اور اشہاد باطل ہو جاتا ہے۔[4]

ز۔ : اگر کسی اصل نے دو فرع کافروں کو اپنی شہادت پر گواہ بنایا ہو اس کے بعد وہ کافر مسلمان ہو جائیں تو ان کی شہادت جائز ہو گی۔[5]

---

[1] معین الحکام : ۱۳۸

[2] ایضاً ص ۱۳۹

[3] ایضاً

[4] ایضا

[5] ایضاً

ح۔: باپ کی شہادت پر بیٹے کو گواہ بنانا جائز ہے۔[1]

ط۔: اگر کوئی ایک گواہ شہادت دے اس کے بعد دُوسرا گواہ آکر یہ کہہ دے کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جو میرے ساتھی نے کہا ہے تو محض اس کے اس قول پر اکتفا کرنا درست نہیں بلکہ حاکم کا فرض ہے کہ کرید کرید کر دوسرے گواہ سے تفصیلات معلوم کرے۔[2]

ی۔: اگر گواہ کا بیان مسل میں درج کر لیا گیا ہو اس کے بعد دُوسرا گواہ عدالت میں آئے اور اسے سابق گواہ کا بیان پڑھ کر سنا دیا جائے پھر دُوسرا گواہ یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہُوں کہ سابق گواہ کے بیان میں یہ جو کہا گیا ہے کہ فلاں چیز کا مالک مدعی ہے اور وہ اس بات کا حقدار ہے کہ شے متنازعہ فیہ مدعیٰ علیہ سے لے لے یا کہے کہ وہ فلاں چیز جس کا تذکرہ سابق گواہ کے بیان میں ہے، مدعی کی ہے اور مدعی علیہ اس پر ناجائز طور سے قابض ہے۔ دراصل وہ چیز مدعی کو ملنی چاہیے"۔ تو اس شہادت کو قابلِ قبول شہادت مانا جائے گا۔[3]

---

[1] معین الحکام : ۱۳۹

[2] عالمگیری : ۳ : ۴۶۲

[3] ایضاً

دسویں فصل

بیان شہادت میں ترمیم

دفعہ ۴۵: اگر عادل گواہ بیان دینے کے بعد کسی قسم کی ترمیم کرنا چاہے تو چند شرائط کے ساتھ اس کی ترمیم منظور کی جائے گی۔ مثلاً کسی گواہ نے عدالت میں بیان دیا اور ابھی اس نے اپنا بیان ختم نہیں کیا تھا، یا ابھی عدالت سے باہر نہیں گیا تھا کہ اس نے کہا کہ سہواً میں نے بعض ایسی باتیں چھوڑ دی ہیں جن کا ذکر میرے خیال سے ضروری تھا یا کہا کہ اظہار دینے کے دوران مجھسے کسی قدر غلط بیانی ہوگئی ہے۔ اس لیے میں اپنے بیان میں ترمیم کرنا چاہتا ہوں تو اس صورت میں گواہ کی حیثیت دیکھی جائے گی یعنی اگر گواہ غیر عادل یا مجہول الحال ہوگا تو اس کی شہادت رد کر دی جائے گی اور اگر وہ عادل ہوگا تو سوائے اس حصّے کے جسے اس نے مشتبہ قرار دے دیا۔ بیان کے دوسرے حصّوں کو قبول کر لیا جائے گا۔ مثلاً شاہد عادل نے شہادت دیتے وقت غلطی سے یہ نہیں کہا تھا کہ "میں شہادت دیتا ہوں یا اس نے مدعی یا مدعا علیہ کا نام نہیں بتلایا تھا تو اس طرح کی غلطی سے بیان کا جو حصہ مشتبہ ہوگیا تھا اسے چھوڑ کر باقی حصّے کو قبول کر لیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس نے اپنی بھول چوک کا اظہار بر سر عدالت کیا ہو۔ یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جبکہ متنازعہ فیہ زمین کی حدود

بیان کرتے وقت بجائے مغربی کے وہ مشرقی حصہ کہہ دے یا ثبوت نسب کے مقدمے میں محمد بن عمر کے بجائے غلطی سے محمد بن علی بن عمر کہہ دے۔

(نوٹ) عام فقہاء کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنی غلطی کا تدارک عدالت کی اسی مجلس میں کرے تو قبول کیا جائے گا، لیکن امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عدالت کی اسی مجلس کی قید مناسب نہیں بلکہ وہ جب اور جس مجلس میں چاہے اپنی غلطی کا تدارک کر سکتا ہے۔ اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[۱]

(راقم الحروف کے خیال میں اس مسئلہ میں عام فقہاء کا موقف ہمارے حالات سے زیادہ سازگار ہے، کیونکہ اگر اظہار میں ترمیم کی اجازت کو عام کر دیا جائے تو پھر جرح کی کوئی وقعت ہی باقی نہیں رہے گی اور اظہار میں (AFTER THOUGHTS) کی بے پناہ گنجائش پیدا ہو جائے گی)

---

[۱] عالمگیری : ۳ : ۴۶۳ -

گیارھویں فصل

ظنّی شہادت

دفعہ ۴۶ : شہادت خبرِ قاطع کو کہتے ہیں اس لیے وہ شہادتیں مقبول نہیں جو بربنائے ظن دی جائیں۔ تاہم بعض مواقع پر ایسی صورت پیش آجاتی ہے جبکہ قطعی شہادت بہم نہیں ہوتی یا نہیں ہو سکتی ہے۔ ان صورتوں میں حاکم کو چاہیے کہ ظنی شہادتوں کا تعمق نظر سے جائزہ لے اور اگر اُن سے کوئی امر کسی حد تک قطعیت سے ثابت ہو جائے تو اس کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرے مثلاً کسی عورت کا شوہر لاپتہ ہو اور اس نے اپنی بیوی کو ایک عرصے تک بغیر نان و نفقہ کے چھوڑ رکھا ہو۔ اس صورت میں اگر عورت اپنے شوہر کے غائب ہونے یا نان و نفقہ کے بغیر چھوڑ رکھنے کا دعویٰ عدالت میں دائر کرے اور گواہ پیش کرے۔ ظاہر ہے کہ گواہ حتمی اور قطعی طور پر مذکورہ بالا دعوے کی شہادت نہیں دے سکتا تو حاکم کو چاہیے کہ عورت سے گواہوں کی ظنی شہادت پر حلف لے اگر عورت حلف اُٹھا لے تو فیصلہ صادر کر دے[1]۔ نیز

ورثا کی تعداد کی شہادت دیتے وقت بھی گواہوں کو قطعیت

---

[1] معین الحکام : ۱۴۰

کے ساتھ کچھ کہنے کا حق نہیں ہوتا۔ مثلاً گواہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ متوفی
کے فلاں فلاں وارثوں کے علاوہ کسی دُوسرے وارث کا ہمیں علم نہیں
لیکن اگر وہ یہ کہدیں کہ فلاں شخص کے علاوہ متوفی کا کوئی دُوسرا وارث ہی
نہیں ہے تو اُن کا یہ قول درست نہیں، کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ
گواہ دن رات ساری زندگی متوفی کے ساتھ رہے ہوں اور انہیں
قطعیت کے ساتھ اس بات کا علم ہو کہ شخص مذکور کے علاوہ متوفی کا
کوئی بھی وارث نہیں ہے۔[1]

○

---

[1] معین الحکام : ۱۴۰

بارھویں فصل

منفی شہادت

دفعہ ۷۴ منفی شہادت کی تین قسمیں ہیں :-

(الف) قسم اول بالاتفاق قابلِ قبول ہے۔

مثلاً کوئی شخص یہ شہادت دے کہ اس میدان میں جو میرے سامنے ہے، کوئی گھوڑا نہیں ہے۔ یا زید نے عمرو کو قتل نہیں کیا کیونکہ وہ کل میرے ساتھ مکان میں موجود تھا اور ایک لمحے کے لیے بھی وہ مجھے چھوڑ کر نہیں گیا، نہ وہ کسی سفر میں گیا تھا، یا جس وقت عمرو کو قتل کیا گیا زید فلاں مقام پر حاضر تھا۔

اس طرح کی منفی شہادت قبول کی جائے گی۔

(ب) قسم دوم وہ ہے جس کی بنا ظن غالب پر ہو۔

مثلاً زید یہ گواہی دے کہ سلیم میں قرض کو ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اس لیے کہ وہ دیوالیہ ہو چکا ہے۔ یہ شہادت ظن غالب پر مبنی متصوّر ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ سلیم نے کوئی رقم چھپا رکھی ہو، جس کا زید کو علم نہ ہو۔ یہاں حاکم اپنی صواب دید سے فیصلہ کر سکتا ہے۔

(ج) قسم سوم وہ ہے جو نفی غیر منضبط پر مبنی ہو۔

مثلاً زید شہادت دے کہ سلیم نے وہ قرض ادا نہیں کیا جو اس کے ذمّے

واجب الادا تھا یا اس نے اپنا مال فروخت نہیں کیا۔ شہادت کی اس قسم پر بھی مقدمے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ : شہادت منفی بالصورۃ مثبت فی الحقیقت بھی قبول کی جاتی ہے مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ اگر آج شب میری ساس یا سالی میرے گھر نہ آئی تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ پھر دو گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے ہمارے سامنے اس طرح کی قسم کھائی تھی اور اس کی ساس اور سالی اس کے گھر اس رات نہیں آئیں۔ لہٰذا اس کی بیوی کو طلاق پڑ گئی۔ تو یہ شہادت قبول کی جائے گی۔ کیونکہ صورۃ اگرچہ یہ شہادت ایک منفی امر کی شہادت ہے۔ تاہم فی الحقیقت مثبت ہے اس لیے کہ بصورت قبولیت شہادت طلاق واقع ہو جائے گی[1]

ب۔ : اگر شہادت محض نفی پر مبنی ہو تو مقبول نہیں لیکن اگر اس میں اثبات کا کوئی بھی پہلو نکلتا ہو تو قبول کی جائے گی۔

مثلاً دایہ سے کسی شخص کا معاہدہ ہوا کہ وہ بچے کو اپنا دودھ پلائے گی اور شخص مذکور اس کی اجرت دایہ کو دے گا۔ پھر دایہ نے بچے کو بکری کا دودھ پلایا تو وہ اجرت کی حقدار نہ ہو گی۔ بشرطیکہ گواہ اپنے بیان میں یہ کہیں کہ دایہ نے بچے کو اپنا دودھ نہ پلا کر صرف بکری کا دودھ پلایا، لیکن اگر گواہ اپنے بیان میں یہ کہیں کہ دایہ نے اپنا دودھ بچے کو نہیں پلایا (اور یہ نہ کہیں کہ بکری کا دودھ پلایا) تو شہادت قبول نہیں کی جائے گی[2]

---

[1] معین الحکام : ۱۳۴ [2] ایضاً

تیرھویں فصل

غیر عادل کی شہادت

دفعہ ۴۸ شہادت کے لیے گواہ کا عادل اور ثقہ ہونا اشد ضروری ہے لیکن اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ کوئی عادل گواہ میسّر ہی نہ ہو اور حقوق ضائع ہو رہے ہوں تو فقہاء نے چند شرائط کے ساتھ غیر عادل کی شہادت کو قبول کر لینے کی اجازت دی ہے۔

الف۔ مثلاً گنوار کسی عورت کے حق میں شہادت دے رہے ہوں اور ان میں کوئی بھی شرعاً عادل شخص نہ ہو اس صورت میں حاکم کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ (غیر عادل) گواہوں سے شہادت لے کر مقدّمے کا فیصلہ کر دے۔[1]

ب۔ اگر کسی بستی میں کثیر تعداد فساق کی ہو تو ان میں سے بعض کی شہادت بعض کے حق میں یا بعض کے خلاف قبول کی جائے گی، کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو لوگوں کے حقوق ضائع ہوں گے۔ اموال پر غاصبانہ قبضہ ہو جائے گا اور اہلِ قریہ کی جان و مال اور عزّت و آبرو معرضِ خطر میں پڑ جائے گی۔[2]

---

[1] معین الحکام : ۱۴۵

[2] ایضاً۔

ج - : اگر حاکم کا ظن غالب ہو کہ فاسق صحیح شہادت دے رہا ہے تو اسے اختیار ہے کہ اس کی شہادت کو قبول کر کے فیصلہ صادر کر دے[1]۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے کسی شعبے میں گرفتار فسق ہو اور بعض معاملات میں متدین ہو اور ایسا شخص عدالت میں شہادت دے رہا ہو تو اگر حاکم پر یہ بات واضح ہو جائے کہ شاہد صحیح شہادت دے رہا ہے تو وہ اس کی شہادت قبول کر سکتا ہے[2]۔

○

---

[1] معین الحکام : ۱۴۵

[2] ایضاً ص : ۱۴۶

چودھویں فصل

اختلاف فی الشہادۃ

دفعہ ۹۴: اختلاف فی الشہادۃ کے مسائل مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی ہیں:

(الف) حقوق العباد کے مقدمات میں شہادت بغیر دعویٰ کے مقبول نہیں ہوتی، برخلاف حقوق اللہ کے کہ اُن کے مقدمات میں دعویٰ کی ضرورت نہیں۔

(ب) مدعی کے دعوے سے زیادہ کی اگر شہادت دی جائے تو شہادت باطل ہوگی۔ مثلاً مدعی کسی پر ایک ہزار کا دعویٰ کرے اور گواہ دو ہزار کی شہادت دے تو شہادت باطل ہوگی۔ البتہ اگر دعویٰ سے کم کی شہادت دی جائے تو شہادت مقبول ہوگی۔ مثلاً مدعی ایک ہزار کا دعویٰ کرے اور شاہد پانچ سو کی شہادت دے۔

(ج) ضروری ہے کہ دونوں گواہوں کی شہادتیں لفظاً و معنیً موافق ہوں اور شہادتیں معنوی اعتبار سے دعوے کے موافق ہوں۔ لہٰذا اگر مذکورہ بالا موافقت پائی جائے گی تو دعویٰ مقبول اور شہادت تسلیم کی جائے گی ورنہ دونوں رد کر دیے جائیں گے۔[1]

---

[1] درمختار: ۴: ۹۸۔

د ۔ : اگر ایک گواہ بیان شہادت میں نکاح کی شہادت دے اور دُوسرا تزویج کی، تو شہادت معتبر ہوگی اس لیے کہ معنیٰ متحد ہیں۔[1]

ھ ۔ : اختلاف معنی کی صورت میں شہادت رد کر دی جائے گی۔

مثلاً ایک گواہ ایک ہزار کی شہادت دے دُوسرا دو ہزار کی، ایک ایک طلاق کی شہادت دے، دُوسرا دو طلاقوں کی۔

و ۔ : قتل اور غصب کے دعوے کے وقت اگر ایک گواہ قتل کی شہادت دے اور دُوسرا اقرار بالقتل کی یا ایک گواہ غصب کی شہادت دے اور دُوسرا اقرار بالغصب کی تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[2]

ز ۔ : اگر کسی ایسی شہادت میں اختلاف ہو جائے جس میں قول و فعل کا اجتماع ہو تو شہادت رد کر دی جائے گی۔

مثلاً مدعی نے مدعیٰ علیہ پر ایک ہزار کا دعویٰ کیا اور ایک گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ مدعیٰ علیہ نے وہ روپیہ واپس لوٹا دیا اور دُوسرا گواہ کہے کہ مدعیٰ علیہ نے میرے سامنے یہ اقرار کیا کہ میں نے روپیہ واپس لوٹا دیا ہے تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[3]

ح ۔ : عین کے بارے میں اگر اختلاف فی الشہادۃ ہو جائے تو شہادت

---

[1] درمختار : ۲ : ۹۹

[2] ایضاً

[3] ایضاً

قبول کی جائے گی۔ مثلاً ایک گواہ کہے کہ یہ دو کتابیں زید کی ہیں اور
دُوسرا کہے کہ دو میں سے ایک زید کی ہے تو ایک کتاب کے بارے
میں شہادت قبول کی جائے گی۔[1]

ط - بدل میں اگر اختلاف ہو جائے تو شہادت رد کر دی جائے گی
مثلاً ایک گواہ کہے کہ مدعی نے فلاں چیز ایک ہزار میں خریدی اور
دُوسرا کہے کہ ڈیڑھ ہزار میں خریدی تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[2]

ی - : اگر دو وارثوں کے بارے میں شہادت دی جائے اور شہادت
میں اختلاف ہو تو بھی شہادت قبول کی جائے گی مثلاً۔
ایک شخص مرگیا۔ اس کی موت کے بعد دو آدمیوں نے کسی بچے کے
بارے میں شہادت دی کہ "یہ متوفی کا بچہ ہے اور اس کے سوا مرحوم کا
کوئی وارث نہیں۔" پھر دُوسرے دو گواہوں نے کسی دُوسرے لڑکے کے
بارے میں کہا کہ "یہ شخص متوفی کا بچہ ہے اور اس کے سوا مرحوم کا کوئی وارث
نہیں تو دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو جائے گا اور دونوں میں میراث
تقسیم کر دی جائے گی۔[3]

ک - : شہادت علی الفعل کی صورت میں اگر فعل کے زمانے، جگہ اور

---

[1] درمختار : ۲ : ۹۹

[2] ایضاً

[3] الشرح الکبیر : ۱۲ : ۷

صنفت کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو شہادت معتبر نہیں ہوگی [۱]

مثلاً زنا کے مقدمے میں دو گواہ زنا بالجبر کی شہادت دیں اور دو زنا بالرضا کی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد ساقط ہو جائے گی [۲] یا مثلاً دو گواہ کہیں کہ زانی نے لاہور میں زنا کیا اور دو کہیں کہ راولپنڈی میں زنا کیا تو دونوں سے حد ساقط ہو جائے گی۔ [۳]

ل۔ : قذف کی شہادت میں بھی اگر زمان و مکان کا اختلاف ہو جائے تو شہادت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً ایک گواہ کہے کہ فلاں نے فلاں پر صبح کے وقت تہمت لگائی اور دوسرا کہے کہ شام کے وقت تہمت لگائی یا ایک کہے کہ فلاں شہر میں تہمت لگائی اور دوسرا کہے کہ فلاں شہر میں تہمت لگائی تو شہادت باطل ہو جائے گی۔ [۴]

م۔ : قتل کے مقدمات کی شہادت میں اگر آلۂ قتل کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو شہادت رد کر دی جائے گی۔

مثلاً ایک گواہ کہے کہ قاتل نے لاٹھی مار کر قتل کیا اور دوسرا کہے کہ

۱۔ الشرح الکبیر : ۱۲ : ۲۰

۲۔ شرح فتح القدیر : ۴ : ۱۶۲

۳۔ ایضاً ص ۱۷۰

۴۔ الشرح الکبیر : ۱۲ : ۲۴

ریوالور سے قتل کیا تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[1]

ن ۔ : اگر دعویٰ غیر مؤرخ ہو (یعنی اس میں مدعی نے کسی تاریخ کا ذکر نہ کیا ہو) اور دو گواہوں میں سے ایک گواہ مدعی کی بیان کردہ تاریخ بتلائے اور دوسرا تاریخ ہی نہ بتلائے جب بھی شہادت قبول کر لی جائے گی۔

لیکن اگر دعویٰ مؤرخ ہو، اور گواہوں میں سے کوئی ایک گواہ وہ تاریخ نہ بتلائے جس کا ذکر مدعی نے اپنے دعوے میں کیا تھا تو شہادت قبول نہیں ہو گی۔[2]

س ۔ : اگر مدعی نے مطلق دعوے کو مؤرخ کیا ہو مثلاً یہ کہ یہ چیز ایک سال سے میری ملکیت میں ہے اور گواہ نے ایک سال کہنے کے بجائے دو سال کہہ دیا تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[3]

ع ۔ : اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ دعوے کے مطابق شہادت دے اور دوسرا اقرار کی شہادت دے تو شہادت رد کر دی جائے گی۔

مثلاً مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے جو مال بائع سے خریدا وہ عیب دار

1۔ المغنی : ۱۰ : ۴۴

2۔ شرح فتح القدیر : ۶ : ۵۴ طبع مصر ۱۳۱۷ھ

3۔ ایضاً

تھا (اور مدعی کو اس کا علم نہیں تھا) بائع کی طرف سے دو گواہ پیش ہوئے جن میں سے ایک گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ مشتری نے عیب دار جانتے ہوئے مبیع خریدی اور دوسرے نے کہا کہ بائع نے میرے سامنے اقرار کیا تھا کہ مشتری نے مبیع کو عیب دار جاننے کے باوجود اُسے خریدا تھا تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[1]

ف: سرقہ کی گواہی میں اگر گواہوں کے بیان میں مال مسروق کے رنگ کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو بھی شہادت قبول ہو جائے گی البتہ اگر جنس کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو شہادت رد کر دی جائے گی اور حد نہیں جاری ہو گی۔

مثلاً ایک گواہ نے کہا کہ فلاں شخص نے زرد رنگ کی گائے جو فلاں شخص کی ملکیت تھی چرالی اور دوسرا گواہ کہے کہ اس نے سیاہ رنگ کی گائے چرائی تو شہادت قبول کر لی جائے گی اور حد جاری ہو گی لیکن اگر ایک گواہ کہے کہ ملزم نے بھینس چرائی اور دوسرا کہے کہ اس نے گائے چرائی تو شہادت رد کر دی جائے گی اور حد جاری نہیں ہو گی۔[2]

ص: اگر دعویٰ بیع کا ہو اور گواہان بیع کے اقرار کی شہادت دیتے

---

[1] شرح فتح القدیر : ۶ : ۵۴ طبع مصر ۱۳۱۷ھ

[2] ایضاً : ص : ۶۱

ہُوئے زمان یا مکان کے بارے میں اختلاف کریں تب بھی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ مثلاً بیع کے دعوے میں گواہوں میں سے ایک گواہ نے کہا کہ بائع نے میرے سامنے فلاں جگہ فلاں وقت بیع کا اقرار کیا تھا اور دُوسرا گواہ بھی اقرار بالبیع کی شہادت دے لیکن وہ محل اقرار اور وقت اقرار دُوسرا تبلائے تب بھی شہادت قبول کر جائے گی۔[1]

ق : سرقے کی گواہی میں اگر زمان و مکان کا اختلاف ہو جائے تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[2]

سما : اگر بیع وشراء کے مقدمات میں شہادت دیتے وقت قیمت کے بارے میں گواہوں کے بیان مختلف ہو جائیں تو شہادت رد کر دی جائے گی۔

مثلاً ایک گواہ کہے کہ زید نے بکر سے فلاں کتاب ایک ہزار میں خریدی اور دوسرا کہے کہ ڈیڑھ ہزار میں خریدی تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[3]

ش : اگر دین مہر کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو جو گواہ کم کی

۱؎ شرح فتح القدیر : ۶ : ۱۱

۲؎ ایضاً

۳؎ ایضاً : ص : ۶۲

شہادت دے گا۔ امام ابوحنیفہ رحؒ کے نزدیک اس کا قول معتبر ہوگا۔ صاحبین کہتے ہیں کہ شہادت ہی باطل ہو جائے گی۔

مثلاً نکاح کے بعد دین مہر کے بارے میں اختلاف ہوا اور مدعی یا مدعیہ نے دو گواہ پیش کیے۔ ایک گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ "ایک ہزار دین مہر تھا۔" اور دوسرے نے کہا کہ "ڈیڑھ ہزار تھا۔" تو اول الذکر گواہ کا قول معتبر ہوگا۔[1]

ت : اگر ایک گواہ یہ کہے کہ فلاں شخص نے میرے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دی اور دوسرا کہے کہ اس نے میرے سامنے اقرار بالطلاق کیا تو شہادت قبول کی جائے گی۔[2]

ض : اگر ایک گواہ ہبہ کی شہادت دے اور دوسرا صدقہ کی تو شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔[3]

○

البابرتی اکمل الدین : شرح العنایہ علیٰ ہامشہ فتح القدیر : ۶ : ۶۵

معین الحکام : ۱۳۰

ایضا : ص : ۱۳۱

پندرھویں فصل

اختلاف بین الدعویٰ والشہادۃ

دفعہ ۵۰ : ضروری ہے کہ شہادت دعوے کے مطابق ہو ورنہ رد کردی جائے گی[1]

الف۔ : اگر دعوے سے کم کی یا دعوے سے زیادہ کی شہادت دی جائے تو شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

مثلاً ایک مکان دو آدمیوں کے درمیان تقسیم کیا گیا اور اس کے ایک حصے پر ایک شریک نے قبضہ کر لیا اور اس کا دوسرا سہیم غائب ہو گیا۔ اس کے بعد ایک شخص نے حاضر شریک پر آکر دعویٰ کر دیا کہ جس نصف پر وہ قابض ہے وہ میرا ہے اور گواہوں نے شہادت دی کہ وہ حصّہ جو حاضر شریک کے قبضے میں ہے، مدعی کا ہے تو شہادت باطل ہوگی[2]

ب۔ : اگر مکان کے دعوے میں مدعی نے راستے اور نالیوں وغیرہ کو مستثنیٰ کیا ہو اور گواہ اپنے بیان شہادت میں ان کا استثنا نہ کریں تو شہادت رد کردی جائے گی[3]

---

[1] درمختار : ۲ : ۹۸

[2] شرح فتح القدیر : ۶ : ۵۴

[3] ایضاً

ج۔ اگر دعویٰ کیا جائے کہ مدعی زمانۂ حال میں کسی شے کا مالک ہے اور گواہ زمانۂ ماضی کی ملکیت کی شہادت دے تو شہادت قبول کی جائیگی مثلاً کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ میں فلاں مکان کا مالک ہوں اور گواہان اپنے بیان میں کہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ یہ شخص اس مکان کا مالک تھا تو قاضی ان کی شہادت قبول کر سکتا ہے۔[1]

د۔ دین کے سلسلے میں اگر دعویٰ زیادہ رقم کا ہو اور گواہ کم کی شہادت دے تو شہادت کے مطابق دعویٰ قبول کیا جائے گا۔

مثلاً مدعی نے ایک ہزار روپے کا دعویٰ کیا اور گواہ نے شہادت پانچ سو کی دی تو پانچ سو کا فیصلہ کیا جائے گا۔[2]

ہ۔ اگر دعویٰ کم کا ہو اور گواہ زیادہ رقم کی شہادت دے تو شہادت رد کر دی جائے گی، مثلاً مدعی نے پانچ سو کا دعویٰ کیا اور گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ مدعی کے مدعیٰ علیہ پر ایک ہزار روپے ہیں تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[3]

و۔ اگر دعویٰ کے مقابلے میں شہادت زیادہ کی ہو اور مدعی ادائے شہادت کے فوراً بعد عدالت کو مطلع کر دے کہ مدیون نے نصف

---

[1] شرح فتح القدیر : ۶ : ۵۴

[2] عالمگیری : ۳ : ۴۹۵

[3] ایضاً

رقم یا دین کا کوئی حصّہ پہلے ادا کر دیا ہے جس کا گواہ کو علم نہیں تھا تو شہادت تسلیم کر لی جائے گی۔ مثلاً دعویٰ پانچ سو کا تھا اور گواہ نے ایک ہزار کی شہادت دی اس کے فوراً بعد مدعی نے عدالت کو بتلایا کہ دراصل مدیون پر میرے ایک ہزار روپے تھے لیکن اس نے ان میں سے پانچ سو ادا کر دیے تھے جس کا گواہ کو علم نہیں تھا تو اس صورت میں عدالت دعویٰ کے مطابق پانچ سو کا فیصلہ کر سکتی ہے۔[1]

سنا ـ: اگر دعوے کے مطابق گواہ شہادت دیں لیکن اپنے بیان میں یہ کہیں کہ مدیون نے دین کا کچھ حصّہ (معیّن) ادا کر دیا ہے لیکن مدعی اس کا انکار کرے تو گواہوں کی تعدیل کی جائے گی۔ اگر بعد تعدیل گوا عادل ٹھہریں تو فیصلہ بمطابق شہادت کیا جائے گا۔

مثلاً مدعی نے ایک ہزار کا دعویٰ کیا۔ دو گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ "مدعی کے مدعیٰ علیہ پر ایک ہزار روپے تھے لیکن اس نے ان میں سے پانچ سو ادا کر دیے ہیں اور مدعی کہے کہ مدعیٰ علیہ نے ان میں سے کچھ بھی ادا نہیں کیا ہے۔ اس صورت میں گواہوں کی تعدیل کی جائے گی اور اگر گواہ عادل ٹھہریں تو پانچ سو کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔[2]

ح ـ: دعوائے ملکیت میں اگر شہادت اور دعویٰ کے درمیان اختلاف

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۴۹۵

[2] ایضاً۔

ہو جائے تو اکثر و بیشتر شہادت ہی کو ترجیح دی جائے گی۔
مثلاً کسی مکان کی ملکیت کے مقدمے میں مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ پورے مکان کا مالک ہے اور گواہ کہے کہ مدعی نصف مکان کا مالک ہے تو نصف مکان کی ملکیت کا مدعی کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

ط۔: اگر مدعی ملکیت مطلقہ کا دعویٰ کرے اور گواہ ملکیت بالسبب کی شہادت دیں۔ اس صورت میں حاکم کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ گواہوں سے تفصیلات دریافت کرے اور پھر ان کے مطابق فیصلہ دے۔ مثلاً مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس مکان کا مالک ہے اور گواہوں نے بتلایا کہ یہ مکان مدعی کو اپنے باپ کی وراثت میں ملا ہے یا کہا کہ اصل میں اس مکان کا مالک فلاں شخص تھا اس نے مدعی کے ہاتھ اس مکان کو فروخت کر دیا تھا۔ اس وقت حاکم کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ گواہوں سے یہ دریافت کرے کہ آیا انہیں اس بات کا علم ہے کہ مورث یا بائع کی ملکیت سے یہ مکان خارج ہو کر مدعی کی ملکیت میں داخل ہو گیا تھا؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔[2]

ی۔: اگر دعوائے ملکیت میں مدعی کسی مدت کا تعین کر دے اور گواہ

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۴۹۶

[2] ایضاً : ص : ۴۹۷

اس کی معین کردہ مدّت سے بہت زیادہ مدّت کی شہادت دیں تو
شہادت رد کردی جائے گی۔

مثلاً مدعی یہ کہے کہ میں اس مکان کا ایک سال سے مالک
ہوں اور گواہ کہیں کہ مدعی اس مکان کا بیس سال سے مالک ہے
تو شہادت رد کردی جائے گی۔[۱]

ک ۔ : اگر دعوائے ملکیت میں مدعی کسی مدّت کا تعین کردے اور گواہ اس
کی معین کردہ مدّت سے بہت کم مدّت کی شہادت دیں تو شہادت
قبول کی جائے گی۔[۲]

ل ۔ : اگر مدعی قبضہ موجب رَدّ کا، دعویٰ کرے اور گواہ مطلق قبضے کی شہادت
دیں تو شہادت قبول کی جائے گی۔

مثلاً مدعی کہے کہ زید نے مجھ سے ایک کتاب یہ کہہ کر لی تھی کہ میں اسے
واپس کردوں گا اور گواہ صرف یہ کہے کہ زید نے مدعی سے کتاب لی تھی
تو قبضے کے معاملے میں شہادت قبول کی جائے گی اور مدعی علیہ کو حکم دیا
جائے گا کہ وہ کتاب مدعٰی بہ مدعی کو لوٹا دے۔[۳]

م ۔ : اگر دعویٰ استہلاک کا ہو اور گواہ قبضے کی شہادت دیں تو شہادت

---

[۱] عالمگیری : ۳ : ۴۹۰

[۲] ایضاً

[۳] ایضاً

قبول کی جائے گی۔ مثلاً مدعی نے زید پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے کپڑے خریدے اور انہیں ضائع کر دیا۔ اس کے ذمّے ان کی قیمت ہے اور گواہ صرف یہ شہادت دیں کہ زید نے مدعی سے کپڑے (بغیر ادائے ثمن) لیے تھے تو شہادت قبول کی جائے گی اور مدعی کو ڈگری دے دی جائے گی۔[1]

ن۔ : اگر دعویٰ غصب کا ہو اور مدعی قبضۂ ناحق کی شہادت دیں تو شہادت رد کر دی جائے گی۔ مثلاً مدعی یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے میرا گدھا غصب کر لیا ہے اور گواہ یہ کہیں کہ گدھا مدعی کی ملکیت ہے اور مدعیٰ علیہ کے قبضۂ ناحق میں ہے تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[2]

س۔ : اگر دعویٰ ملکیت بالشراء کا ہو اور شہادت ملکیت مطلقہ کی ہو تو شہادت رد کر دی جائے گی، مثلاً مدعی یہ دعویٰ کرے کہ میں نے یہ مکان خریدا ہے اور گواہ یہ کہے کہ یہ مکان مدعی کی ملکیت ہے تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[3]

ع ۔: اگر دعویٰ زوجیت بالتزویج کا ہو اور گواہ صرف زوجیت کی

---

[1] عالمگیری : ص : ۴۹۸

[2] ایضاً

[3] ایضاً

شہادت دیں تو شہادت قبول کی جائے گی۔ مثلاً مدعی دعویٰ کرے کہ اس نے ہندہ سے اتنے دین مہر پر نکاح کیا تھا اور وہ اس کی بیوی ہے اور گواہ صرف یہ شہادت دیں کہ ہندہ مدعی کی بیوی ہے تو شہادت قبول کی جائے گی۔[1]

O

---

[1] عالمگیری : ص : ۵۰۲۔

سولھویں فصل

غیر مسلم کی شہادت

دفعہ ۵۱ : سوائے ناگزیر حالات کے غیر مسلم کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔[1]

دفعہ ۵۲ : مرتد کی شہادت کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔[2]

الف : اگر دو مسلمان کسی غیر مسلم کے حق میں یا کسی غیر مسلم کے خلاف شہادت دیں اور اُن کی شہادت پر دو غیر مسلم شہادت دیں یا کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان کے حق میں شہادت دی تھی اور اس کی بنا پر حاکم نے کوئی فیصلہ کیا، پھر اس فیصلے پر دو غیر مسلم شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ البتہ اگر دو مسلمان کسی ایک غیر مسلم کی شہادت پر شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔[3] نیز اہل الذمہ کی شہادت مستامنین کے برخلاف قبول کی جائے گی، لیکن مستامنین کی شہادت اہل الذمہ کے خلاف قبول نہیں

۱؎ عالمگیری : ۳ : ۵۱۷

۲؎ ایضاً

۳؎ ایضاً

کی جائے گی۔[1]

ب۔ : اگر مستامنین ایک ہی ملک سے تعلق رکھنے والے ہوں اور وہ ایک دُوسرے کے خلاف یا ایک دُوسرے کے حق میں شہادت دیں تو شہادت قبول کی جائے گی لیکن اگر وہ مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے ہوں تو ان میں سے بعض کی شہادت بعض کے خلاف یا بعض کی شہادت بعض کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔[2]

مثلاً پاکستان میں بھارت سے پانچ غیر مسلم سیاح آئے اور آپس میں دو آدمی لڑ پڑے۔ اب اگر تین بھارتیوں نے فریقین میں سے کسی ایک کے خلاف یا کسی ایک کے حق میں شہادت دی تو شہادت قبول کی جائے گی۔ لیکن اگر صورت یہ ہو کہ تین بھارتی دو برطانوی اور ایک امریکی غیر مسلم سیّاح ہوں اور ان کے درمیان کوئی نزاع پیدا ہو جائے اور ایک بھارتی اور ایک برطانوی سیّاح کسی ایک بھارتی یا ایک امریکی کے خلاف شہادت دیں تو شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

ج۔ : ذمی کے ایمان کی شہادت اگر غیر مسلم دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی، خواہ اس کے مسلم اولیاء اس کے خلاف ہی

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۱۷

[2] ایضاً

شہادت کیوں نہ دیں۔ مثلاً ایک عیسائی کی وفات ہو گئی۔ اس کے دو مسلمان بیٹوں نے شہادت دی کہ ان کا باپ عیسائیت کی حالت میں فوت ہوا اور دو عیسائیوں نے شہادت دی کہ متوفی مسلمان مرا ہے تو مسلمان بیٹوں کی شہادت رد کر دی جائے گی اور دو عیسائیوں کی شہادت کی بنا پر متوفی کی موت علی الاسلام کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔[1]

د ۔ : اگر ولی مسلم غیر مسلم کے اسلام کی شہادت دے تو اسے قبول کیا جائے گا اور شہادت کے مطابق احکام جاری کیے جائیں گے۔ مثلاً ایک غیر مسلم کی وفات ہو گئی۔ اس کے دیگر اولیاء غیر مسلم تھے لیکن ایک ولی مسلمان تھا، اس نے دعویٰ کیا کہ متوفی اسلام قبول کر چکا تھا۔ اس نے میرے حق میں میراث کی وصیت بھی کی تھی۔ اس کے بعد دو غیر مسلموں نے بھی متوفی کے مسلمان ہونے کی شہادت دی تو اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھی جائے گی اور مسلم ولی کو حسب وصیت میراث بھی ملے گی مگر شرط یہ ہے کہ ولی مسلم از روئے شرع عادل ہو۔[2]

ہ : اگر میت کے دو اولیاء اس کے اسلام کی شہادت دیں اور اس کے لڑکے اس کے کفر کی تصدیق کریں تو اسلام کی شہادت معتبر مانی

---

[1] ابن النجیم : الاشباہ والنظائر : ۴ : ۶۰۶ طبع نولکشور

[2] عالمگیری : ۳ : ۵۱۸۔

جائے گی اور اسی کے مطابق احکام وراثت جاری ہوں گے۔

مثلاً ایک شخص مرگیا۔ اس کی مسلمان بیوی نے شہادت دی کہ متوفی مسلمان تھا لیکن متوفی کے کافر لڑکوں نے کہا کہ "متوفی کافر تھا"۔ مگر متوفی کے مسلمان بھائی نے عورت کی تائید کی تو عورت کا قول مانا جائے گا۔[1] اور میراث متوفی کی بیوی اور اس کے بھائی کو دی جائے گی۔

د اگر غیر مسلم میت کا غیر مسلم بیٹا باپ کے فوت ہونیکے بعد اسلام قبول کر لے اور اس طرح میراث اس کے قبضے میں رہے۔ اس کے بعد کوئی دوسرا غیر مسلم شخص میت کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے تو نسب ثابت ہوسکتا ہے لیکن میراث اسے نہیں ملے گی۔ مثلاً ایک نصرانی ایک نصرانی بیٹے کو چھوڑ کر مرگیا۔ اور اس کی موت کے بعد نصرانی بیٹے کو ترکہ ملا۔ لیکن ترکہ پانے کے بعد وہ لڑکا مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد ایک نصرانی شخص نے آکر دعویٰ کیا کہ وہ بھی میت کا لڑکا ہے۔ اس صورت میں اس دوسرے شخص کا نسب میت سے ثابت تو ضرور ہو جائے گا لیکن ترکہ میں سے اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔[2]

دفعہ ۵۳: اگر کسی ذمی (غیر مسلم) نے دوسرے ذمی کے خلاف شہادت دی ہو اور فیصلے سے پہلے مشہود علیہ ذمی اسلام قبول کر لے تو شہادت باطل ہو جائے گی۔[3]

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۱۹

[2] ایضاً : ص : ۵۲۰ [3] ایضاً

نیز : اگر غیر مسلم مشہود علیہ اسلام قبول کرے اور اس کے ساتھ ساتھ غیر مسلم گواہان نے بھی اسلام قبول کر لیا تو جب تک شہادت کی تجدید نہ ہو فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

دفعہ ۵۴ : اگر دو غیر مسلم ایک مسلم اور ایک غیر مسلم کے خلاف قتل عمد کی شہادت دیں تو مسلم کے حق میں ان کی شہادت رد کر دی جائے گی اور غیر مسلم سے قصاص کے بجائے دیت وصول کی جائے گی[1]

الف۔ : اگر ایک غیر مسلم مر جائے اور اس پر ایک غیر مسلم اور ایک مسلم کا حق ہو تو اس کے ترکے سے پہلے مسلمان کا حق دلوایا جائے گا اس کے بعد غیر مسلم کا۔

مثلاً ایک غیر مسلم مر گیا اور ایک دوسرے غیر مسلم نے دعویٰ کیا کہ میرا فلاں فلاں سامان اس کے پاس رہن تھا اور چند غیر مسلموں سے شہادت دلوائی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان نے دعویٰ کیا میرے اتنے روپے میّت کے ذمہ باقی تھے۔ اور اس نے مُسلمان گواہ پیش کیے تو حاکم کو چاہیے کہ پہلے مسلمان کی رقم مطلوبہ اس کے ترکے سے ادا کرائے۔ اس کے بعد بقیہ ترکے سے غیر مسلم کا حق دلوائے[2]

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۲۱

[2] عالمگیری : ۳ : ۵۲۲

ب ۔ : اگر کسی مرنے والے غیر مسلم پر کسی غیر مسلم کا دین ہو اور اس نے کسی مسلم کے حق میں وصیّت کر دی ہو اور غیر مسلم دو غیر مسلم گواہ پیش کر دے تو استحساناً پہلے غیر مسلم کا قرض ادا کرایا جائے گا۔ اس کے بعد جو رقم بچ رہے گی اس سے وصیّت پوری کی جائے گی۔[1]

○

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۲۲

سترھویں فصل

شہادت میں تقدم زمانی

دفعہ ۵۵ : اگر دو دعویدار ہوں تو اس کے دعوے کو ترجیح دی جائے گی جسے تقدم حاصل ہوگا۔ مثلاً اگر دو آدمیوں نے ایک مکان پر دعویٰ کیا۔ دونوں مدعیوں نے اپنے دعوے میں کہا کہ ہم نے یہ مکان ایک ہزار روپے میں خریدا ہے۔ دونوں نے اپنے خریدنے کی تاریخ بتلائی اور گواہ پیش کیے تو اس مدعی کے دعوے کو ترجیح دی جائے گی جو شہادت سے یہ ثابت کر دے کہ اس نے اپنے فریق سے پہلے مکان کو خریدا تھا[۱]۔

الف : نکاح کے مقدمات کی شہادت میں بھی تقدم زمانی کو اہمیت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے عدالت میں دعویٰ کیا کہ فلاں تاریخ کو اس کا نکاح فلاں عورت سے ہُوا اور وہ اس کی منکوحہ بیوی ہے اور اس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں دو گواہ پیش کر دیے۔ حاکم نے ان گواہوں کے بیانات سُن کر فیصلہ کر دیا کہ واقعۃً وہ عورت مدعی کی منکوحہ بیوی ہے اس کے بعد دُوسرے شخص نے بھی یہی دعویٰ کیا اور بتلایا کہ تاریخ مذکور کو اس عورت کے ساتھ اس کے فریق مدعی کا نکاح نہیں

---

[۱] المبسوط ۱۶ : ۱۶۱

ہُوا تھا بلکہ میرا ہُوا تھا اور اس نے بھی گواہ پیش کر دیے۔ تو دوسرے شخص کا دعویٰ مسترد کر دیا جائے گا اور اس کے پیش کیے ہُوئے گواہوں کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ البتہ اگر دُوسرے مدعی نے یہ دعوی کیا ہو کہ مدعی اول جس تاریخ کو اپنے نکاح کا دعویٰ کر رہا ہے اس تاریخ سے پہلے ہی میرا نکاح اس عورت سے ہو چکا تھا اور اس پر اس نے گواہ پیش کر دیے تو حاکم اس کے دعوے کی سماعت کر سکتا ہے اور اگر وہ مدعی ثانی کے ثبوت اور شہادت سے مطمئن ہو جائے تو وہ اپنے سابق فیصلے کو منسوخ کر کے مدعی ثانی کے حق میں فیصلہ کر سکتا ہے[1]۔

ب۔ : وراثت کے مقدمات میں بھی تقدم زمانی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ بکر (متوفی) کی میراث اسے ملنی چاہیے اس لیے کہ فلاں دن اور فلاں تاریخ کو اس کی وفات ہو گئی اور بکر میرا والد تھا۔ نیز میرے سوا بکر کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اپنے اس دعوے پر زید نے گواہ بھی پیش کر دیے۔ ابھی مقدمہ زیرِ سماعت ہی تھا کہ ہندہ نے دعوٰی دائر کر دیا کہ زید کا بیان درست نہیں کیونکہ جس تاریخ اور دن کو وہ بکر کی موت کا دعوی کر رہا ہے اس تاریخ کو بکر زندہ تھا اور اسی تاریخ کو اس نے میرے ساتھ اتنے دین مہر پر نکاح کیا تھا۔ نکاح کے کچھ دنوں بعد اس کی وفات ہوئی، لٰہذا مجھے مہر اور میراث ملنی چاہیے

---

[1] المبسوط : ۱۶ : ۱۵۱

ہندہ نے اپنے اس دعوے پر گواہ بھی پیش کر دیے۔ تو شمس الائمہ سرخسی نے لکھا ہے کہ میں عورت کے دعوے کو قبول کروں گا، کیونکہ اس صورت میں زید (مدعی اول) کو نقصان فاحش پہنچائے بغیر ایک عورت کو مہر کی رقم اور میراث کا حصہ مل جائے گا۔[1]

ج :- اگر دعوے سے پہلے ہی کسی واقعے کے بارے میں گواہ نے عدالت میں گواہی ریکارڈ کرا دی ہو اور اس کے بعد دعویٰ دائر کیا جائے یا کوئی مقدمہ عدالت میں پیش ہو اور گواہ مذکور اپنا سابقہ بیان ہی عدالت میں دُہرا دے تو شہادت قبول کی جائے گی۔[2]

○

---

[1] المبسوط : ۱۶ : ۱۵۶

[2] عالمگیری : ۳ : ۴۶۳

اٹھارھویں فصل

رجُوع عن الشهادة

دفعہ ۵۶ : رجوع عن الشہادۃ کی عموماً تین صورتیں ہوتی ہیں :

(الف) اول یہ کہ گواہان مقدمے کے فیصلے سے پہلے رجوع کرلیں۔ اس صورت میں حاکم ان شہادتوں کی بُنیاد پر فیصلہ نہیں کرسکتا۔

(ب) دوم یہ کہ گواہان مقدمے کے فیصلے کے بعد، لیکن فیصلے کے نفاذ سے پہلے رجوع کرلیں۔ اس صُورت میں بھی فیصلہ نہیں نافذ کیا جائے گا۔

(ج) سوم یہ کہ فیصلہ صادر ہونے اور نافذ ہونے کے بعد رجوع کرلیں، تو ضمان اور دیت واجب ہوگی[1]

د۔ : رجوع عن الشہادہ اصطلاح فقہ میں اس بات کی نفی کو کہتے ہیں جسے گواہ نے اپنے بیان سے ثابت کیا تھا[2]

دفعہ ۵۷ : رجوع عن الشہادہ کا رکن یہ ہے کہ گواہ عدالت میں یہ کہے کہ میں اس بیان سے رجوع کرتا ہوں جو میں نے شہادت دیتے وقت دیا تھا " یا یہ کہے کہ میں نے جھوٹی شہادت دی تھی۔ اب میں اس سے رجُوع

---

[1] المغنی : ۱۲ : ۱۳۷ والعالمگیری : ۳ : ۵۵۴

[2] عالمگیری : ۳ : ۵۳۴۔

کرتا ہوں۔[1]

دفعہ ۵۸ : رجوع عن الشہادہ میں شرط یہ ہے کہ گواہ حاکم کے سامنے رجوع کرے خواہ اسی حاکم کے سامنے جس کے سامنے اس نے شہادت دی تھی یا کسی بھی حاکم مجاز کے سامنے اسی بنا پر اگر مشہود علیہ (جس کے خلاف شہادت دی جائے) قاضی کے سامنے یہ دعویٰ کرے کہ ایک پرائیویٹ صحبت میں گواہ نے اپنے بیان سے رجوع کر لیا ہے جس کا گواہ انکار کرے اور مشہود علیہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے گواہ بھی پیش کر دے یا گواہ سے حلف کا مطالبہ کرے تب بھی اس کے اس دعوے کی کوئی وقعت نہیں ہو گی۔ نہ گواہ کا رُجوع تسلیم کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر فریقِ مخالف مطلق رجوع کا دعویٰ کرے اور ثبوت بھی پیش کر دے یا مشہود لہٗ سے حلف کا مطالبہ کرے تو اس کے دعوے کی طرف توجّہ نہیں کی جائے گی۔[2]

الف : اگر گواہ قاضی کے سامنے اقرار کرے کہ اس نے کسی دوسرے حاکم کے سامنے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا ہے تو اس کا یہ اقرار درست تسلیم کر لیا جائے گا۔[3]

---

[1] عالمگیری ۳ : ۵۲۴

[2] ایضاً

[3] ایضاً

ب- : اگر گواہ پولیس کے سامنے اپنی شہادت سے رجوع کرے تو قاضی کی عدالت میں اس کا رجوع معتبر نہ ہو گا[1]۔

ج - : اگر گواہ چاہے تو اپنی شہادت سے فیصلے سے قبل رجوع کرے یا فیصلے کے بعد ہر دو صورتوں میں واجب التعزیر ہے۔ اگر مشہود بہ مال ہو اور گواہ کی شہادت کی بنا پر فیصلہ غلط ہو گیا اور مال غلط آدمی کو مل گیا اس کے بعد اس نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو تعزیر کے ساتھ ساتھ اس پر ضمان اور تاوان بھی عائد ہو گا۔

دفعہ ۵۹ - : ضمان کے تعین کے وقت دیکھا جائے گا کہ فیصلے کے وقت مشہود بہ کی کیا قیمت تھی۔ اتنی ہی قیمت رجوع کرنے والے گواہ سے وصول کی جائے گی[2]۔

(الف) بعض گواہوں کا رجوع عن الشہادۃ

دفعہ ۶۰ : اگر دو گواہوں میں سے ایک رجوع کرے تو اس پر نصف مشہود بہ کا تاوان عائد ہو گا[3]۔

۱ الف - : اگر دو مرد اور ایک عورت شہادت سے رجوع کر لیں تو عورت

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۳۴.

[2] ایضاً : ص : ۵۳۵

[3] ایضاً

پر تاوان عائد نہیں ہوگا۔[1]

ب ۔: اگر دو مردوں اور دو عورتوں نے شہادت دی تھی۔ پھر دونوں عورتوں نے رجوع کر لیا تو ان پر تاوان عائد نہیں ہوگا۔ البتہ اگر دونوں مردوں نے رجوع کر لیا تو ان پر نصف تاوان عائد ہوگا اور اگر ان میں سے ایک مرد نے رجوع کر لیا تو اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔[2]

ج ۔: اگر کسی مقدمے میں دو مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں۔ پھر ایک مرد اور ایک عورت نے رجوع کر لیا تو ان دونوں پر چوتھائی مال کا تاوان واجب ہوگا جس میں سے دو تہائی مرد اور ایک تہائی عورت ادا کرے گی۔ اور اگر سارے ہی گواہ رجوع کر لیں تو تاوان کو تین ثلثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور دو ثلث دونوں مردوں پر اور ایک ثلث دونوں عورتوں پر عائد کیا جائے گا۔[3]

د ۔: اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے شہادت دی پھر ایک عورت نے رجوع کر لیا تو اس پر مال کے ایک چوتھائی حصے کا تاوان عائد ہوگا اور اگر دونوں عورتوں نے رجوع کر لیا تو دونوں پر مال کی قیمت کے نصف کا تاوان عائد ہوگا اور اگر صرف مرد نے رجوع کر لیا تو اس پر تاوان کا نصف عائد ہوگا اور اگر ایک مرد اور ایک عورت نے رجوع کر لیا تو ان پر مال

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۳۵

[2] ایضاً [3] ایضاً۔

کا تین چوتھائی تاوان عائد ہوگا جس میں سے دو چوتھائی مرد کے ذمہ ایک چوتھائی عورت کے ذمے ہوگا اور اگر سب نے رجوع کر لیا تو مرد پر نصف تاوان اور دونوں عورتوں پر نصف تاوان عائد ہوگا۔[1]

(ب) حدود و قصاص میں رجوع عن الشہادۃ

دفعہ ۱۶۱ : حدود قصاص میں اگر بعد نفاذ حکم کوئی گواہ رجوع کرلے تو اس پر دیت واجب ہوگی۔ اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ مثلاً دو گواہوں نے کسی شخص کے خلاف ایک ہزار روپے کے سرقے کی گواہی دی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو اُن کے مال سے اس کے ہاتھ کی دیت وصول کی جائے گی اور اُن سے وہ ایک ہزار روپے بھی وصول کیے جائیں گے جن کی انہوں نے شہادت دی تھی۔ یہ مسلک احناف کا ہے۔[2]

الف۔ : اگر کسی کے خلاف دو چوریوں کی شہادت دی جائے اور مشہود علیہ زخمی ہو جائے۔ پھر گواہان اپنی شہادت سے رجوع کریں تو ان پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوگا۔[3]

ب۔ : اگر غیر محصن پر زنا کی شہادت دی جائے اور اس شہادت کی بنا

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۳۵۔

[2] ایضاً ص : ۵۵۴

[3] ایضاً

پر ایسے اس طرح کوڑے لگائے جائیں کہ مشہود علیہ زخمی ہو جائے۔ پھر گواہان اپنی شہادت سے رجوع کرلیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زخم کی دیت بھی گواہوں سے نہیں وصول کی جائے گی لیکن صاحبینؒ کے نزدیک زخم کی دیت وصول کی جائے گی۔ (یہ مسلک زیادہ بہتر نظر آتا ہے) البتہ اگر کوڑوں سے مشہود علیہ زخمی بھی نہ ہُوا ہو اور گواہان رجُوع کرلیں تو بالاتفاق دیت نہیں وصول کی جائے گی۔[1]

ج۔ : اگر زنا کے چار گواہوں میں سے کوئی ایک گواہ بھی فیصلے سے قبل شہادت سے رجوع کرلے تو تمام گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی۔ اور اگر فیصلے کے بعد نفاذ سے قبل کوئی ایک گواہ رجوع کرلے تو بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک سب پر حد لگائی جائے گی لیکن امام محمدؒ کے نزدیک صرف رجوع کرنے والے پر حد لگے گی۔ اگر نفاذ حکم کے بعد کوئی ایک گواہ رجوع کرلے تو اس پر حد لگے گی۔[2]

د۔ : اگر چار گواہ مشہود علیہ کے خلاف زنا اور احصان کی شہادت دیں اور ان کی شہادت کی بنیاد پر قاضی رجم کی سزا کا فیصلہ کردے۔ پھر رجم شروع ہونے کے بعد وہ اپنی شہادت سے رجوع کرلیں۔ دراں حالیکہ مشہود علیہ زخمی ہوچکا ہے۔ مگر مرا نہیں ہے تو رجم روک دیا جائے گا۔

---

[1] عالمگیری ص: ۵۵۴

[2] ایضاً

اور گواہوں سے زخم کی دیت وصول کی جائے گی۔[1]

۵۔ : اگر گواہوں نے کسی کے خلاف قتل کی شہادت دی اور مشہود علیہ قصاص میں ہلاک کر دیا گیا۔ پھر انہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو گواہوں سے مشہود علیہ کی دیت وصول کی جائے گی۔ اُن سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔[2]

۶۔ : اگر دو گواہوں نے کسی کے خلاف قتل خطاء کی شہادت دی اس کے بعد رجُوع کر لیا تو ان دونوں کے مال سے دیت وصول کی جائے گی۔ اسی طرح اگر وہ مشہود علیہ کے خلاف یہ شہادت دیں کہ اس نے فلاں شخص کا ہاتھ غلطی سے کاٹ دیا ہے۔ پھر اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو ان پر ہاتھ کی دیت واجب ہو گی۔[3]

(ج) نکاح وطلاق وخلع کے مقدمات میں رجوع عن الشہادۃ

دفعہ ۶۲ : اگر کسی شخص پر نکاح ثابت ہو جانے کے بعد گواہ رجوع کر لیں در آنحالیکہ شوہر نے مہر ادا کر دیا ہو تو اگر مہر مثل مہر مسمّٰی کے برابر یا زیادہ ہو تو ان گواہوں پر ضمان نہیں ہو گا اور اگر کم ہو گا تو ان پر ضمان واجب ہو گا۔

مثلاً کسی عورت نے کسی شخص پر دعویٰ دائر کیا کہ اس نے مجھ سے

---

[1] عالمگیری : ص ۵۵۴۔

[2] ایضاً : ص ۵۵۵ جھوٹی شہادت کی تعزیر ہو گی۔

[3] ایضاً

نکاح کیا تھا اور گواہ پیش کر دیے۔ قاضی نے شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کر دیا اور شوہر سے حسب دعویٰ مہر عورت کو دلوا دیا۔ اس کے بعد گواہوں نے رجوع کر لیا تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ مہر مثل کتنا ہے۔ اگر مہر مثل اتنا ہی ثابت ہوا جتنا کہ شوہر سے دلوایا گیا تھا یا اس سے زیادہ تو گواہوں پر ضمان نہیں ہوگا لیکن اگر مہر مثل وصول شدہ مہر سے کم ظاہر ہوا تو جتنی زیادہ رقم شوہر نے ادا کی تھی وہ گواہوں سے وصول کی جائے گی[1]

۲ الف۔ : اگر شوہر عورت پر نکاح کا دعویٰ کرے اور گواہوں کے ذریعہ اپنا نکاح ثابت کر دے، درآں حالیکہ عورت انکاری ہو۔ پھر قاضی شہادت کی بنیاد پر نکاح کا فیصلہ کر دے اور بعد میں گواہ شہادت سے رجوع کر لیں تو گواہوں پر ضمان عائد نہ ہوگا اور انہیں عورت کو کچھ بھی ادا نہ کرنا ہوگا۔[2]

ب۔ : اگر شوہر اور بیوی کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے اور بیوی وہ مہر بتلائے جو مہر مثل کے مساوی ہو اور شوہر اس سے کم بتلائے پھر گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر قاضی شوہر کے حق میں فیصلہ کر دے اور بعد میں گواہ اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو گواہوں پر اس کمی کا تاوان عائد ہوگا۔ مثلاً کسی شخص نے کسی عورت پر دعویٰ کیا کہ

---

[1] عالمگیری : ص ۵۴۰

[2] ایضاً

اس نے اس عورت سے ایک سو روپیہ مہر پر نکاح کیا تھا اور عورت کہے کہ تم نے ایک ہزار پر نکاح کیا تھا دراں حالیکہ مہر مثل ایک ہزار ہو پھر شوہر نے گواہ پیش کیے اور انھوں نے شہادت دی کہ شوہر نے ایک سو روپے مہر پر نکاح کیا تھا۔ اس گواہی کی بنیاد پر قاضی نے ایک سو روپے کا فیصلہ کر دیا، مگر بعد میں گواہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو اگر انھوں نے نکاح باقی رہنے یا طلاق اور دخول کے بعد رجوع کیا تو وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نوسو روپے عورت کو ادا کریں گے اور اگر انھوں نے طلاق قبل الدخول کے بعد رجوع کیا تو ان پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا۔[1]

ج ۔ : اگر گواہ طلاق قبل الدخول کی شہادت دیں اور قاضی ان کی شہادت کی بنیاد پر عورت کے لیے نصف مہر کا فیصلہ کر دے۔ پھر گواہ اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو ان پر بقیہ نصف مہر کی ادائیگی بطور تاوان واجب ہو گی۔[2]

د ۔ : شوہر کے مرنے کے بعد اگر دو گواہ یہ شہادت دے دیں کہ متوفی نے قبل الدخول موت سے پہلے ہی اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی اس کے بعد اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو انہیں نصف مہر عورت

---

[1] عالمگیری : ۵۴۱

[2] فتح القدیر : ۶ : ۹۴

کو ادا کرنا پڑے گا اور عورت کو شوہر کی میراث ملے گی۔[1]

ھ۔ : اگر ایک مرد اور دو عورتیں کسی عورت کے طلاق پر اور ایک مرد اور دو عورتیں شوہر کے ساتھ اس کی خلوت صحیحہ پر شہادت دیں اور قاضی ان شہادتوں کی بنیاد پر مکمل مہر اور طلاق کا فیصلہ کر دے۔ اس کے بعد تمام گواہان اپنی اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو خلوت صحیحہ کے گواہوں پر مہر کا تین چوتھائی ¾ اور طلاق کے گواہوں پر ایک چوتھائی ¼ بطورِ ضمان عائد ہوگا۔[2]

و۔ : اگر دو گواہوں نے طلاق کی اور دو نے دخول کی شہادت دی اور ان کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ ہو گیا۔ پھر دخول کے ایک گواہ نے رجوع کر لیا تو اس پر مہر کا چوتھائی ¼ بطور ضمان عائد ہوگا۔ پھر اگر اس کے بعد طلاق کے دو گواہوں میں سے بھی ایک گواہ رجوع کر لے تو اس پر ضمان عائد نہیں ہوگا۔[3]

ز۔ : اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ شوہر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی اور دوسرے دو گواہوں نے بیان کیا کہ اس نے تین طلاقیں دیں لیکن شوہر نے دخول نہیں کیا تھا، بلکہ یہ طلاقیں اس نے قبل الدخول دیں۔ پھر ان شہادتوں کی بنیاد پر قاضی تفریق اور نصف مہر کا فیصلہ

۱۔ عالمگیری : ۳ : ۵۴۳

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

کر دے۔ اس کے بعد سب گواہ رجوع کرلیں تو نصف مہر کا ضمان ان گواہوں پر عائد ہوگا جنہوں نے تین طلاقوں کی شہادت دی تھی اور جن گواہوں نے ایک طلاق کی شہادت دی تھی ان پر کوئی ضمان عائد نہیں ہوگا۔[1]

ح۔: خلع کی شہادت دینے کے بعد اگر گواہ رجوع کرلیں تو ان پر ضمان عائد ہوگا۔ مثلاً دو گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں عورت کے شوہر نے اس کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں کی تھی اور اس نے اپنے شوہر سے اس طرح خلع لے لیا ہے کہ اس نے اسے مہر کے مطالبے سے بری کر دیا۔ درآں حالیکہ عورت اس بات کا انکار کر رہی تھی اور شوہر مدعی تھا۔ قاضی نے شہادت کی بنا پر شوہر کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد گواہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا تو اگر شوہر نے خلوت صحیحہ نہیں کی تھی تو گواہوں پر نصف مہر کا تاوان عائد کیا جائے گا اور اگر وہ دخول کر چکا تھا تو کل مہر بطور تاوان گواہوں کے ذمے عائد ہوگا۔[2]

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۴۳

[2] ایضاً

(د) بیع وشرا کے مقدمات میں رجوع عن الشہادۃ

دفعہ ۶۳: بیع وشرا کے معاملات میں اگر دو گواہ ثمن مثل یا اس سے زیادہ کی شہادت دیں اس کے بعد رجوع کر لیں تو ان پر ضمان عائد نہیں ہوگا۔ البتہ ثمن مثل سے کم کی شہادت دیں تو نقصان کا ضمان ان پر عائد ہوگا۔[1] نیز

؛ اگر گواہان بائع کی جانب سے قیمت کو بالتاخیر وصول کرنے کی شہادت دیں اور بعد میں رجوع کر لیں تو ان سے قیمت وصول کی جائے گی۔ مثلاً دو گواہ اپنے بیان میں کہیں کہ بائع نے فلاں چیز مشتری کے ہاتھ فروخت کی اور یہ کہا کہ تم اس کی قیمت پانچ سو روپے ایک سال کے بعد ادا کرنا اور قاضی نے ان کی شہادت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر دیا کہ مشتری بائع کو ایک سال کے بعد پانچ سو روپے ادا کرے گا۔ اس کے بعد گواہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو ان گواہوں سے پانچ سو روپے وصول کر کے بائع کو ادا کر دیے جائیں گے۔[2]

(ہ) ہبہ کے مقدمات میں رجوع عن الشہادۃ

دفعہ ۶۴: اگر گواہ ہبہ کی شہادت دیں اور ان کی شہادت کی بنیاد پر حاکم

۱۔ عالمگیری ص: ۵۳۸

۲۔ ایضاً

ہبہ کا فیصلہ کر دے اس کے بعد وہ اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو ان پر موہوب شے کا ضمان عائد ہوگا۔[1] نیز

؛ اگر دو گواہوں نے ہبہ کی شہادت ایک شخص کے حق میں دی اور دُوسرے دو گواہوں نے ہبہ کی شہادت دُوسرے شخص کے حق میں دی اور قاضی نے کسی ایسے فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا، جس کے گواہوں نے بعد میں رجوع کر لیا تو وہ گواہان نصف مال اصل موہوب لہٗ کو بطور ضمان ادا کریں گے اور نصف مال واہب کو دینگے۔[2]

(د) ولاء اور نسب کے مقدمات میں رجوع عن الشہادۃ

دفعہ ۶۵ : اگر گواہان ثبوت نسب کے سلسلے میں شہادت دینے کے بعد اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو ان پر ضمان عائد نہیں ہوگا۔ مثلاً کلیم نے زید پر دعویٰ کیا کہ وہ زید کا بیٹا ہے درآں حالیکہ زید انکاری تھا۔ کلیم نے دو گواہ پیش کر دیے جنہوں نے شہادت دے دی کہ کلیم زید کا بیٹا ہے۔ حاکم نے ان کی شہادت کی بنیاد پر کلیم کا نسب زید سے ثابت کر دیا۔ اس کے بعد گواہوں نے زید کی زندگی ہی میں یا اس کی موت کے بعد اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو ان گواہوں پر کسی

---

[1] عالمگیری : ص ۵۳۸

[2] ایضاً ص ۵۳۹

قسم کا ضمان عائد نہیں ہوگا[1]۔ البتہ
اگر کوئی ایسا مسلمان جس کا باپ کافر ہو۔ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا باپ مسلمان ہونے کی حالت میں مرا ہے درآں حالیکہ میّت کا ایک کافر بیٹا مستحق وراثت موجود ہو اور گواہ یہ گواہی دے دیں کہ میّت مسلمان مرا۔ پھر اس گواہی کی بنیاد پر قاضی میراث کا فیصلہ مسلمان کے حق میں کر دے اور بعد میں گواہان اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو گواہوں پر پوری جائیداد کا ضمان عائد ہوگا، جسے وہ میّت کے کافر بیٹے کو ادا کریں گے[2]۔

(ز) متفرق مقدمات میں رجوع عن الشہادۃ

دفعہ ۶۶ مقدار نفقہ کے بارے میں اگر شوہر اور بیوی کے درمیان نزاع پیدا ہو جائے تو نفقہ مثل معتبر ہوتا ہے لیکن اگر گواہان اپنے بیان سے نفقہ مثل سے زیادہ ثابت کر دیں اور قاضی ان کے بیان کی بنا پر بیوی کے حق میں نفقۂ مثل سے زیادہ کا فیصلہ کر دے۔ پھر گواہان رجوع کر لیں تو گواہان پر ضمان عائد ہوگا جو وہ شوہر کو ادا کریں گے۔ مثلاً شوہر اور بیوی کے درمیان یہ معاہدہ ہوا کہ وہ سو روپیہ ماہوار خانگی

---

[1] عالمگیری ص: ۵۴۶

[2] ایضاً

اخراجات کے طور پر بیوی کو ادا کرے گا۔ بعد میں شوہر نے کہا کہ میں نے تو پچاس روپیہ ماہوار دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بیوی نے دو گواہ پیش کر دیے اور انھوں نے سو روپے ماہوار کی شہادت دے دی۔ قاضی نے ان کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کر دیا کہ شوہر بیوی کو سو روپے ماہوار ادا کرے۔ شوہر حسب فیصلہ ادا کرتا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد گواہوں نے اپنے بیان سے رجوع کر لیا تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ نفقہ مثل کیا ہے، یعنی بیوی کے اہلِ خاندان کا معیار زندگی کیا ہے۔ اگر اس کے دیگر اہلِ خاندان کا معیار زندگی ایسا ہے جس پر ماہوار سو روپے لامحالہ خرچ ہوتے ہیں تو گواہوں پر ضمان عائد نہیں ہوگا لیکن اگر معیار پست ہو تو گواہان کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی جیب سے زیادہ وصول شدہ رقم عورت کے شوہر کو ادا کریں[1]۔

۱۱ ف: اگر شوہر پر قاضی نے بیوی کا نفقہ عائد کر دیا ہو اور دو گواہ یہ شہادت دے دیں کہ وہ اتنے عرصے سے نفقہ ادا کر رہا ہے (درآں حالیکہ وہ ادا نہیں کر رہا تھا) اور اس بنا پر بیوی نفقے سے محروم رہ جائے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد گواہ اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو اس تمام عرصے کا نفقہ گواہوں پر بطور ضمان عائد ہوگا۔ مثلاً قاضی نے شوہر کو حکم دیا کہ تم اپنی بیوی کو پانچ سو روپیہ ماہوار دیا کرو۔ چھ ماہ کے بعد جب

---

[1] عالمگیری ص: ۵۵۷

بیوی نے نفقے کا دعویٰ کیا تو شوہر نے دو گواہ پیش کر دیے کہ میں پابندی سے ہر ماہ پانچ سو روپیہ ماہوار ادا کر رہا ہُوں۔ گواہوں کی شہادت کی بنا پر قاضی نے دعویٰ خارج کر دیا، لیکن مقدمے کے چند دنوں بعد عدالت مجاز میں حاضر ہو کر گواہوں نے شہادت سے رجوع کر لیا۔ اس صورت میں قاضی کو چاہیے کہ وہ گواہوں سے بیوی کا چھ ماہ کا نفقہ وصول کر کے عورت کو ادا کرے۔ یہی حکم لڑکے یا ہر ایسے ذی رحم محرم کا ہے جس کا نفقہ از روئے شرع قاضی کسی شخص پر واجب کرے[1]۔

ب:۔ اگر گواہان کسی شخص کے بارے میں یہ گواہی دے دیں کہ (ولی ہوتے ہوئے) اس نے قتل خطا یا جراحت خطا یا ایسی جراحت عمد کو معاف کر دیا ہے جو قابلِ دیت تھی اور اس کے مطابق قاضی نے فیصلہ بھی کر دیا پھر گواہوں نے رجوع کر لیا تو انہیں قتل و جراحت کی دیت ادا کرنی پڑے گی[2]۔

ج ۔: اگر گواہان مشہود علیہ کے خلاف کسی دین یا عین کی شہادت دیں اور مشہود لہٗ کے حق میں ان کی شہادت کی بنا پر فیصلہ ہو جائے پھر وہ اپنی شہادت سے رجوع کر لیں۔ اس عرصے میں مشہود لہٗ وفات پا جائے اور مشہود علیہ اس کا وارث بن جائے تو گواہوں پر کوئی ضمان عائد نہیں ہو گا[3]۔

---

[1] عالمگیری: ص: ۵۵۷

[2] ایضاً: ص: ۵۵۸

[3] ایضاً

انیسویں فصل

جھوٹی شہادت

دفعہ ۶۷ : اگر شاہد زور توبہ کرلے اور اس کے اعمال سے اس کی توبہ کا ظہور ہو۔ پھر اسے استقامت حاصل ہو جائے تو اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے[1]

دفعہ ۶۸ : اگر جھوٹی شہادت کی بنیاد پر حاکم نے کوئی فیصلہ کر دیا تھا اور بعد میں یہ ثابت ہو جائے کہ گواہ جھوٹا تھا تو فیصلہ باطل ہو جائے گا اور اگر فیصلے کے تحت کوئی مال مشہود لۂ کو دلوایا گیا تھا تو اس سے واپس لے کر اس کے مستحق کو دلوا دیا جائے گا۔ اور اگر مال تلف ہو چکا ہو تو ان گواہوں سے اس کا ضمان وصول کیا جائے گا[2]۔

---

[1] المغنی: ۱۲: ۱۵۵
[2] المغنی : ۱۲ : ۱۵۴

بیسویں فصل

گواہ کا معیار

عموماً ہمارے زمانے کے جدت پسند اور مغرب زدہ حضرات اسلام کے نظام حدود و تعزیرات پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بہت سخت ہیں اور موجودہ ترقی یافتہ دور میں لوگ انہیں وحشیانہ تعزیرات تصور کرتے ہیں[1]۔ لیکن اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس امر میں بہت ساری مصلحتیں مضمر ہیں۔ ان مصالح میں سے ایک مصلحت کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رح نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہے۔ یہ وہی معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا، نظام تمدّن میں خلل پیدا ہوتا اور مسلم معاشرے کی طمانیت اور سکونِ قلب رخصت ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ معاصی کچھ اس قسم کی ہیں کہ دو چار بار ان کا ارتکاب کرنے سے ان کی لت پڑ جاتی ہے اور پھر ان سے پیچھا چھڑانا دشوار

---

[1] اس مسئلہ پر راقم الحروف اپنی کتاب "اسلامی حدود" شائع کردہ انجمن اصلاح المسلمین پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ میں مفصل بحث کرچکا ہے۔ براہِ کرم اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی معاصی میں محض آخرت کے عذاب کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ اس کا مرتکب ساری زندگی معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہے اور سوسائٹی کے دیگر افراد کے لیے سامانِ عبرت بنا رہے اور اس کے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کا جُرم کرنے کی جرأت کر سکیں۔ اس کی ایک واضح مثال زنا ہے۔ زنا کا محرک صنفی خواہش کا غلبہ ہے۔ عورتوں کے حسن و جمال سے اس جذبے کو تقویت ملتی ہے۔ یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے عورت کے اہلِ خاندان کو سخت رسوائی اٹھانی پڑتی ہے اور اس کی وجہ سے کشت و خون ہوتا ہے۔ چونکہ اکثر یہ فعل فریقین کی رضامندی سے وقوع پذیر ہوتا ہے اور اس کا محل ارتکاب عموماً کوئی پوشیدہ جگہ ہوتی ہے اس لیے اگر اس کی سزا عبرت ناک نہ رکھی جاتی تو اس برائی کے پھیلنے میں ذرا بھی دیر نہ لگتی (جیسا کہ آج مغربی معاشرے میں دیکھا جا رہا ہے)

اس کی دوسری مثال سرقہ (چوری) ہے۔ چونکہ بسا اوقات انسان کو کوئی جائز ذریعہ معاش نہیں ملتا۔ اس لیے وہ چوری کو اپنا ذریعۂ معاش بنا لیتا ہے اور زنا کاری کی طرح دو ایک بار کرنے سے اس کی بھی لت پڑ جاتی ہے۔ اس لیے

ضروری ہُوا کہ اس کے لیے بھی عبرت ناک سزا مقرر کی جائے۔[1]

ان مصالح کے علاوہ معترض حضرات کو ایک بات اور پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ اسلامی نظام میں سزائیں سخت اور عبرت ناک EXEMPLARY ضرور ہیں لیکن اسی مناسبت سے شہادت کا معیار بھی مقرر کیا گیا ہے اور جھوٹی شہادت دینے پر سخت سزا رکھی گئی ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے ملک کی عدالتوں میں (جہاں قدیم برطانوی دور کے قوانین رائج ہیں) شہادت کا کوئی خاص معیار نہیں ہے۔ اور نہ عموماً جھوٹی شہادت دینے پر عبرت ناک سزا دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیشہ ور گواہوں اور پولیس کے ٹاؤٹوں کا ایک اچھا خاصا گروہ پیدا ہو چکا ہے۔ جس کا ذریعہ معاش ہی جھوٹی گواہی دے کر پیٹ پالنا رہ گیا ہے۔ اسلامی نظام میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام شہادت دینے کو ادائے امانت سے تعبیر کرتا ہے اور اس نظام میں شاہد اور شہادت کے لیے کڑے معیار مقرر کیے گئے ہیں۔ اس میں باقاعدہ ایک تزکیۃ الشہود کا نظام ہے۔ شاہد کے لیے شرائط ہیں۔ ان کے علاوہ جرح و تعدیل کے اصول ہیں۔ مزید برآں اگر کوئی گواہ جھوٹا ثابت ہو جائے تو اس کے لیے عبرت ناک سزا رکھی گئی ہے۔ جب مقدمہ ان تمام مراحل سے گزر جاتا ہے۔ تب حاکم اجرائے حد کا فیصلہ کرتا ہے اور اس میں بھی ہزاروں قسم کی احتیاطیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ اجرائے حد کا معاملہ کھیل نہیں ہے کہ دو گواہ پیش ہوئے اور انھوں نے گواہی دے دی کہ زید نے چوری کی ہے۔ پولیس

---

[1] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ: ۲: ۱۵۸: مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۷۵ء

گواہوں کو بیان سکھا کر لائی اور قاضی نے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر دیا۔

انشاء اللہ العزیز جب آپ اس کتاب کے صفحات کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ پر یہ امور واضح ہو جائیں گے۔

دفعہ ۶۹: گواہ کا عادل، بالغ، عاقل، ناطق اور بینا ہونا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ۔ (طلاق۔۲)

اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ ٹھہرا لو اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عدالت اسلام پر استقامت، عقل کے اعتدال اور نفس کی ناجائز خواہشات کو قابو میں رکھنے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا امام صاحب کے خیال میں ہر وہ شخص جو کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرے، حرام نہ کھائے، حرام کاری نہ کرے، صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے، اس کی نیکی کا پہلو برائی کے پہلو پر غالب ہو اور بظاہر حیادار ہو، عادل مانا جائے گا۔[۱]

الف۔ گواہ کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے۔ نابالغ کی شہادت معتبر نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ۔ (البقرہ۔۲۸۲)

اپنے مردوں (بالغوں) میں سے دو گواہ پیش کرو۔

ب۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ شہادت کے لیے بالغ ہونا ضروری

---

۱ ردالمحتار ۴: ۲۲۵

ہے۔

ج۔ گواہ کے لیے عاقل ہونا ضروری ہے۔ پاگل اور مخبوط الحواس آدمی کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ فقہا نے عاقل کی یہ تعریف کی ہے کہ جو ضروری اور غیر ضروری اور ممکن و ناممکن کے درمیان تمیز کر سکے۔[1] مخبوط الحواس اس کو کہتے ہیں جو اپنے دیکھے ہوئے واقعات کو ذہن میں محفوظ نہ رکھ سکے یا جسے اپنی زبان پر قابو نہ ہو اور وہ اول فول بکتا ہے۔

د۔ یہ بھی ضروری ہے کہ گواہ کو گفتگو کرنے پر قدرت حاصل ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گونگے کی شہادت قطعاً غیر معتبر ہے۔ خواہ وہ اپنا مافی الضمیر اشاروں کی مدد سے سمجھائے یا لکھ کر دے دے! امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اشاروں سے اس کا مفہوم یقینی طور پر سمجھ میں آجائے تو اس کی شہادت معتبر ہے۔ امام احمد گونگے کی اشاروں والی شہادت کو تو غیر معتبر مانتے ہیں۔ البتہ اگر وہ تحریری طور پر شہادت دے تو اُسے قابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔[2]

ہ۔ : گواہ کو بینا ہونا چاہیے، نابینا کی شہادت معتبر نہیں۔[3]

دفعہ غیر عادل کی شہادت معتبر نہیں مثلاً :

الف۔ جس شخص پر حدِ قذف لگ چکی ہو اس کی شہادت معتبر نہیں

۱۔ التشریع الجنائی : ۲ : ۳۹۷

۲۔ امام احمدؒ کا قول زیادہ مناسب حال ہے۔

۳۔ البحر الرائق : ۷ : ۷۷

چاہے وہ توبہ ہی کیوں نہ کر لے[1]۔

ب۔ : مخنث کی شہادت معتبر نہیں۔ اس لیے کہ عموماً یہ لوگ فاسق ہوتے ہیں۔ البتہ جو مخنث فاسق نہ ہو اور پابند شریعت ہو اس کی شہادت معتبر ہے[2]۔

ج۔ : گانے ناچنے کا پیشہ کرنے والی عورتوں کی شہادت معتبر نہیں اس لیے کہ وہ حرام کا ارتکاب کرتی ہیں[3]۔

د۔ : عادی شرابی کی شہادت معتبر نہیں ہوتی[4]۔

ہ۔ : پیشہ ور مغنی اور سازندے کی شہادت معتبر نہیں ہے[5]۔

و۔ : جس شخص سے ملزم کی دیرینہ عداوت ہو ملزم کے خلاف اس کی شہادت معتبر نہیں ہو گی[6]۔

ز۔ : ایسے شخص کی شہادت معتبر نہیں جو خود موجب حد افعال کا ارتکاب کرتا ہو[7]۔

---

[1] البحر الرائق : ۷ : ۷۷

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] ایضاً ص: ۸۶

[5] ایضاً ص: ۸۸

[6] ایضاً ص: ۸۵

[7] ایضاً ص: ۸۹

ح۔ : مسخرے اور رقاص کی شہادت معتبر نہیں ہے[1]۔

ط : تارک جمعہ و جماعت (بلا عذر شرعی) کی شہادت معتبر نہیں ہے[2]۔

ی۔ : بلا وجہ شرعی ہجو کہنے والے شاعر کی شہادت معتبر نہیں ہے[3]۔

ک : ستر کھول کر حمام میں داخل ہونے والے کی شہادت معتبر نہیں ہے[4]۔

ل۔ : سود خور اور ایسے شخص کی شہادت معتبر نہیں جو چوسر اور شطرنج کھیلنے میں اتنا مصروف رہتا ہو کہ نماز قضا کر دے[5]۔

م۔ : سلف صالحین کو برملا بُرا بھلا کہنے والے شخص کی شہادت معتبر نہیں ہے[6]۔

---

[1] البحر الرائق : ص : ۸۹

[2] ایضاً

[3] ایضا : ص : ۹۰

[4] ایضاً

[5] ایضاً : ۔ : ۹۰

[6] ایضا ص : ۹۲

ن۔ : وہ شخص جو کذاب مشہور ہو اس کی شہادت معتبر نہیں[1]

س۔ : فاسق اگر توبہ بھی کرے جب بھی اس کی شہادت اس وقت تک معتبر نہیں جب تک اس پر توبہ کے اثرات پورے طور پر ظاہر نہ ہو جائیں۔ یہ معاملہ قاضی کی اصابت رائے پر چھوڑ دینا چاہیے[2]۔

ع۔ : جو شخص فسق و فجور کی مجلسوں میں عموماً بیٹھتا ہو چاہے وہ خود ان حرکات کا ارتکاب نہ کرتا ہو اس کی شہادت معتبر نہیں۔ مثلاً کوئی شخص شراب خوری کی مجلس میں بیٹھے اور شراب نہ بھی پیے تب بھی اس کی شہادت رد کر دی جائے گی[3]۔

ف : کفن فروش اگر ہر وقت اس تاک میں بیٹھا رہے کہ لوگ مریں اور وہ کفن بیچے تو اس کی شہادت معتبر نہیں[4]۔

ص۔ : ایسے کپڑوں کو فروخت کرنے والا جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں یا ایسے کپڑوں کے بننے والے کی شہادت قبول نہیں کی جائیگی[5]۔

ق۔ : رشوت خور اور ظالم حاکموں کی شہادت معتبر نہیں[6]۔

اگر کوئی شخص کسی عورت کے حق میں شہادت دے اس کے بعد اس سے نکاح کرلے تو اس کی شہادت ساقط ہو جائے گی[7]

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۴۶۶ [2] ایضاً

[3] ایضاً ص ۴۶۸ [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً [7] ایضاً

س۔ : اگر کسی باپ نے اپنے لڑکے کے نسب کا انکار کر دیا اور اس سلسلے میں لعان ہوا تو لعان کرنے والے کی شہادت اس کے لڑکے کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔[1]

ش۔ : پیشہ ور بھیک منگوں کی شہادت معتبر نہیں۔[2]

ت۔ : وصی کی شہادت وصیّت کے بارے میں، شریک کی شہادت مال شرکت کے بارے میں، مضارب کی شہادت مال مضاربت یا حق مضاربت کے بارے میں، غاصب کی شہادت ودیعت کے بارے میں معتبر نہیں۔[3]

ض۔ : قبیلہ اور برادری کی عصبیت کی بنا پر اگر کوئی گواہ شہادت دے تو اس کی شہادت رد کر دی جائے گی۔[4]

ظ۔ : کاشت کار کی شہادت اس زمیندار کے حق میں جس کی زمین وہ کاشت کرتا ہے مقبول نہیں۔[5]

غ۔ : صحابہ کرامؓ کو سب وشتم کرنے والے کی شہادت معتبر نہیں۔[6]

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۴۷۰ [2] المغنی : ۱۲ : ۴۹ [3] عالمگیری : ۳ : ۴۷۰
[4] العباسی الفتاوی المہدیہ : ۳ : ۴۲۲ [5] العباسی الفتاوی المہدیہ : ۳ : ۴۲۲
[6] الطحطاوی : ۳ : ۲۵۱

الف[1]۔ جو لوگ بے حیائی کے کام کرتے ہیں، مثلاً راستے میں پیشاب کرنا یا راہ چلتے کھانا ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔[1]

ب[2]۔ جس وقت گواہ نے گواہی دی اس وقت وہ بینا، یا ناطق، یا عاقل یا مسلمان تھا، لیکن گواہی دینے کے بعد مگر قاضی کے فیصلے سے قبل وہ نابینا، یا گونگا، یا دیوانہ یا مُرتد ہو گیا تو قاضی ان کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ اسے چاہیے کہ مدعی سے دُوسرا گواہ طلب کرے کیونکہ اب گواہوں کی اہلیت ساقط ہو چکی ہے۔[2]

ج[3]۔ : غیر اہلسنّت کی شہادت اگر کوئی دُوسرا مانع قبول شہادت نہ ہو تو قبول کی جائے گی۔ اِن سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہلسنت والجماعۃ نہیں ہیں۔ مثلاً جبریہ، قدریہ، معطلہ، خوارج، اہلِ تشیع (اثنا عشریہ) اہلِ تشیع میں سے جو خطابیہ اور نصیریہ فرقے ہیں۔ ان کی شہادت قبول نہیں۔ خطابیہ کی اس لیے کہ وہ حضرت علی کو الٰہ الاکبر (بڑا معبود) اور امام جعفر صادقؒ کو الٰہ الاصغر (چھوٹا معبود) مانتے ہیں۔ اسی طرح نصیریہ حضرت علیؓ کو نعوذ باللہ خدا مانتے ہیں۔ خوارج کے وہ فرقے جو

---

[1] عالمگیری: ۳ : ۴۶۸ بشرطیکہ وہ ضرورۃً ایسا نہ کرتے ہوں بلکہ بے حیائی سے ایسا کریں۔
[2] المبسوط: ۳ : ۲۳۲

قرآن کو مخلوق مانتے ہیں ان کی بھی شہادت قبول نہیں ہوگی۔ البتہ اگر ایک نصیری دُوسرے نصیری کے بارے میں یا ایک خطابی دوسرے خطابی کے بارے میں شہادت دے تو وہ قبول ہوگی[1]۔

ذ ۱۲ - : اگر کسی نے اپنی بیوی کے حق میں شہادت دی اور قاضی نے اس کے شوہر ہونے کی بنا پر اس کی شہادت کو رد کر دیا۔ پھر اس نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی اور عدّت گزارنے کے بعد بیوی نے دُوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ اب پھر اسی معاملے میں عورت کے سابق شوہر نے اس کے حق میں شہادت دی تو اس کی شہادت اب بھی رد کر دی جائے گی[2]۔

ک ۱۲ - : اگر کوئی شخص اہلسنت والجماعۃ سے تعلق رکھنے کے باوجود خطابیہ یا نصیریہ وغیرہ کو حلفاً مسلمان کہے تو اس کی شہادت بھی رد کر دی جائے گی[3]۔

و ۱۲ - : اس وکیل کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، جو اپنے موکل سے حاکم کو رشوت دلایا کرتا ہو[4]۔

س ۱۲ - : جو شخص کثرت سے قسم کھانے اور اپنے اہل وعیال کو فحش اور مغلظات بکنے کا عادی ہو اس کی شہادت معتبر نہیں[5]۔

---

[1] الطحطاوی: ۳: ۲۴۰
[2] المبسوط: ۱۶: ۱۳۷
[3] الطحطاوی: ۳: ۲۴۰
[4] ایضاً: ص: ۲۴۳
[5] ایضاً: ص: ۲۴۷

ح۲ - : جو شخص ظالم حاکم کی تعظیم کرے اور اس کی آمد کے وقت اس کا استقبال کرنے کے لیے جائے اس کی شہادت معتبر نہیں[۱]۔

ط۲ - : وکیل بالنکاح اگر نکاح کی شہادت دے تو اس کی شہادت معتبر نہیں، کیونکہ اس طرح وہ اپنے فعل پر خود شہادت دے رہا ہے جو درست نہیں[۲]۔

ی۲ - : جو شخص حرام ذریعہ معاش سے اپنی روزی حاصل کرتا ہو اس کی شہادت معتبر نہیں اُسے سود خور پر قیاس کیا جائے گا[۳]۔

دفعہ ۱۷ : سوائے چند مخصوص صورتوں کے گواہ کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے[۴] تاہم مندرجہ ذیل صورتوں میں غیر مسلم کی شہادت معتبر ہے۔

(الف) غیر مسلم کی شہادت غیر مسلم کے بارے میں[۵]۔

(ب) امام احمد بن حنبل کے نزدیک سفر میں اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو گواہ بنا کر وصیت کرے تو غیر مسلم کی شہادت معتبر ہو گی۔ امام

---

[۱] الطحطاوی : ص : ۲۴۷

[۲] ایضاً :

[۳] ایضاً

[۴] التشریع الجنائی : ۲ : ۴۰۵

[۵] البحر الرائق : ۷ : ۱۰۲

ابنِ تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے نزدیک ہر ناگزیر حالت میں غیر مسلم کی شہادت مسلمانوں کے معاملات میں معتبر ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غیر مسلم طبیب کی شہادت ضرورۃً قبول کی جائے گی۔ دیگر فقہاءؒ مطلقاً غیر مسلم کی شہادت مسلم کے حق میں قبول نہیں کرتے[1]۔ زیادہ مناسب علامہ ابن تیمیہ کا قول معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ شرط عائد کرنی چاہیے کہ وہ غیر مسلم اپنے مذہب کے اعتبار سے عادل ہو۔

دفعہ ۲۷: بعض وہ اسباب جن پر شہادت کے ردّ و قبول کا انحصار ہے۔

الف۔ قریبی رشتہ داری مثلاً: شوہر کی شہادت بیوی کے حق میں یا اس کے برعکس یا باپ، دادا اور پردادا کی شہادت بیٹے، پوتے اور پڑپوتے کے حق میں یا اس کے برعکس مقبول نہیں ہوتی[2]۔

ب۔ : رضاعی بیٹے کی شہادت رضاعی باپ کے حق میں یا اس کے برعکس قبول کی جائے گی[3]۔

ج۔ : بھائی کی شہادت بہن کے حق میں قبول کی جائے گی[4]۔

د۔ : بھائی کی شہادت بھائی کے حق میں یا اس کی اولاد کے حق میں یا چچا، ماموں، خالو، خالہ وغیرہ کی شہادت بھتیجے بھانجے کے حق میں یا اس

---

[1] الطرق الحکمیہ : ۱۶۳

[2] البحر الرائق : ۷ : ۸۸

[3] عالمگیری : ۳ : ۴۷۰

[4] ایضاً

کے برعکس قبول کی جائے گی۔ اسی طرح داماد کی شہادت ساس، سسر اور سالی کے حق میں یا اس کے برعکس قبول کی جائے گی۔[1]

ہ۔: محدود فی الزنا، محدود فی السرقہ اور محدود فی الشرب اگر توبہ کرلے تو اس کی شہادت بالاجماع قبول کی جائے گی۔[2]

و۔: اگر کسی پر حد لگائی جا رہی تھی اور وہ بھاگ گیا اور پوری حد اس پر نہ لگائی جا سکی تھی تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔[3]

ز۔: کافر پر حد قذف لگی تھی اس کے بعد اس نے اسلام قبول کرلیا تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔[4]

ح۔: شریک کی شہادت شریک کے حق میں یا اجیر کی مستاجر کے حق میں یا خادم کی آقا کے حق میں یا وکیل کی موکل کے حق میں غیر معتبر ہے۔[5]

ط۔: حدود کے مقدمات میں عورتوں کی شہادت مقبول نہیں۔[6]

ی: حدود کے سوا دیگر مقدمات میں شاہد عادل کی شہادت شاہد عادل کی شہادت پر چند شرائط کے ساتھ قابل قبول ہے۔

۱ھ عالمگیری: ۳: ۴۶۱
۲ھ عالمگیری: ۳: ۴۶۸
۳ھ ایضاً
۴ھ ایضاً
۵ھ التشریع الجنائی: ۲: ۴۰۹
۶ھ ایضاً: ص ۴۱۰

شرائط درج ذیل ہیں :-

(الف) اصل گواہ موت یا غائب ہو جانے یا مرض یا قید یا سلطان کے خوف کی وجہ سے حاضر عدالت نہ ہو سکتا ہو۔

(ب) اصل گواہ کی طرح فرع گواہ بھی عادل ہو اور عدالت کی تمام شرائط اس میں پائی جاتی ہوں۔

(ج) فرع شاہد اصل کا نام بتائے اور اس کا تعین کرے۔

(د) اصل گواہ نے بایں طور یہ کام اس کے ذمے لگایا ہو کہ تم جا کر میری اس شہادت پر شہادت دے دو۔[1]

ک۔ : ہر اس شہادت کو رد کر دیا جائے گا جو عادت و عرف کے خلاف ہو، مثلاً گواہ کہے کہ فلاں شخص نے فلاں عورت سے زنا کیا اور طبی معائنے سے ثابت ہو جائے کہ عورت ہنوز کنواری ہے تو شہادت رد کر دی جائے گی۔[2]

ل۔ : اگر واقعہ (جس کے بارے میں گواہ شہادت دے رہا ہے) کا مشاہدہ کرتے وقت گواہ نابالغ یا کافر یا فاسق تھا لیکن اس کے بعد وہ

---

[1] المغنی : ۱۲ : ۸۶

[2] شرح فتح القدیر : ۴ : ۱۶۹

بالغ ہو گیا یا اسلام قبول کر لیا یا اپنے فسق سے توبہ کر لی اور واقعہ کے بارے میں شہادت دے تو اگر شہادت کا وقت گزر نہ گیا ہو تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔[۱]

م۔ : اگر شہادت دیتے وقت گواہ مشہود لہٗ (جس کے حق میں شہادت دی جائے) کا اجیر نہ ہو تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔[۲]

ن۔ اگر گواہ طلاق کی شہادت تاخیر سے دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔[۳]

دفعہ ۳۷ : مانع قبول شہادت عذر کے رفع ہو جانے کے بعد شہادت قبول کی جائے گی۔ مثلاً

نابینا نے کسی مقدمے میں شہادت دی اور نابینا ہونے کی وجہ سے اس کی شہادت رد کر دی گئی۔ پھر وہ بینا ہو جائے اور اسی معاملے میں شہادت دے تو اس کی شہادت معتبر ہو گی۔[۴]

[۱] عالمگیری : ۳ : ۴۵۰

[۲] الفتاوی المھدیہ : ۳ : ۳۲۴

[۳] عالمگیری : ۳ : ۴۶۶

[۴] ایضاً : ص: ۴۶۵

دفعہ ۷۴: ایسے نسوانی امور میں جن کے بارے میں سوائے عورتوں کے کسی مرد کو واقفیت نہیں ہو سکتی۔ ایک عورت کی شہادت بھی معتبر ہو سکتی ہے۔ مثلاً کنوارا پن، ولادت یا نسوانی امراض[1]

دفعہ ۷۵: اگر کوئی ایسا پاگل ہے جو کچھ عرصے کے لیے صحیح الدماغ ہو جایا کرتا ہے اور وہ کسی ایسے معاملے کی شہادت دے جسے اس نے اس وقت دیکھا تھا جبکہ وہ صحیح الدماغ تھا اور شہادت دیتے وقت بھی وہ صحیح الدماغ ہو تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے افاقہ کی مدّت کیا ہو؟ تو علامہ حلوانی نے لکھا ہے کہ کم از کم دو دن وہ حالت افاقہ میں رہتا ہو۔[2]

دفعہ ۷۶: اگر کھیل کود کے کسی معاملے میں بچے (نابالغ) بچوں کے خلاف یا حمام کے کسی معاملے میں عورتیں عورتوں کے خلاف یا جیل کے قیدیوں کے کسی آپس کے جھگڑے میں قیدی قیدیوں کے خلاف شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ البتہ اگر کوئی ایک عورت

---

[1] الطرق الحکمیہ : ۸۲

[2] عالمگیری : ۳ : ۴۵

جو کسی بچے کی ولادت کے وقت موجود تھی۔ یہ شہادت دے کہ پیدا ہوتے وقت بچہ رویا تھا یا اس کے اعضا میں حرکت تھی اس لئے اس کی نماز جنازہ پڑھی جانی چاہیے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ لیکن اگر وہ میراث کے معاملے میں شہادت دے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی بلکہ یہ شرط عائد کی جائے گی کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں البتہ امام ابو یوسف اور محمد کا قول ہے کہ اگر عورت عادلہ ہو تو اس کی شہادت میراث کے معاملے میں بھی قبول کی جائے گی۔ فقہائے احناف کے نزدیک یہی قول راجح مانا گیا ہے[1]

الف: سرقہ کے ان مقدمات میں جنہیں مجرم کا قطع ہو سکتا ہے۔ عورت کی شہادت معتبر نہیں لیکن جن مقدمات میں ملزم پر تاوان عائد ہو سکتا ہے۔ عورت کی شہادت فتاویٰ قاضی خان کی رو سے قبول کی جائیگی[2]

ب: مسلمان کی شہادت غیر مسلم کے خلاف قبول کی جائے گی۔[3]

ج: اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دے۔ اس کے بعد اپنی بیوی کے حق میں شہادت دے تو اس کی شہادت قبول ہو گی۔[5]

---

[1] عالمگیری: ۳: ۴۶۵

[2] ایضاً

[3] المبسوط: ص: ۱۳۷

اکیسویں فصل

تزکیۃ الشہود

دفعہ ۷۷: تزکیۃ الشہود: گواہوں کے چال چلن کا پتہ لگانے کو کہتے ہیں[1]۔

دفعہ ۷۸: تمام قسم کے مقدمات میں گواہوں کا تزکیہ کرنا ضروری ہے[2]۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف حدود و قصاص کے مقدمات میں گواہوں کا تزکیہ ضروری ہے۔ دیگر مقدمات میں ضروری نہیں۔ البتہ اگر فریق مخالف گواہوں پر عیب لگائے تو پھر ان کا تزکیہ کیا جائے گا۔

صاحبین کے نزدیک تمام مقدمات میں گواہوں کا تزکیہ کرنا ضروری ہے۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

دفعہ ۷۹: اگر مشہود علیہ خود ہی گواہوں کو عادل قرار دے دے۔ مثلاً کہے کہ "گواہ عادل ہیں اور میرے خلاف جو شہادت دے رہے ہیں وہ درست ہے" تو اس صورت میں قاضی مدعی کے دعوے کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔ تزکیہ کی ضرورت نہ ہو گی[3]۔

---

[1] البابرتی اکمل الدین: شرح العنایہ علی الہدایہ علی ہامشہ فتح القدیر: ۶ : ۱۲

[2] ایضاً

[3] عالمگیری : ۳ : ۵۲۷

دفعہ ۸۰: اگر گواہ فاسق ہوں اور مدعیٰ علیہ ان کی تعدیل بھی کرے یا مستور الحال ہوں اور مدعیٰ علیہ ان کی تعدیل کرے۔ جب بھی قاضی اُن کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرسکتا۔ اول الذکر صورت میں مدعیٰ علیہ کی تعدیل یا عدم تعدیل غیر معتبر ہوگی۔ ثانی الذکر صورت میں قاضی کو چاہیے کہ مدعیٰ علیہ سے یہ دریافت کرے کہ گواہ اپنی شہادت میں صادق ہے یا کاذب۔ اگر وہ صادق ہونے کا اقرار کرے تو اس کے اقرار کی بناپر قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کرسکتا ہے[1]۔

دفعہ ۸۱: اگر شہادت سے پہلے مشہود علیہ گواہوں کی تعدیل کرچکا ہو۔ اس کے بعد گواہ مشہود علیہ کے خلاف گواہی دیں جس کا مشہود علیہ انکار کرے تو سابقہ تعدیل کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی[2]۔

دفعہ ۸۲: تزکیہ کی دو قسمیں ہیں:۔

(الف) تزکیۃ العلانیہ۔

(ب) تزکیۃ السر۔

تزکیۃ العلانیہ کی صورت یہ ہے کہ قاضی شاہد اور معدّل (مزکّی) کو ایک جگہ جمع کرکے معدّل سے دریافت کرے کہ "کیا آپ اس کی تعدیل کرتے ہیں؟ (یعنی اس کو عادل قرار دیتے ہیں؟) یا مزکّی سے

---

[1] عالمگیری: ص ۵۲۸

[2] ایضاً

گواہوں کی موجودگی میں دریافت کرے کہ "کیا یہ لوگ آپ کے نزدیک عادل مقبول الشہادۃ ہیں؟"[1]

تزکیۃ السر کی صورت یہ ہے کہ حاکم ایک کاغذ پر گواہ کا نام، ولدیت، حُلیہ اور اس کی جائے سکونت سے قریب ترین مسجد کا نام لکھے اور اسے ایک لفافے میں بند کر کے اس پر اپنی مُہر ثبت کردے پھر اپنے کسی نہایت قابلِ اعتماد آدمی کے بدست وہ لفافہ مزکّی[2] (وہ آدمی جس سے گواہ کے حالات کا پتہ لگایا جارہا ہے) کے پاس بھیج دے۔ ضروری ہے کہ مزکّی نیک، زاہد، متدین اور واقف کار ہو۔ گوشہ نشین قسم کا آدمی نہ ہو نہ لالچی اور بالکل ہی بے حیثیت ہو۔ اگر فقیہ ہو تو انسب ہے۔ معدّل کو چاہیے کہ حاکم کا ملفوف پاتے ہی گواہ کے پڑوسیوں سے اس کے حالات معلوم کرے اور صرف اس کی عبادت و ریاضت ہی نہ دیکھے بلکہ یہ بھی پتہ کرے کہ معاملات کے اعتبار سے وہ کیسا آدمی ہے۔ اس کے بعد اگر گواہ معیار پر پُورا اترتا ہو تو اس کے نام کے نیچے لکھ دے۔

عدل جائز الشہادۃ (یعنی گواہ ثقہ اور مقبول الشہادۃ ہے) اور اگر بالفرض گواہ فاسق ہو تو کچھ نہ لکھے اور اسی حالت میں حاکم کا مکتوب واپس کردے یا لکھ دے واللہ اعلم بالصّواب (اللہ بہتر جانتا ہے کہ درست کیا ہے) اور اگر گواہ مستور الحال ہو تو اس کے نام کے نیچے

---

[1] عالمگیری : ۵۲۹ [2] موجودہ دور میں زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں کو بھی مزکی بنایا جا سکتا ہے

لکھ دے "مستور"۔ پھر انتہائی خفیہ طریقے سے وہ مکتوب حاکم کو لوٹا دے۔ اس سارے عمل میں کمال رازداری کو ملحوظ رکھنا ہوگا ورنہ ممکن ہے کہ مشہود علیہ اور اس کے ساتھی مزکی کو رشوت دینے یا کسی طور پر اس کی رائے کو متاثر کرنے کی کوشش کریں یا اس کو ایذا پہنچائیں[1]۔

دفعہ ۸۳: ہمارے دور میں تزکیۃ السر افضل ہے[2]۔

دفعہ ۸۴: اگر ایک ہی مزکّی سے تزکیہ کرالیا جائے تو کافی ہے لیکن افضل یہ ہے کہ دو مزکیوں سے تزکیہ کرایا جائے[3]۔

دفعہ ۸۵: جب گواہ شہادت دے چکیں تب ان کا تزکیہ کرایا جائے گا اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ شہادت کے بعد گواہوں کا تزکیہ کرایا تھا[4]۔

دفعہ ۸۶: اگر کسی گواہ کا ایک مرتبہ تزکیہ کرلیا جائے۔ پھر چھ ماہ بعد کسی دوسرے مقدمے میں وہ شہادت دے تو اس کا دوبارہ تزکیہ کیا جائے گا[5]۔

---

[1] شرح فتح القدیر : ۶ : ۱۳

[2] شرح العنایہ : ۶ : ۱۳

[3] فتح القدیر : ۶ : ۱۵

[4] ظفر احمد تھانوی : اعلاء السنن : ۱۵ : ۱۳۸ طبع کراچی ۱۳۸۶ھ

[5] فتح القدیر : ۶ : ۱۵

دفعہ ۸۷: تزکیۃ العلانیہ میں مزکیوں کی اچھی خاصی تعداد کا ہونا ضروری ہے۔[1]

دفعہ ۸۸: تزکیۃ العلانیہ میں ضروری ہے کہ مزکیوں میں وہ تمام صفات پائی جائیں جو ایک عادل مقبول الشہادۃ گواہ میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عادل ہونا، عاقل اور بالغ ہونا، آزاد اور بینا ہونا وغیرہ وغیرہ۔[2]

دفعہ ۸۹: تزکیۃ السر غلام، نابینا، نابالغ اور محدود فی القذف سے بھی کرایا جا سکتا ہے۔[3]

الف۔: اگر قاضی چاہے تو ایک گواہ کا تزکیۃ العلانیہ اور تزکیۃ السر دونوں کرا سکتا ہے۔[4]

ب۔: شاہدوں کا تزکیہ اس حلقے سے کرایا جائے گا جس سے ان کا تعلق ہو۔ مثلاً اگر وہ طلباء میں سے ہوں تو ان کا تزکیہ ان کے اساتذہ اور درس گاہوں کے قابلِ اعتماد لوگوں سے کیا جائے گا، اگر وہ فوجی ہوں گے تو ان کے افسروں سے ان کے چال چلن کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ اگر وہ سرکاری افسر ہوں۔ تو ان کے افسران بالا سے، اگر تاجر ہوں تو ان کے حلقے کے قابلِ اعتماد تاجروں سے، اگر اہلِ حرفہ

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۲۸

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] ایضاً

میں سے ہوں تو ان کے کارخانہ داروں سے اور اگر عوام میں سے ہوں تو ان کے محلّے یا گاؤں کے قابلِ اعتماد لوگوں سے ان کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔[۱]

ج۔ : باپ کے بارے میں لڑکے سے، لڑکے کے بارے میں باپ سے اور شوہر کے بارے میں بیوی سے تزکیہ کیا جا سکتا ہے۔[۲]

د۔ : اگر مشہود علیہ مسلمان ہو تو ضروری ہے کہ مزکی بھی مسلمان ہو۔[۳]

ہ : تزکیۃ العلانیہ میں ضروری نہیں کہ مزکی شہادت کا لفظ استعمال کرے۔[۴]

دفعہ ۹۰ : اگر مزکی ذاتی طور پر گواہ کو نہ جانتا ہو اور وہ اپنے طور پر دو شاہدانِ عدل سے اس کے بارے میں شہادت لے کر تزکیہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔[۵]

الف۔ : اگر مزکی گواہ کے بارے میں اس کے پڑوسیوں سے دریافت کرے اور وہ غیر ثقہ ہوں۔ تاہم گواہ کی وہ اس طرح تعدیل کریں کہ مزکی کے دل میں اس طرح کا وثوق پیدا ہو جائے جو اخبار متواترہ

---

[۱] مجلۃ الاحکام ۔ ۳۸۰ طبع کراچی

[۲] عالمگیری : ۳ : ۵۲۹

[۳] ایضاً

[۴] ایضاً

[۵] ایضاً

ہیں ہوتا ہے تو وہ گواہ کو عادل قرار دے سکتا ہے[1]۔

دفعہ ۱۹۱ : اپنی رپورٹ میں ضروری ہے، کہ مزکی قطعی بات لکھے مثلاً صاف صاف یہ لکھ دے کہ "گواہ عادل ہے"۔ اس انداز میں نہ لکھے کہ "گواہ میرے نزدیک عادل ہے اس لیے کہ قابلِ اعتماد لوگوں نے مجھے بتلایا ہے کہ یہ عادل ہے[2]۔"

الف - : حدود و قصاص کے گواہوں کے تزکیہ میں کافی چھان پھٹک اور تحقیق و تفتیش ضروری ہوتی ہے[3]۔

ب - : غیر مسلم گواہ کے تزکیہ میں یہ دریافت کیا جائے گا کہ وہ اپنے مذہب پر عامل ہے یا نہیں، سچ بولتا ہے یا عادۃً جھوٹ بولتا ہے، دیانت دار ہے یا بددیانت اور ہوش و خرد والا ہے یا نرا احمق[4]۔

ج - : اگر مزکی لکھ دے کہ "میں گواہ کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا" تو اتنا ہی کافی ہے گواہ قابلِ اعتبار متصور ہوگا[5]۔

د - : اگر گواہ پردیسی ہو اور اس کا کوئی مزکی نہ ہو تو قاضی کو چاہیے

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۲۹

[2] ایضاً ص ۵۳۰

[3] ایضاً

[4] بحرالرائق : ۷ : ۶۴

[5] ایضاً

کہ گواہ کے شہر کے قاضی سے اس کا تزکیہ کرے[1]۔

۸۔ : اگر ایک مزکی کے پاس سے جواب آجائے اور قاضی کسی دُوسرے مزکی سے بھی دریافت کرنا چاہے تو اس کے لیے یہ درست نہیں کہ پہلے مزکی کی رائے سے دُوسرے مزکی کو مطلع کرے کیونکہ ایسا کرنے سے دُوسرے مزکی کی رائے متاثر ہو سکتی ہے[2]۔

دفعہ ۹۲ - اگر مزکی گواہ کو مجروح قرار دے دے اور اس کی گواہی ساقط الاعتبار ہو جائے تو حاکم مدعی کو یہ نہ بتائے کہ تمہارا پیش کردہ گواہ غیر معتبر ٹھہر گیا ہے بلکہ اس سے یہ کہے کہ "میرے خیال میں تمہارا پیش کردہ گواہ معیار کے مطابق نہیں ہے[3]"۔

الف : اگر تین مزکیوں میں سے دو گواہ کو عادل قرار دیں اور ایک مجروح بتلائے تو عادل قرار دینے والوں کی بات مانی جائے گی[4]۔

ب ـ : اگر دو مزکیوں میں سے ایک گواہ کو عادل اور دُوسرا مجروح قرار دے تو حاکم اس شہادت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کر سکتا[5]۔

---

[1] بحر الرائق : ۷ : ۶۵

[2] معین الحکام : ۱۰۵

[3] ایضاً

[4] ایضاً ص ۱۰۷

[5] المجلۃ : ۳۸۸

دفعہ ۹۳ : اگر مشہود علیہ تزکیہ سے قبل یا بعد شاہدوں پر کوئی ایسا الزام عائد کردے جو قبول شہادت میں مانع ہو (مثلاً یہ کہ شاہد کسی کو بچانا چاہتا ہے یا شہادت کے ذریعہ کوئی مفاد حاصل کرنا چاہتا ہے) تو حاکم کو چاہیے کہ مشہود علیہ سے اس الزام کی دلیل طلب کرے۔ اگر مشہود علیہ اس الزام کو ثابت کردے تو حاکم شاہدوں کی شہادت کو رد کردے گا۔ اور اگر وہ ثابت نہ کرسکے تو شاہدوں کا تزکیہ نہ ہونے کی صورت میں ان کے تزکیہ کے بعد اور اگر تزکیہ ہوچکا ہو (اور تزکیہ شاہدوں کے حق میں ہو) تو اسی وقت ان شہادتوں کے مطابق فیصلہ کردے گا۔[1]

دفعہ ۹۴ : شہادت دینے کے بعد اگر گواہ مرجائے یا غیر حاضر ہوجائے تو حاکم کو اختیار ہے کہ اس کا تزکیہ کرے اور اس کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کردے۔[2]

دفعہ ۹۵ : اگر مدعی گواہ پیش کرنے کے بعد قاضی کے سامنے مزکیوں کے نام پیش کرے اور وہ اصولاً مزکی ہونے کے قابل ہوں تو قاضی اس کی درخواست کو منظور کرسکتا ہے، لیکن اگر مدعیٰ علیہ گواہوں پر طعن کررہا ہو تو اس سے بھی دریافت کرنا چاہیے۔ مثلاً مدعی نے گواہ

---

[1] المجلہ : ۳۸۸

[2] ایضاً

پیش کیے اور قاضی سے یہ کہا کہ میں آپ کی عدالت میں ایسے ثقہ لوگوں کو پیش کر سکتا ہوں جو میرے گواہ کی عدالت کی شہادت دیں گے یا کہا کہ میں آپ کو ایسے لوگوں کے نام دے سکتا ہوں جو ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں۔ آپ ان سے میرے گواہ یا گواہوں کے بارے میں دریافت کر لیں۔ اس کے بعد اس نے مزکیوں کے نام بتلائے اور واقعتًہ وہ لوگ مزکی بننے کے اہل تھے تو قاضی کو چاہیے کہ اس کی درخواست کو منظور کرے اور اس سے کہے کہ مزکیوں کو پیش کرو اور مزکی حاضر ہو کر گواہ یا گواہوں کا تزکیہ کر دیں یا تزکیہ بالسر کرے اور وہ لوگ گواہ یا گواہوں کو عادل قرار دے دیں تو اب قاضی کو چاہیے کہ طعن کرنے والوں کو طلب کرے اور ان سے دریافت کرے کہ تم لوگ کس بنیاد پر گواہوں کو مطعون کر رہے ہو کیونکہ ممکن ہے کہ جن بنیادوں پر وہ گواہوں کو مجروح قرار دے رہے ہوں وہ ان کے نزدیک گواہوں کو مجروح قرار دینے کے لیے کافی ہوں اور قاضی کے نزدیک کافی نہ ہوں اور مزکیوں کے نزدیک بھی ایسی نہ ہوں کہ ان کی بنا پر گواہوں کو مجروح قرار دیا جا سکتا ہو۔ طاعنین سے سوال کرنے کے بعد دو صورتیں پیدا ہوں گی۔ یا تو وہ اسی قسم کی وجہیں بیان کریں گے جو گواہ کو مجروح کرنے کے لیے کافی نہ ہوں۔ اس صورت میں ان کے قول اور طعن کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا اور ان گواہوں کو عادل تسلیم کر کے ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا یا پھر وہ ایسے

اسباب بیان کریں گے جو کسی گواہ کو مجروح قرار دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ان کی جرح کو تسلیم کر لیا جائے گا اور ان گواہوں کی شہادت کو رد کر دیا جائے گا۔[1]

الف : گواہوں کے تزکیہ کے بعد بھی اگر مشہود علیہ گواہوں پر طعن کرے تو حاکم کے لیے ضروری ہو گا کہ اس کے طعن کی سماعت کرے اور اگر طعن ثابت ہو جائے تو شہادت کو رد کر دے۔

مثلاً تزکیہ کے بعد مشہود علیہ نے کہا کہ گواہ مجروح ہیں۔ آپ فلاں، فلاں ثقہ حضرات سے ان کے بارے میں دریافت کر لیں اور اس نے ان آدمیوں کے نام قاضی کو بتلائے اور اصولاً وہ اس بات کے اہل تھے کہ ان سے کسی شخص کے کردار کے بارے میں تصدیق کی جاتی تو حاکم کو ان سے دریافت کرنا چاہیے اور اگر وہ گواہوں کو مجروح قرار دیں اور جرح صالح ہو تو جرح کو ترجیح دی جائے گی اور شہادت ساقط الاعتبار قرار پائے گی۔[2]

ب : اگر غیر مسلم اسلام قبول کرنے کے بعد شہادت دے تو اس کا تزکیہ اس کے غیر مسلم ہونے کے دور کے مطابق کیا جائے گا۔

مثلاً کوئی نصرانی اسلام قبول کرنے کے بعد شہادت دے تو اگر قاضی یہ جانتا ہو کہ نصرانی ہونے کے زمانے میں وہ عادل تھا تو

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۳۱

[2] ایضاً ص ۵۳۱

اس کی شہادت کو قبول کرلے گا اور اگر اس دور کی عدالت کے بارے میں اسے واقفیت نہ ہو تو اس کے بارے میں اس شخص سے تزکیہ کرے گا جو اس کے دور نصرانیت کی زندگی اور عدالت سے واقف ہو۔[1]

ج : اگر دو غیر مسلموں نے کسی ایک غیر مسلم کے خلاف شہادت دی اور پھر ان دونوں نے اسلام قبول کرلیا اور مشہود علیہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تو قاضی سابقہ شہادت کی بنا پر فیصلہ نہیں کرسکتا۔ اب اگر وہ دوبارہ شہادت دیں تو قاضی کسی مسلم مزکی سے ان کا تزکیہ کرے گا اور اگر پہلی شہادت کے موقع پر دو مسلم مزکیوں نے اس کا تزکیہ کیا تھا تو سابق تزکیہ برقرار رہے گا۔[2]

د : اگر کسی گواہ کا فسق ظاہر ہوجانے کے بعد وہ ایک سال کے لیے غائب ہوجائے اور واپسی کے بعد اس کے حالات بہتر ہوجائیں تو اب مزکی اسے مجروح قرار نہیں دے سکتا۔[3]

ہ : اگر کوئی غیر مسلم زمانۂ کفر میں فاسق رہا ہو پھر بعد میں اسلام قبول کرکے صالح بن جائے تو اس کے صلاح و تقویٰ کا اعتبار کیا جائے

---

[1] عالمگیری: ۳: ص ۱۳۵

[2] ایضاً

[3] ایضاً

گا اور زمانۂ کفر کے فسق کے باعث اسے غیر عادل قرار دینا درست نہ ہوگا۔[1]

۹ : اگر کوئی شخص ارتکاب کبائر کی وجہ سے ساقط الشہادۃ ہوگیا پھر اس نے توبہ کرلی تو مزکی اس وقت تک اسے عادل قرار نہیں دے سکتا جب تک توبہ پر اسے اس طرح استقامت حاصل نہ ہو جائے کہ مزکی اسے عادل سمجھنے لگے۔[2]

۱۰ : قاضی گواہوں پر مجرد جرح کی شہادت کی سماعت نہیں کر سکتا مثلاً اگر گواہ یہ کہیں کہ مقدمے کے گواہ فاسق یا زانی یا سود خور یا شرابی یا شاہد الزور ہیں تو محض ان شہادتوں کی طرف قاضی کو التفات نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ اگر وہ اس بات کا قطعی ثبوت پیش کر دیں کہ وہ زانی یا شرابی یا چور یا قاذف یا محدود فی القذف ہیں تو ان شہادتوں کو قبول کر کے اُن کی شہادت کو رد کیا جا سکتا ہے۔[3]

○

---

[1] عالمگیری : ۳ : ص ۵۳۱

[2] ایضاً

[3] ایضاً

بائیسویں فصل

قرائن قاطعہ

دفعہ ۹۶ : حکم کے اسباب میں قرائن قاطعہ یا شہادت حالی

CIRUMSTANCIAL EVIDENCE.

بھی شمار کیے جا سکتے ہیں یعنی ان کی بنیاد پر بھی کسی مقدمے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے[1]۔

دفعہ ۹۷ : قرائن قاطعہ سے ایسے قرائن مراد ہیں جن سے کسی بات کا حتمی اور یقینی ثبوت ملتا ہو، مثلاً۔

"ایک آدمی ایک خالی مکان سے خائف و مدہوش نکلا۔ اس کے ہاتھ میں خون آلود چھری تھی اس کے نکلتے ہی چند لوگ، اس مکان میں داخل ہوئے تو اسی وقت کا ذبح کیا ہوا ایک آدمی ملا۔ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا کہ مکان سے برآمد ہونے والا ہی شخص اس مقتول کا قاتل ہے۔"

اس صورت میں محض وہمی احتمالات کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے کہ شاید مقتول نے خودکشی کر لی ہو[2]۔ یا مثلاً کوئی کنواری عورت حاملہ ہو جائے[3]۔

---

[1] المجلہ : ۳۹۸

[2] ایضاً

[3] المغنی : ۱۰ : ۱۹۲

تئیسویں فصل

اقرار

لغوی معنی: اقرار (باب افعال میں)، قَرّ سے مشتق ہے

قَرّ الشئ اذا ثبت جب کوئی چیز ثابت ہو جائے تو کہتے ہیں۔

صاحب العنایہ کے نزدیک اقرار قرار سے مشتق ہے۔

یعنی اثبات ما کان متزلزلا مطلب یہ کہ جو چیز متزلزل ہو وہ ٹھہر جائے۔[1]

مفسّرین کی تعریف: مفسرین کے نزدیک اقرار

شہادۃ المرء علی نفسہ کسی شخص کا اپنے اُوپر شہادت دینے کو کہتے ہیں۔[2]

فقہی تعریف: شریعت میں اقرار

اخبار عن ثبوت الحق (کسی حق کے ثابت ہونے کے بارے میں خبر دینا) یا اخبار عن ثبوت حق للغیر علی نفسہ (اپنے اُوپر کسی غیر کے حق کے ثبوت کی بابت خبر دینا) کو کہتے ہیں

---

[1] فتح القدیر : ۶ : ۲۷۹

[2] ایضاً ص : ۲۸۱

کسی شخص کے اپنے اقرار کو بھی شہادت[1] کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور اس کے اقرار سے بھی کسی بات کی حقیقت ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی[1] حضرت ماعز اسلمیؓ کے واقعے میں راوی حضرت جابرؓ نے ماعز کے اقرار کو شہادت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے۔

عن جابر ان رجلاً من اسلم جاء النبیّ صلّی الله علیه وسلّم فاعترف بالزنا فاعرض عنه النبیّ صلّی الله علیه وسلّم حتّٰی شهد علی نفسه اربع مرات قال له النبیّ صلّی الله علیه وسلّم الك جنون؟ قال لا قال احصنت؟ قال نعم فامر به فرجم بالمصلّی[2]	حضرت جابر سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص (حضرت ماعزؓ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ نے اس سے اپنا رخ پھیر لیا اور وہ اعتراف کرتا رہا اور آپ رُخ پھیرتے رہے، یہاں تک کہ اس نے اپنے گناہ پر چار مرتبہ شہادت دی۔ تب آپ نے دریافت فرمایا کیا تو پاگل ہے۔" اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے دریافت

---

[1] اقرار بھی شہادت ہی کی ایک قسم ہے (ابتداء میں بیان کیا جا چکا ہے) اس کے تفصیلی مباحث انشاء اللہ العزیز اس کتاب کی دوسری جلد میں بیان کیے جائیں گے۔ اس مقام پر محض موضوع کو متعارف کرانے کی غرض سے اقرار کے سلسلے میں ضروری دفعات کو ذکر کیا جا رہا ہے۔

[2] البخاری : ۲ : ۱۰۰۷ طبع دہلی

فرمایا کیا تو شادی شدہ ہے؟" اس نے
کہا "ہاں" تب آپ کے حکم سے اسے
عیدگاہ میں رجم کیا گیا۔

اس روایت میں ماعز کے اقرار کو شھد علیٰ نفسہٖ (اپنے نفس پر گواہی دی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اقرار بھی شہادت ہی کے درجے میں اور اسی کی ایک قسم ہے۔

دفعہ ۹۸ : ضروری ہے کہ اقرار کرنے والا عاقل، بالغ، مختار و آزاد ہو۔[1]

دفعہ ۹۹ : قصاص و حدود کے مقدمات میں ضروری ہے کہ ملزم قاضی کی عدالت میں اقرار کرے۔ لہٰذا اس نے اگر کسی پرائیویٹ مجلس میں اقرار کیا تو وہ شرعاً لائقِ التفات نہ ہوگا۔[2]

الف - : زنا کے مقدمات میں ضروری ہے کہ ملزم مختلف مجلسوں میں چار مرتبہ اقرار کرے۔[3]

ب - : شراب نوشی کا جرم مجرم کے صرف ایک مرتبہ اقرار کر لینے ہی سے ثابت ہو جاتا ہے۔[4]

---

[1] فتح القدیر : ۶ : ۲۸۱

[2] التشریع الجنائی : ۲ : ۳۳۷

[3] ایضاً ص ۴۳۳

[4] تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔ ہدایہ : ۲ : ۵۰۷ طبع مجتبائی دہلی

ج - : چوری کا جُرم بھی ایک مرتبہ اقرار کر لینے سے ثابت ہو جاتا ہے[1]

د - : گونگے شخص کا تحریری اقرار حدود کے مقدمات میں معتبر نہیں۔ البتہ قصاص اور دیگر حقوق العباد کے مقدمات میں معتبر ہے[2]

ہ - : محجور[3] علیہ کا مال کے معاملات میں اقرار معتبر نہیں لیکن حدود و قصاص کے مقدمات میں اس کا اقرار معتبر ہے[4]

و - : اگر دو شخص ایک ہی سرقے کے مقدمے میں ماخوذ ہوں اور ان میں سے ایک اقرار کرلے اور دُوسرا مال مسروق پر دعوائے ملکیت کرتے ہوئے الزام سے انکار کر دے تو پہلے شخص کا اقرار موجب حد باقی نہیں رہے گا تعزیر ہو سکتی ہے[5]

ز - : نشے کی حالت میں اقرار سوائے حد زنا اور حد شراب نوشی کے دیگر مقدمات میں درست ہے[6]

دفعہ ۱۰۰ : ضروری ہے کہ اقرار بلا جبر و اکراہ کیا جائے۔ اقرار مکرہ

---

[1] التشریح الجنائی : ۲ : ۶۱۵

[2] عالمگیری : ۴ : ۱۷۰

[3] اسے کہتے ہیں جسے سفاہت کی بنا پر حاکم اس کے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دے۔

[4] شرح فتح القدیر : ۶ : ۲۸۳

[5] الزیلعی تبیین الحقائق : ۳ : ۲۳۰

[6] عالمگیری : ۴ : ۱۵۶

صحیح نہیں۔[1]

الف۔ : اگر قرض خواہ کسی سے مطالبہ کرے اور وہ کہے کہ میں دے دوں گا یا میں کل ادا کر دوں گا۔" تو اس کا یہ کہنا اقرار متصور ہو گا۔[2]

ب ۔ : اگر کوئی کسی سے مطالبہ کرے اور وہ کہے کہ "کل آنا" تو یہ اقرار کے حکم میں نہ ہو گا۔[3]

ج ۔ : اگر مدعی کہے کہ میرے تمہارے ذمے ایک سو روپے ہیں اور مدعیٰ علیہ جواب میں کہے کہ "میں روپے ادا کر چکا ہوں" تو یہ اقرار نہیں مانا جائے گا۔[4]

د ۔ : اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ "تم نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے"۔ اور وہ شخص جواب میں کہے "کہ تم نے فلاں کو قتل کیا ہے"۔ تو یہ اقرار نہیں مانا جائے گا۔[5]

ہ ۔ : اگر کرایہ دار کہے کہ "میں مکان کا کرایہ فلاں شخص کو ادا کرتا ہوں" تو یہ اقرار نہیں ہو گا۔[6]

---

[1] عالمگیری : ۴ : ۱۵۶

[2] فتاویٰ قاضی خاں علی ہامشہ۔ عالمگیری : ۳ : ۱۲۳

[3] ایضاً

[4] ایضاً

[5] قاضی خاں : ۳ : ۱۲۴

[6] ایضاً

د ـ

و ـ : اگر ادائیگی دین کے لیے مدیون مہلت طلب کرے تو مہلت

و ـ طلب کرنا اقرار بالدین کے مترادف متصوّر ہوگا ۔ مثلاً قرض خواہ مدیون سے کہے کہ میں تمہارے اُوپر اپنے قرض کا دعویٰ کرنے جا رہا ہوں اور مدیون کہے کہ ابھی آپ دعویٰ نہ کریں ۔ میرے پاس روپے آنے والے ہیں جب آجائیں گے تو میں ادا کر دوں گا تو مدیون کا یہ قول اقرار بالدین متصوّر ہوگا[1]۔

س ـ

س ـ : اگر کوئی شخص کسی شے کے بارے میں یہ کہے کہ یہ میری نہیں ہے پھر اس پر ملکیت کا دعویٰ کرے اور ثبوت پیش کرے تو اس کا سابق قول عدم تملک کا اقرار نہیں مانا جائے گا ۔

مثلاً

کسی نے کسی سے کہا کہ یہ مکان میرا نہیں ہے ۔ پھر ثبوت پیش کر دیا کہ یہ مکان اس کا ہے تو اس کا ثبوت تسلیم کیا جا سکتا ہے ، کیونکہ جس وقت اس نے کہا تھا کہ "یہ مکان میرا نہیں ہے" اس وقت اس نے یہ نہیں تبلایا تھا کہ "پھر یہ مکان کس کا ہے"[2]۔

ح ـ

ح ـ : اگر کوئی کسی سے کہے کہ "تمہارے ذمّے میرے ایک ہزار روپے ہیں" ۔ اور مخاطب جواب میں کہے "یقیناً یقیناً" ۔ تو یہ اقرار مانا جائے گا[3]۔

---

[1] قاضی خان : ۳ : ۱۲۴

[2] ایضاً ص ۱۲۵

[3] ایضاً

ط - : اگر کوئی شخص اقرار بالدین میں قضائے قاضی یا حکم حاکم کا حوالہ دے تو وہ اقرار مانا جائے گا، لیکن اگر مفتی کے فتوے کا حوالہ دے تو وہ اقرار نہیں مانا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ زید کے میرے ذمے ازروئے قضائے قاضی ایک ہزار روپے بنتے ہیں تو یہ اقرار متصوّر ہوگا، لیکن اگر کوئی کہے کہ "فلاں مفتی کے فتوے کی رُو سے میرے ذمے زید کے ایک ہزار روپے بنتے ہیں تو یہ اقرار بالدین نہیں مانا جائے گا۔[1]

ی - : محض بہی کھاتے میں درج کر دینا اقرار کے معنی میں نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی شخص نے اپنے کھاتے میں لکھا کہ "میرے ذمے فلاں کے ایک ہزار روپے ہیں"۔ لیکن بعد میں وہ انکار کر گیا گو کہ اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ اس نے ایسا کھاتے میں درج کیا تھا۔ یا گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے اپنے کھاتے میں ایسا درج کیا تھا لیکن وہ انکار کر رہا ہے۔ ان تمام صورتوں میں اقرار تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے انکار کر دینے کی وجہ سے بات مشتبہ ہو گئی۔[2]

ک - : کیش میمو CASH MEMO جو بائع مشتری کو دیا کرتا ہے۔ بائع کی جانب سے اقرار کے مترادف مانا جائے گا۔[3]

---

[1] قاضی خان : ۳ : ۱۲۶

[2] ایضاً

[3] ایضاً ص ۱۲۷

(یہ قول مشائخ بلخ کا ہے اور ہمارے زمانے کے حالات سے مطابقت رکھتا ہے)

ل۔ : اموال اور دیگر دعاوی میں باستثنائے حدود گونگے کا اقرار معروف اشارات یا تحریر کے ذریعہ مقبول ہوگا۔[1]

م۔ : اگر کوئی کہے کہ فلاں کی موت میرے ہاتھ سے تقدیر میں لکھی ہوئی تھی اور میں نے اسے قتل کر دیا یا کوئی شخص کسی دوسرے کو مخاطب کر کے کہے کہ میں نے فلاں کو قتل کر دیا اور مخاطب اس سے دریافت کرے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور وہ جواب میں کہے کہ لوح محفوظ میں ایسا ہی لکھا ہوا تھا تو یہ اقرار مانا جائے گا اور اگر مقر قتل عمد کا اقرار نہ کرے تو اس پر دیت واجب ہوگی۔[2]

ن۔ : اگر کوئی کسی شخص کے بارے میں کہے کہ "اس پر میرا کوئی حق باقی نہیں ہے"۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قائل کا کسی قسم کا دین شخص معہود پر نہیں ہے یہ اقرار شمار کیا جائے گا۔[3]

دفعہ ۱۰۱ : اگر مقر اپنے اقرار کو متصلاً مشیت خداوندی کے ساتھ معلق کر دے تو اقرار صحیح نہ ہوگا۔ مثلاً کہے کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک ہزار روپے

---

[1] ایضاً ص ۲۸

[2] عالمگیری : ۴ : ۱۶۰

[3] الکاسانی : بدائع الصنائع : ۷ : ۲۰۸

ہیں ان شاء اللہ اس صورت میں اسے اقرار نہیں مانا جائے گا۔ یہی حکم اس وقت ہوگا جبکہ اقرار کو کسی شخص کی مشیئت کے ساتھ معلق کر دیا جائے۔[1]

دفعہ ۱۰۲ : اگر اقرار کو مقر بہ (جس کا اقرار کیا جائے) کے کسی خاص وصف کے ساتھ متصف کرنا ہو تو ضروری ہے کہ متصلاً اس وصف کا ذکر کر دیا جائے ورنہ اقرار مطلق ہو جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص ودیعت (امانت) کا اقرار کر رہا ہو تو اسے کہنا چاہیے کہ "میرے ذمے فلاں شخص کے ایک ہزار روپے "امانت" ہیں"۔ اس صورت میں یہ امانت کا اقرار ہوگا۔ لیکن اگر وہ پہلے کہہ دے کہ "میرے ذمے فلاں شخص کے ایک ہزار روپے ہیں"۔ اور خاموش ہو جائے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہے کہ "امانت کے طور پر" تو یہ اقرار بالودیعۃ نہیں مانا جائے گا بلکہ اقرار بالدین ہو جائے گا۔[2]

دفعہ ۱۰۳ : اگر مقر اپنے اقرار میں مقر بہ سے کسی چیز کو مستثنیٰ کرے جبکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور استثناء متصلاً کیا جا رہا ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں :-

(الف) قلیل کا استثناء کثیر سے۔

مثلاً مقر کہے کہ میرے ذمے فلاں شخص کے دس روپے ہیں سوائے تین روپوں کے اس صورت میں مقر پر سات روپے واجب الادا ہوں گے

(ب) کثیر کا استثناء کثیر سے یہ فقہاء کے نزدیک غیر مستحسن ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع : ۷ : ۲۰۹

[2] ایضاً

مثلاً کہے کہ میرے ذمے فلاں کے نو میں سے دس روپے باقی ہیں۔ اس صورت میں اس پر صرف ایک روپیہ واجب ہو گا۔

(ج) کل کا استثنا کل سے یہ باطل ہے۔ مثلاً کہے کہ تمہارے دس روپے میں سے دس روپے میرے ذمے ہیں۔ یہ قول باطل قرار پائے گا۔[1]

دفعہ ۱۰۴ : اقرار میں استدراک بھی معتبر ہوتا ہے خواہ مقدار میں ہو یا صفت میں، جنس میں ہو یا غیر جنس میں۔

(الف) اگر مقر کہے کہ "فلاں کے میرے ذمے ایک ہزار روپے ہیں نہیں بلکہ دو ہزار ہیں"۔ تو مقر کے ذمے استحساناً دو ہزار روپے واجب الادا ہوں گے۔

(ب) اگر مقر کہے کہ "فلاں کے میرے ذمے پچاس پیسے ہیں نہیں بلکہ پانچ سو روپے ہیں"۔ تو مقر کے ذمے پانچ سو روپے پچاس پیسے واجب الادا ہوں گے۔

(ج) اگر مقر کہے کہ "میرے ذمے فلاں کے پانچ لٹھے کے تھان ہیں نہیں بلکہ پانچ جارجیٹ کے تھان ہیں۔ اس صورت میں جو چیز قیمتی ہو گی وہ مقر کے ذمہ واجب الادا ہو گی۔

(د) اگر مقر اپنے اقرار میں کہے کہ "میرے ذمے اصغر کے دو سو روپے ہیں نہیں بلکہ اکرم کے دو سو روپے ہیں"۔ اس صورت میں اگر اصغر اور اکرم

---

[1] بدائع الصنائع: ۷: ۲۱۰

دونوں دو دو سو روپے کے مدعی ہوں تو اس مدعی کے حق میں اقرار مانا جائے گا جس کا اس نے پہلے نام لیا تھا۔[1]

دفعہ ۱۰۵ : اگر سر کے معروف اشارے سے کوئی ناطق (نہ کہ گونگا) اقرار کرے تو وہ اقرار تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً ایک ایسے شخص سے جو بولنے پر قدرت رکھتا ہے سوال کیا جائے "کہ کیا فلاں شخص کے تمہارے ذمے ایک ہزار روپے ہیں؟" اور وہ اثبات میں سر ہلا دے تو اس کے اس اشارے کو اقرار نہیں مانا جائے گا۔[2]

دفعہ ۱۰۶ : اگر مقر مخاطب کے سامنے صراحتہً اقرار نہ کرے بلکہ اس سے کہے کہ فلاں شخص کو میرے اقرار کی خبر دے دو تو بھی اقرار مانا جائے گا۔ یا مخاطب سے یہ کہے کہ تم خبر دے دو کہ تمہارے اوپر میرے اتنے روپے ہیں اور مخاطب کہے کہ "میں خبر دے دوں گا" تو مخاطب کی جانب سے یہ اقرار مانا جائے گا۔[3]

مثلاً زید نے خالد سے کہا کہ "حمید کو خبر دے دو یا حمید سے کہہ دینا یا حمید کو گواہ بنا لینا یا حمید کو خوش خبری سنا دینا کہ اس کے میرے اوپر ایک ہزار روپے ہیں"۔ تو یہ زید کی طرف سے حمید کے ایک ہزار روپے کا اقرار مانا جائے گا۔

---

[1] بدائع الصنائع : ۷ : ۲۱۲، ۲۱۳

[2] عالمگیری : ۴ : ۱۶۲ [3] ایضاً

یا

زید نے خالد سے کہا کہ "حمید سے کہہ دینا کہ میرے تمہارے اوپر (خالد کے اوپر) ایک ہزار روپے ہیں اور خالد نے اس کے جواب میں زید سے کہا کہ "اچھا میں حمید کو خبر دے دوں گا" تو خالد کا یہ کہنا خالد کی جانب سے ایک ہزار روپے کا اقرار متصور ہوگا۔[1]

الف۔: اگر کوئی شخص مجموعی طور پر اقرار کرے تو وہ اقرار بھی صحیح اقرار مانا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ "اس وقت جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے یہ سب زید کا ہے" تو یہ قائل کی جانب سے اقرار تسلیم کیا جائے گا۔[2]

ب۔: اگر کھیت کے بارے میں اقرار کیا جائے درآں حالیکہ کھیت میں فصل موجود ہو تو مقر کو اختیار ہے کہ فصل کو قضاء قاضی سے قبل یا بعد اپنے اقرار سے مستثنیٰ کرلے۔ البتہ اگر اس زمین میں درخت ہوں اور اقرار کے وقت مقر نے ان کو مستثنیٰ نہ کیا ہو تو وہ مقر لہ (جس کے حق میں اقرار کیا جا رہا ہے) کے ہوں گے۔

مثلاً زید نے کہا کہ "یہ زمین خالد کی ہے تو اصولاً جو فصل اس زمین میں ہے وہ خالد کی مانی جائے گی۔ لیکن اگر شواہد کے ذریعہ زید یہ ثابت کر دے کہ اس نے صرف زمین کے لیے اقرار کیا تھا فصل کے لیے اقرار

---

[1] عالمگیری: ۴: ۱۶۲

[2] ایضاً

نہیں کیا تھا اور وہ فصل میری ہے تو چاہے قضائے قاضی ہو چکی ہو زید فصل کا حق دار ہو گا، لیکن اگر اس زمین میں درخت ہوں اور وہ مقر دعویدار ہو کہ اس نے صرف زمین کے لیے اقرار کیا تھا درخت کے لیے اقرار نہیں کیا تھا تو بھی درخت مقر لہٗ کے ہوں گے۔ البتہ اگر اس نے اس بات کا ثبوت پیش کر دیا کہ اقرار کے وقت اس نے درخت کو مستثنیٰ کر دیا تھا تو درخت کو مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے[1]۔

ج :- اگر مقر لہٗ کے لیے کسی مکان کا اقرار کرے تو اس مکان کی تمام تعمیرات اس اقرار میں داخل ہوں گی (بشرطیکہ اقرار کے وقت اس نے کسی حصے کا استثناء نہ کیا ہو) یا اگر مقر نے مقر لہٗ کے لیے کسی زمین کا اقرار کیا تو اس کے اقرار میں اس زمین پر تعمیر شدہ عمارت بھی داخل ہو گی (بشرطیکہ اس نے اقرار کے وقت) عمارت کا استثنا نہ کیا ہو[2]۔

دفعہ ۱۰۷ : اگر مقر اقرار کے وقت استثنا کرے تو اس کا استثنا معتبر ہو گا۔ مثلاً یہ کہے کہ پختہ تعمیر تو میری ہے۔ البتہ صحن فلاں شخص کا ہے۔ اس صورت میں پختہ تعمیر مقر کی ہو گی اور صحن مقر لہٗ کا[3]۔

الف۔ : اگر مقر مقر لہٗ کے لیے درخت کے پھل کا اقرار کرے تو اس

---

[1] عالمگیری : ۴ : ۱۶۲

[2] ایضاً

[3] ایضاً

اقرار میں درخت داخل نہیں ہوگا۔[1]

ب۔ : اقرار کے وقت مقر جس قسم کا استثناء کرے وہ معتبر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کہے کہ مکان مقرلہٗ کا ہے لیکن اس کا فرنیچر میرا ہے۔ بکس مقرلہٗ کا ہے لیکن اس میں کا سامان میرا ہے تو اس کے استثنا کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔[2]

اقرار کا تکرار

دفعہ ۱۰۸ : اگر ایک شخص ایک مقام پر ایک اقرار کرے۔ پھر دوسرے مقام پر ایک اقرار کرے اور مقرلہٗ ان دونوں اقراروں کو الگ الگ قرار دے کر مقر سے دوگونہ مطالبہ کرے تو اس قسم کے مقدمات پر مختلف پہلوؤں سے غور کرنا چاہیے۔

مثلاً زید نے خالد کے لیے ایک مقام پر ایک سو روپے کا کا اقرار کیا اور اپنے اقرار پر دو گواہ بنائے۔ پھر دوسری جگہ پر اس نے خالد ہی کے لیے ایک سو روپے کا اقرار کیا اور وہاں بھی اس نے دو گواہ بنائے۔ اب خالد کہتا ہے کہ زید نے میرے حق میں دو سو روپے کا اقرار کیا اور زید کہتا ہے کہ میں نے ایک ہی سو روپے کا اقرار دونوں جگہوں پر کیا ہے۔ اس لیے میرے ذمے ایک ہی سو روپے واجب الادا ہیں۔

اس قسم کے مقدمات پر غور کرتے وقت یہ دیکھنا چاہیے کہ مقر نے اپنے اقرار

---

[1] عالمگیری ۴: ۱۶۲ [2] ایضاً ص ۱۶۵

تو سی سبب پر مبنی کیا ہے یا نہیں۔ اگر اس نے سبب پر مبنی کیا ہے مثلاً اپنے اقرار میں کہا ہے کہ میرے ذمے خالد کے ایک سو روپے اس گھڑی کی قیمت کے ہیں جو میں نے اس سے خریدی ہے۔ پھر اگر اس نے اپنے دوسرے اقرار میں بھی اسی گھڑی کی قیمت کی بنا پر اقرار کیا تو اس صورت میں اس پر ایک ہی سو روپے واجب الادا ہوں گے، لیکن اگر سبب مختلف ہوں مثلاً ایک اقرار میں وہ کہے کہ "میرے ذمے خالد کے ایک سو روپے گھڑی کی قیمت کے ہیں" اور دوسرے اقرار میں کہے کہ "میرے ذمے خالد کے ایک سو روپے میز کی قیمت کے ہیں . . . .

. . . . اس صورت میں اس کے ذمے دو سو روپے واجب الادا ہوں گے۔

اور اگر اس نے اپنے اقرار کو کسی سبب پر مبنی نہ کیا ہو، لیکن جو اقرار نامہ لکھا اس کا مضمون واحد تھا تو ایک ہی اقرار نامے کی رقم اس کے ذمہ واجب الادا ہو گی۔ لیکن اگر اس نے دو مختلف اقرار نامے لکھے ہوں تو دونوں کی رقمیں واجب الادا ہوں گی۔ اس صورت میں اقرار نامے کا اختلاف بمنزلہ سبب کے اختلاف کے ہو گا اور اگر اس نے پہلے دو گواہوں کی موجودگی میں کسی نجی مجلس میں اقرار کیا اور پھر قاضی کے سامنے حاضر ہو کر اقرار کیا تو ایک ہی مقر بہ (جس کا اقرار کیا جائے) اس کے ذمے واجب الادا ہو گا۔[1]

---

[1] عالمگیری ص ۱۶۸

دفعہ ۱۰۹ : اگر قتل کا اقرار کرنے والا دو مرتبہ قتل کا اقرار کرے تو جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ اس نے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے ایک ہی قتل کا اقرار مانا جائے گا، خواہ طالب قصاص دو اقراروں کی بنا پر دو قصاصوں یا دیت کا مطالبہ کرے۔[۱]

اقرار مجہول

دفعہ ۱۱۰ : اگر مقر لہٗ مجہول ہو تو مقر پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ مثلاً مقر یہ کہے کہ میرے ذمے ایک شخص کے ایک ہزار روپے ہیں۔[۲]

الف۔ : اگر مقر مشتبہ قسم کا اقرار کرے تو وہ اقرار معتبر نہ ہوگا۔ مثلاً کہے کہ میں نے اُس کی یا اِس کی یہ گھڑی غصب کر لی ہے۔[۳]

ب۔ : اگر مقر علیہ (جس پر اقرار کیا جائے) مجہول ہو تو اقرار درست نہ ہوگا مثلاً مقر کہے کہ "پتہ نہیں میرے اُوپر یا میرے ملازم پر دین ہے۔[۴]

دفعہ ۱۱۱ : جس طرح اقرار بالمعلوم درست ہوتا ہے اسی طرح اقرار بالمجہول بھی درست ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ فلاں شخص کا میرے اُوپر قرض ہے اور قرض کی رقم کا تعین نہ کرے، تو یہ اقرار درست ہوگا۔[۵]

۱۔ عالمگیری: ۴: ۱۶۲

۲۔ ایضاً ص ۱۷۱

۳۔ ایضاً ص ۱۷۲

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

الف۔ : اگر اپنے اقرار میں مقر صرف کثیر کا لفظ استعمال کرے تو اقرار درست ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ زید کے میرے اُوپر بہت سے روپے باقی ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس روپے کا اور صاحبین کے نزدیک دوسو روپے کا اقرار مانا جائے گا۔[1]

مریض کا اقرار

اس بیان میں مریض سے مراد وہ شخص ہے جو مرض الموت میں گرفتار ہو۔

دفعہ ۱۱۲ : فقہ میں مرض الموت اسے کہتے ہیں جس میں موت کا غالب امکان ہو خواہ مریض صاحب فراش ہو یا نہ ہو۔[1] (مثلاً آجکل کینسر کا مریض)

دفعہ ۱۱۳ : اگر مریض کسی اجنبی کے دین کا اقرار کرے تو اس کا اقرار نافذ ہوگا۔ خواہ اس کے دین میں اس کا سارا مال ہی کیوں نہ غرق ہو رہا ہو۔[2]

الف : اگر مریض اپنے کسی وارث کے لیے کسی مقربہ کا اقرار کرے تو وہ اقرار اس وقت تک نافذ العمل نہ ہوگا جب تک دیگر ورثا اس کی تصدیق یا تائید نہ کر دیں۔[3]

---

[1] عالمگیری : ۴ : ۱۶۲

[2] درمختار : ۲ : ۱۳۶

[3] ایضاً

ب - : اگر مریض کسی وارث کے لیے ودیعت مستھلکہ کا اقرار کرے تو وہ اقرار نافذ ہوگا۔ ودیعت مستھلکہ کے اقرار کی صورت یہ ہے کہ مقر اپنے بیان میں کہے کہ "میرے پاس اس وارث کی ایک امانت تھی جس کی قیمت پانچ ہزار تھی اور وہ ضائع ہوگئی۔ اس لیے میں اس کے پانچ ہزار روپے کا مقروض ہوں"[1]۔

ج - : اگر مریض کسی ایسے شخص کے لیے اقرار کرے جو بوقت اقرار مریض کا وارث نہیں تھا لیکن ایک سبب قائم بوقت اقرار کی بنا پر وہ وارث بن گیا تو اقرار درست اور نافذ نہیں ہوگا[2]۔

مثلاً زید مرض الموت میں گرفتار تھا۔ اس کا ایک بھائی خالد نامی تھا اور ایک لڑکا حمید نامی زید نے اپنے بھائی کے لیے اقرار کیا کہ میرے ترکے میں سے اسے پانچ ہزار دیے جائیں۔ اقرار کے وقت وراثت کا ایک سبب قائم تو ضرور موجود تھا کہ خالد زید کا بھائی تھا لیکن حمید کی وجہ سے خالد مستحق وراثت نہیں تھا۔ اتفاق سے زید کے مذکورہ بالا اقرار کے بعد زید کا اکلوتا بیٹا حمید وفات پا گیا۔ اور خالد زید کا وارث ہوگیا۔ اس کے بعد زید کی وفات ہوگئی تو اب خالد کے حق میں زید کا اقرار نافذ نہیں ہوگا۔

د - : اگر مریض کسی ایسے اجنبی کے حق میں اقرار کرے جو بوقت اقرار کسی

---

[1] در مختار : ۲ : ۱۳۷

[2] عالمگیری : ۴ : ۱۷۶

سبب قائم کی بنا پر مریض کا وارث نہ ہو لیکن بعد اقرار کسی سبب حادث کے باعث وارث بن جائے اور مریض وفات پا جائے تو اقرار نافذ ہوگا

مثلاً

زید نے اپنے مرض الموت میں ہندہ کے حق میں پانچ ہزار کا اقرار کیا۔ ہندہ بوقت اقرار اجنبیہ تھی۔ اس کے بعد زید نے ہندہ سے نکاح کر لیا اور نکاح کے کچھ دنوں کے بعد زید وفات پا گیا۔ اب ہندہ ایک سبب حادث (نکاح) کی وجہ سے زید کی وارث بن چکی ہے۔ اس کے باوجود زید کا ہندہ کے حق میں پانچ ہزار کا سابق اقرار نافذ العمل ہوگا۔[1]

۵ - : اگر مریض پر دو دین ہوں ایک زمانۂ صحت کا دین اور دوسرا زمانۂ مرض کا دین جس کا مریض نے اقرار کیا ہو اور اس کے بعد مر جائے تو ادائیگی کے موقع پر زمانۂ صحت کے دین کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کی ادائیگی کے بعد جو رقم بچ رہے گی اس سے زمانۂ مرض کا وہ دین ادا کیا جائے گا۔ جس کا مریض نے اپنی حیات میں اقرار کیا تھا، بشرطیکہ قرض خواہ شہادتوں کے ذریعہ اس کا ثبوت پیش کر دیں۔[2]

۶ - : زمانۂ صحت کا دین ادائیگی کے اعتبار سے ودیعت پر مقدم

---

[1] عالمگیری: ۴: ۱۷۶

[2] ایضاً ص ۱۷۷

ہوتا ہے۔[1]

مثلاً

مریض نے اپنے زمانۂ صحت میں چند لوگوں سے قرض لیا اور ایک شخص کی امانت پانچ ہزار روپے رکھی۔ اس کے بعد اس کی وفات ہوگئی۔ حالتِ مرض میں مریض نے دونوں مطالبات کا اقرار کیا تھا جب اس کے ترکے سے مطالبات کی ادائیگی شروع ہوگی تو پہلے زمانۂ صحت کے دین ادا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد امانت لوٹائی جائے گی۔

ہزا۔ : اگر مریض کسی حق کی وصول یابی کا حالتِ مرض میں اقرار کرے اور اس پر دین صحت ہو نہ دین مرض تو اس کا اقرار تسلیم کیا جائے گا۔[2]

مثلاً مریض کی بیوی نے اس سے اس شرط پر خلع لیا کہ مریض کا ادا کردہ مہر وہ اسے واپس کردے گی۔ حالتِ مرض میں مریض نے اقرار کیا کہ اس نے اپنی سابقہ بیوی سے مہر کی رقم وصول پالی ہے اور اس مریض پر زمانۂ صحت کا دین ہو نہ زمانۂ مرض کا، تو اس کے اس اقرار کو تسلیم کرلیا جائے گا۔ اور ورثا کو یہ حق نہ ہوگا کہ بعد وفات مریض کی سابقہ بیوی سے مہر کی رقم کا مطالبہ کریں۔

---

[1] عالمگیری ج۴: ۱۷۷

[2] ایضاً ص ۱۸۱

نکاح وطلاق کا اقرار

دفعہ ۱۱۴ : اگر شوہر ایک مرتبہ کسی عورت سے نکاح کرنے کا اقرار کرے اور بیوی اس کی تصدیق کر دے۔ اس کے بعد چاہے صحت کی حالت یا مرض کی حالت میں وہ اس نکاح کا انکار کرے تو شوہر کا انکار معتبر نہیں ہوگا اور عورت شوہر کی موت کے بعد میراث پائے گی اور اگر مہر کا مطالبہ کرے تو مہر کی بھی حقدار ہوگی[1]۔

الف۔ : حالتِ صحت یا مرض میں اگر عورت یہ اقرار کرلے کہ اس نے فلاں مرد سے نکاح کیا تھا۔ اس کے بعد انکار کرے تو اگر بیوی کی حیات میں شوہر نے نکاح کی تصدیق کر دی تھی تو نکاح ثابت ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کی موت کے بعد تصدیق کرے تو نکاح ثابت نہیں ہوگا، نہ اسے اس صورت میں بیوی کی میراث ملے گی[2]۔

ب۔ : اگر اقرار بالنکاح کو شوہر مشیت الٰہی سے مشروط کر دے تو اقرار درست نہ ہوگا اور اگر اس مسئلے میں زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو شوہر ہی کا قول معتبر ہوگا۔

مثلاً

شوہر اقرار کرے کہ میں نے ہندہ سے نکاح کیا تھا، لیکن نکاح کے

---

[1] عالمگیری : ۴ : ۲۰۶

[2] ایضاً ص ۲۰۷

ایجاب کے وقت میں نے انشاء اللہ کہہ دیا تھا اور عورت کہے کہ اس نے نکاح کے ایجاب کے وقت انشاء اللہ نہیں کہا تھا تو شوہر کا قول معتبر مانا جائے گا اور اقرار بالنکاح کو درست تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح

اگر عورت کہے کہ میں نے نکاح قبول کرتے وقت انشاء اللہ کہہ دیا تھا اور شوہر انکار کرے تو قول عورت کا معتبر ہوگا۔

ج۔ : نکاح و طلاق کے بارے میں اگر شوہر اپنی بیوی کو سوالیہ انداز میں مخاطب کرے اور بیوی اثبات میں جواب دے دے تو اس کا یہ جواب اقرار مانا جائے گا۔[1]

مثلاً

شوہر نے بیوی سے کہا کہ کیا میں نے کل تم سے نکاح نہیں کیا ہے؟" اور عورت کہہ دے کہ "ہاں"۔ تو عورت کا یہ جواب اقرار بالنکاح کے حکم میں ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت کو مخاطب کر کے شوہر یہ کہے کہ "کیا میں نے کل تمہیں طلاق نہیں دے دی ہے؟" اور عورت کہے کہ "ہاں" تو یہ اقرار بالطلاق کے حکم میں ہوگا۔

د۔ : اگر عورت دورانِ گفتگو شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو یہ بمعنیٔ دیگر اس کی جانب سے اقرار بالنکاح ہوگا، کیونکہ طلاق کا مطالبہ

---

[1] عالمگیری: ۲: ۲۰۷

تو اسی سے کیا جا سکتا ہے جس سے نکاح تسلیم کیا گیا ہو۔[1]

ھ ۔ : اگر کسی عورت کی گود میں بچّہ ہو اور مرد اسے مخاطب کر کے کہے کہ یہ تیرے بطن سے میرا بیٹا ہے۔" اور عورت جواب میں "ہاں" کہے تو بالواسطہ عورت کی جانب سے یہ اقرار بالنکاح ہو گا۔[2] (بشرطیکہ وہ بچّہ ولد الزنا نہ ہو)

و ۔ : اگر شوہر اقرار بالطلاق کو کسی مدّت کے ساتھ موقت کرے اور اس کی مقرر کردہ مدّت کے بعد نکاح ثابت ہو جائے تو طلاق واقع نہیں ہو گی لیکن اگر اس مدّت سے قبل نکاح ثابت ہو جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

مثلاً شوہر اقرار کرے کہ وہ اپنی بیوی کو تین ماہ ہوئے طلاق دے چکا ہے درآں حالیکہ ابھی اس کا نکاح ہوئے صرف ایک ماہ گزرا ہے تو یہ اقرار باطل ہو گا اور طلاق واقع نہیں ہو گی۔

لیکن اگر وہ اقرار کرے کہ وہ اپنی بیوی کو تین ماہ ہوئے طلاق دے چکا ہے اور اس کا نکاح ہوئے چار ماہ گزر چکے ہیں تو طلاق واقع ہو جائے گی۔[3]

---

[1] عالمگیری: ۴: ۲۰۷

[2] ایضاً ۔

[3] ایضاً

چوبیسویں فصل

رجوع عن الاقرار

دفعہ ۱۱۵ : اقرار دو چیزوں سے باطل ہو جاتا ہے :۔

(الف) ایک تو اس صورت میں جبکہ حقوق العباد سے متعلق کسی معاملے میں مقرلہٗ (جس کے حق میں اقرار کیا جائے) مقر کی تکذیب کر دے۔

(ب) دُوسرے اس صورت میں جبکہ مقر اپنے اقرار سے رجوع کر لے۔

دفعہ ۱۱۶ : رجوع عن الاقرار کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) خالص حقوق اللہ مثلاً حد زنا کے مقدمے میں رجوع عن الاقرار۔

(ب) حقوق العباد کے معاملات میں رجوع عن الاقرار۔

دفعہ ۱۱۷ : قضائے قاضی سے پہلے یا قضائے قاضی کے بعد تجلید (کوڑے مارنے) کی تکمیل سے پہلے یا دوران تجلید، دوران رجم یا رجم قبل الموت کی صورت میں اگر کوئی شخص اپنے اقرار بالزنا سے رجوع کرے تو اقرار نافذ ہوگا اور نفاذ حد کو فوراً روک دیا جائے گا۔

کیونکہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ماعز اسلمیؓ کو رجم کیا جا رہا تھا اور انہیں ایک پتھر سے سخت چوٹ لگی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن حضرت عبداللہ بن انیس نے انہیں اونٹ کی ایک ہڈی سے ایسا مارا کہ وہ ڈھیر ہو گئے۔ پھر جب حضرت عبداللہ

بن انیس رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بتلایا تو آپ نے فرمایا۔

هلا ترکتموه لعله ان یتوب فیتوب الله علیه [1] — تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ توبہ کرتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر حد کے نفاذ کے دوران مقر قولاً یا عملاً اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو رجوع عن الاقرار تسلیم کیا جائے گا۔

علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع [2] میں لکھا ہے کہ

"اس کی حکمت یہ ہے کہ عملاً یا قولاً رجوع عن الاقرار شک پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ مجرم اپنے انکار میں سچا اور سابق اقرار میں جھوٹا ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ادرؤا الحدود بالشبہات (حدود کو شبہہ پیدا ہوتے ہی دفع کر دیا کرو) اور ایک حدیث میں آپ نے فرمایا ہے ادرؤا الحدود ما استطعتم (جہاں تک ہو سکے حدود کو دفع کیا کرو)

دفعہ ۱۱۸ : اقرار بالشرب اور اقرار بالسرقہ میں بھی رجوع عن الاقرار معتبر ہے البتہ اقرار بالسرقہ سے رجوع قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کے معاملے میں معتبر

---

[1] ابوداؤد شریف : ۴ : ۲۰۵ طبع مصر ۱۹۵۱ء

[2] بدائع الصنائع : ۷ : ۲۳۳

ہوتا ہے حقوق مالیہ میں معتبر نہیں ہوتا۔[1]

مثلاً اگر کسی چور نے گھڑی چرانے کا اقرار کیا تھا۔ پھر نفاذ حد سے پہلے اس نے اپنے اقرار سے رجوع کر لیا تو اگرچہ چوری کی حد اس پر جاری نہیں کی جائے گی، یعنی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ تاہم اس سے گھڑی یا گھڑی غائب ہو جانے کی صورت میں اس کی قیمت وصول کی جائے گی۔

دفعہ ۱۱۹ : حد قذف کے مقدمے میں اگر قاذف اپنے اقرار سے رجوع کرے تو اس کا رجوع معتبر نہیں اس لیے کہ قذف حق العباد سے متعلق ہے۔[2]

الف۔ : قتل کے مقدمات میں رجوع عن الاقرار معتبر نہیں اس لیے کہ یہ خالصتہً حق العباد ہے۔[3]

ب۔ : تمام ایسے حقوق کے مقدمات میں جن کا تعلق حق العباد سے ہو خواہ وہ جانی ہوں یا مالی رجوع عن الاقرار معتبر نہیں۔[4]

---

[1] بدائع الصنائع ۷ : ۲۳۳

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] ایضاً

باب سوم
قتل کی شہادت

پہلی فصل — ادائے شہادت

دفعہ ۱۲۰ : اگر شہادت سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ قاتل کی ضرب شدید ہی کے باعث مقتول وفات پا گیا تو چاہے چند دن یا چند گھنٹوں تک زندہ بھی رہا ہو قتل عمد ہی مانا جائے گا۔

مثلاً گواہ نے گواہی دی کہ قاتل نے مقتول کو ایسی سخت ضرب لگائی کہ اس کے بعد مقتول صاحبِ فراش رہا یہاں تک کہ وفات پا گیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ (یعنی اسے قتل کیا جائے گا بشرطیکہ قاتلانہ ضرب عمداً ثابت ہو جائے[1]

دفعہ ۱۲۱ : جن جرائم کے ارتکاب پر قصاص واجب ہوتا ہے مثلاً قتل عمد۔ ان کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ دو عادل گواہ مرد شہادت دیں۔ ایسے جرائم میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت معتبر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قصاص میں ایک شخص کا خون بہایا جاتا ہے لہذا شریعت نے ہر ممکن احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے[2]

---

[1] ہدایہ : ۴ : ۵۶۵

[2] المغنی : ۱۰ : ۱۴

۱۲۲ : لازم ہے کہ قتل کے مقدمے میں گواہ کا جو اظہار ہو وہ صریح قطعی اور ہر قسم کے شک و شبہے سے بالا ہو ورنہ شہادت رد کر دی جائے گی۔ مثلاً گواہ اپنے بیان میں کہیں کہ "ہم شہادت دیتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو آلہ جارحہ سے مارا اور اسے قتل کر دیا" یا کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو مارا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ ایسی شہادت قبول کی جائے گی لیکن اگر گواہان کہیں کہ "فلاں شخص نے مقتول کو تلوار ماری اس کے بعد ہم نے اسے مُردہ پایا" یا وہ کہیں کہ "فلاں نے فلاں کو تلوار ماری اس کے بعد مقتول مر گیا" یا کہا "فلاں نے فلاں کو تلوار مار کر اس کا خون بہا دیا" یا "فلاں نے فلاں کو تلوار ماری جس سے خون بہنے لگا پھر وہ اسی جگہ مر گیا"۔ تو اس قسم کی شہادت سے قتل نہیں ثابت ہوگا اور قصاص عائد نہیں ہوگا[1] قاضی دوسری سزا تجویز کر سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ تلوار لگنے کے بعد مقتول کسی دوسرے سبب سے مرا ہو۔

دفعہ ۱۲۳ : اگر حملہ آور ایک سے زیادہ ہوں اور سب نے مل کر مجروح پر حملہ کیا یا ضربات پہنچائیں تو فردِ جرم کسی ایک شخص پر اس وقت تک عائد نہیں کی جائے گی جب تک اس کی قطعی اور حتمی شہادت نہ مل جائے۔[2]

۱۔ المغنی : ۱۰ : ۶۲

۲۔ ایضاً

مثلاً کوئی شخص عدالت مجازہ میں یہ شہادت دے کہ "میں نے دیکھا کہ بہت سے آدمی مل کر زید کو مار رہے ہیں پھر ان میں سے ایک آدمی نے زید کا ہاتھ کاٹ دیا لیکن وہ اپنے بیان میں یہ نہ بتلائے کہ کس آدمی نے مضروب کا ہاتھ کاٹا تو ہاتھ کاٹنے کا جرم اس جماعت پر عائد نہیں کیا جا سکتا البتہ ضربات پہنچانے کا جرم اس جماعت پر عائد ہو گا۔

قاضی شریح کی عدالت میں ایک مقدمۂ قتل کے سلسلے میں ایک گواہ نے بیان کیا "میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے اپنی کہنی مقتول کے جسم پر ٹکائی اور وہ مر گیا"۔ قاضی شریح نے دریافت کیا کہ "کیا وہ مقتول اس کے کہنی ٹکانے کی وجہ سے مر گیا؟" گواہ نے دوبارہ وہی جملہ دہرایا جو اس نے پہلے کہا تھا تو قاضی نے گواہ سے کہا "تم جاؤ۔ تمہاری شہادت قبول نہیں کی جائے گی" اس لیے کہ گواہ نے قطعیت کے ساتھ فریضۂ شہادت کو ادا نہیں کیا تھا اور واضح طور پر یہ نہیں بتلایا کہ مقتول کی موت کہنی ٹکانے کی وجہ سے واقع ہوئی[۱]

دفعہ ۱۲۴ : اگر دو گواہ کسی آدمی کے بارے میں یہ گواہی دے دیں کہ اس نے عمداً کسی شخص کو قتل کیا ہے تو محض اس اظہار کی بنا پر

---

[۱] التشریع الجنائی : ۲ : ۳۲۱

ملزم کو گرفتار کر کے جیل میں رکھا جا سکتا ہے اس کے بعد گواہان کا تفصیلی بیان لیا جائے گا اور فردِ جرم عائد کی جائے گی یا انہیں رہا کر دیا جائے گا[1] تاہم موجودہ دور کی طرح عرصۂ دراز تک ملزم کو حوالات میں رکھنا درست نہیں بلکہ قاضی کا فرض ہے کہ جلد از جلد مقدمے کی سماعت کر کے فیصلہ صادر کر دے کیونکہ از روئے شرع انصاف میں تاخیر بذاتِ خود بے انصافی وظلم ہے۔

الف : اگر ایک عادل گواہ بھی کسی شخص کے بارے میں یہ شہادت دے دے کہ اس نے فلاں شخص کو عمداً قتل کیا ہے تو حاکم ملزم کو قید میں رکھنے کا مجاز ہوگا بعد میں اگر دوسرا گواہ ملے تو حاکم سزا دے ورنہ رہا کر دے گا۔[2]

ب ۔ : قتل عمداً یا شبہ عمد میں اگر ایک عادل گواہ ہو اور دوسرا مجنیٰ علیہ (جس پر حملہ کیا گیا) کا بیان ہو تو اس شہادت کو مکمل نہیں مانا جائے گا اس لیے کہ مجنیٰ علیہ کی حیثیت مقدمات قتل میں مدعی کی ہوتی ہے اور مدعی شاہد کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔[3]

ج ۔ : بوقت ضرورت شدیدہ عام فقہاء ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت بھی بعض مقدمات میں قبول کرنے کو جائز قرار

---

[1] المبسوط : ۲۶ : ۱۰۵

[2] ایضاً ص ۱۰۶

[3] التشریع الجنائی : ۲ : ۳۱۶

دیتے ہیں کیونکہ اس سے نفس جرم تو بہرحال ثابت ہو جاتا ہے مثلاً وہ جرائم جن کا ارتکاب طلبہ، سکولوں اور کالجوں میں کرتے ہیں۔ ان کی بابت ان کے استاد کی شہادت قبول کی جائے گی یا کسی طبیب کی شہادت ضرب شدید کے بارے میں یا دایہ اور لیڈی ڈاکٹر کی شہادت ان زخموں کے بارے میں جو کسی عورت کے رحم میں بذریعہ جنابت (زخمی کرنا) پیدا کیے جاتے ہیں[1]۔

د - : اگر دو مستور الحال گواہ گواہی دیں کہ فلاں شخص نے فلاں کو قتل کیا ہے تو حاکم کو چاہیے کہ گواہوں کو روک لے اور ان کے حالات کی تفتیش کرے اور اگر ان کی عدالت و ثقاہت ظاہر ہو جائے تو ان کی شہادت کی بنیاد پر مقدمے کا فیصلہ کرے[2]۔

ہ - : قتل خطا میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی بھی قبول کی جائے گی[3]۔

دفعہ ۱۲۵ : اگر بیان شہادت میں کیفیت قتل بیان کرتے وقت گواہ ضروری تفصیلات نہ بیان کر سکیں تو شہادت رد کر دی جائے گی مثلاً دو گواہوں نے دو آدمیوں کے بارے میں شہادت دیتے ہوئے

---

[1] التشریع الجنائی : ۲ : ۳۲۱

[2] فتاویٰ قاضی خان علی ہامشہ عالمگیریہ : ۳ : ۴۵۱

[3] المبسوط : ۲۶ : ۱۰۵

کہا کہ ان دونوں میں سے ایک نے مقتول کو تلوار ماری اور دوسرے نے اس کو لاٹھی ماری جس سے مقتول ہلاک ہوگیا۔ اس سوال پر کہ کس نے تلوار ماری اور کس نے لاٹھی ماری؟ گواہوں نے کہا کہ "ہم نہیں جانتے"، تو شہادت رد کر دی جائے گی[۱]

الف۔ اگر شہادت سے قطعاً وحتماً قتل ثابت ہو جائے لیکن گواہ آلہ قتل کی تفصیل نہ بتا سکے تو قصاص نہیں لیا جائے گا البتہ ملزم سے دیت وصول کی جائے گی۔ مثلاً دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے اور جب حاکم ان سے دریافت کرے کہ قاتل نے کس ہتھیار سے مقتول کو قتل کیا اور وہ جواب دیں کہ ہم نہیں جانتے کہ قتل اس نے کس ہتھیار سے کیا البتہ اس بات کی ہم حتمی شہادت دیتے ہیں کہ قاتل ہی نے اسے قتل کیا ہے تو اس صورت میں اگرچہ قصاص نہیں لیا جائے گا تاہم ملزم سے خون بہا وصول کیا جائے گا[۲]

ب۔ : زخمی کرنے کی شہادت میں بھی صراحت ضروری ہے ورنہ شہادت رد کر دی جائے گی۔ مثلاً اگر گواہ کہیں کہ فلاں نے فلاں شخص

---

[۱] المبسوط : ۲۶ : ۱۷۰

[۲] الطحطاوی : حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار : ۴ : ۲۷۷ طبع مصر ۱۲۶۸ھ

وحاشیہ رد المحتار : ۵ : ۳۷۸

کو اتنا مارا کہ وہ زخمی ہو گیا یا اس کے مارنے کے بعد ہم نے مضروب کو زخمی پایا یا کہا کہ فلاں نے فلاں کو اتنا مارا کہ وہ شدید زخمی ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں شہادت قبول کی جائے گی لیکن اگر گواہان کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کو مار کر اس کا سر پھوڑ دیا یا کہیں کہ فلاں نے فلاں کو مارا اور اس کے بعد ہم نے مضروب کے سر کو زخمی دیکھا تو اس بیان سے زخمی کرنا ثابت نہ ہو گا کیونکہ ممکن ہے کہ ملزم کے مارنے کے بعد مضروب کسی اور وجہ سے زخمی ہو گیا یا مقدمہ بنانے کے لیے اس نے اپنے ہاتھ سے خود کو زخمی کر لیا ہو[1] ۔ اس طرح کے واقعات روزانہ ہمارے شہروں اور دیہاتوں میں ہوتے ہیں ۔

ج ۔ : ضرب کی شہادت میں مجنیٰ علیہ کے حصۂ جسم کی تعیین ضروری ہے البتہ زخم کی تفصیلات بتلانا ضروری نہیں تاہم اگر گواہ زخم کی تفصیل بھی بتلا دیں تو شہادت مزید قوی ہو جائے گی ۔ مثلاً جس وقت گواہ زخمی کرنے اور زخمی ہونے کے بارے میں شہادت دے رہے ہوں تو انہیں یہ بھی بتلانا چاہیے کہ جانی (حملہ آور) نے مجنیٰ علیہ (جس پر حملہ ہوا) کے کس حصۂ جسم پر ضرب لگائی اور اگر سر پہ لگائی جس سے کہ سر پھٹ گیا تو اندازاً اس ضرب سے سر کا کتنا حصہ کھلا

---

[1] المغنی : ۱۰ : ۴۳

ہوگا اس طرح شہادت دینے سے شہادت مضبوط ہو جاتی ہے تاہم اگر گواہ زخم کی گہرائی طول و عرض کی بابت صحیح صحیح بات بتلانے سے معذوری ظاہر کرے اور کہے کہ "مَیں یہ نہیں بتا سکتا کہ زخم کتنے انچ چوڑا کتنا لمبا اور کتنا گہرا تھا تو اس کا عذر مسموع ہوگا اور شہادت قبول کی جائے گی لیکن اگر گواہ کہے کہ جانی نے مجنیٰ علیہ کو مارا اور اس کا خون بہنے لگا تو شہادت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ممکن ہے کہ خون کسی دوسری وجہ سے بہنے لگا ہو[1]

د۔ ضرب شدید کے مقدمات کی شہادت کی سماعت کے وقت ضروری ہے کہ حاکم زخم اور دیت کی نوعیت کو ملحوظ رکھے۔

مثلاً

کسی گواہ نے کسی شخص کے خلاف گواہی دیتے ہوئے یہ بیان کیا کہ اس نے زید کو سخت زخمی کر دیا ہے تو اگر گواہ نے ایسے زخم کی بابت شہادت دی جس کی دیت عاقلہ[2] پر عائد ہوتی ہو اور ملزم کے عاقلہ کے بعض افراد گواہ پر جرح کریں اور اسے عیب لگائیں تو ان کا عیب لگانا تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ گواہ پر عیب لگا کر اپنا دفاع کرنا چاہتے ہوں لیکن اگر زخم کی نوعیت

---

[1] المغنی : ۱۰/۲۴۱ [2] اس کی تفصیل ضمیمہ ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایسی ہو کہ عاقلہ پر اس کی دیت واجب نہ ہوتی ہو تو اس صورت میں گواہ مذکور پر وہ لوگ جو جرح کریں یا عیب لگائیں حاکم کو اس کی سماعت کرنی ہوگی اور اس کا فرض ہوگا کہ حقیقتِ حال معلوم کرنے کے بعد فیصلہ صادر کرے[۱]

۸ - : اگر گواہ مجنیٰ علیہ کے کسی عضو کے کاٹے جانے کی شہادت دیں اور صورتِ حال یہ ہو کہ ضرب سے قبل مجنیٰ علیہ کے جسم میں وہ عضو تھا اور ضرب کے بعد وہ عضو مقطوع نظر آئے تو شہادت قبول کی جاتے گی۔

مثلاً گواہ یہ بیان دیں کہ "ہم شہادت دیتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کو ضربات پہنچائیں اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور صورت یہ ہو کہ اس واقعہ سے پہلے اس کا ہاتھ کٹا ہوا نہیں تھا اور اس کے بعد وہ مقطوع الید ہو چکا ہے تو شہادت کو قبول کر لیا جائے گا[۲]

۹ - : قتل کے مقدمات کی شہادت میں آلہ قتل کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اسی سے قاتل کی نیت وارادے کا پتہ چلتا ہے اور فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ واقعہ قتل قتل عمد ہے یا شبہ عمد۔ مثلاً اگر قاتل نے مقتول کو کسی ایسے آلے سے قتل کر دیا جو عموماً قتل کے

---

[۱] المغنی : ۱۰ : ۴۳

[۲] ایضاً

لیے استعمال ہوتا ہے (مثلاً "تلوار، بندوق یا ریوالور وغیرہ) اور گواہوں نے اس بات کی شہادت بھی دی تو شرح کافی میں ہے کہ حاکم کو گواہوں سے یہ دریافت کرنے کی ضرورت بھی نہیں کہ آیا مقتول مذکورہ آلات سے مرا یا نہیں؟ اسی طرح اگر گواہوں نے اپنی شہادت میں کہا کہ" قاتل نے مقتول کو تلوار سے مارا یہاں تک کہ وہ مرگیا تو قتل کے بارے میں ان کی شہادت قبول کی جائے گی اور اس قتل کو قتل عمد مانا جائے گا چاہے گواہوں نے "عمداً" کا لفظ استعمال کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ کیونکہ ارادے کا تعلق قلب سے ہوتا ہے اور یہ ایک پوشیدہ چیز ہے جس پر کسی دوسرے شخص کو واقفیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ نیت اور ارادے کا پتہ تو ظاہری دلائل ہی سے چلایا جاسکتا ہے اور وہ موجود ہے یعنی یہ کہ قاتل نے ایک ایسا آلہ استعمال کیا جو عموماً قتل کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ البتہ اگر گواہ اپنی شہادت میں یہ کہیں کہ قاتل نے عمداً مقتول کو قتل کیا تو پھر بہت ہی مناسب ہے۔ اسی بنا پر رملی نے کہا ہے کہ آلۂ قتل سے قتل کرنے کے بعد اگر کوئی قاتل یہ کہے کہ "میں نے غلطی سے قتل کر دیا قتل کرنے کا میرا ارادہ نہ تھا" تو اس کا یہ قول تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ بغیر ارادۂ قتل کے کوئی شخص آلۂ قتل (از قسم تلوار۔ بندوق۔ ریوالور) استعمال ہی نہیں کرتا[1]

---

[1] ردالمحتار : ۵ : ۳۷۷ : طبع مصر

ز - : اگر گرفتار ہونے کے بعد ملزم قتل عمد سے انکار کرے دراں حالیکہ گواہ اس کی شہادت نہیں اور ملزم کہے کہ "میں مقتول کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ میرا ارادہ کسی دوسرے شخص کو قتل کرنے کا تھا اتفاقاً مقتول سامنے آگیا اور قتل ہو گیا" تو اس کا یہ قول تسلیم نہیں کیا جائے گا اور قاتل سے قصاص لیا جائے گا[1]

ح - : اگر گواہ اپنے بیان میں واضح اور صریح طور پر یہ کہیں کہ ملزم نے نیزہ مارا (یا فائر کیا) اور مقتول قتل ہو گیا تو شہادت کو تسلیم کر کے ملزم پر قتل عمد کی فردِ جرم عاید کی جائے گی[2]

ط : اگر مجروح کے اصل (والدین) یا فرع (مولودین) کے علاوہ دوسرے ورثاء میں سے دو آدمیوں نے مجروح کے زخمی ہونے کی شہادت دی تو ایسی صورت میں زخم کی نوعیت کے مطابق شہادت کو رد و قبول کیا جائے گا۔ مثلاً یہ دیکھا جائے گا کہ زخم کس قسم کا ہے مندمل ہونے والا ہے یا مندمل ہونے والا نہیں ہے۔ پہلی صورت میں ورثاء کی شہادت قبول کی جائے گی اور دوسری صورت میں قبول نہیں کی جائے گی[3]

---

[1] حاشیہ رد المحتار: ۳: ۳۷۷

[2] المبسوط: ۲۶: ۱۶۸

[3] المغنی: ۱۰: ۴۵

دفعہ ۱۲۶: اگر مقدمہ قتل میں کوئی گونگا شخص لکھ کر شہادت دے یا اشارہ معروفہ کے ساتھ شہادت دے تو شہادت قبول کی جائے گی لیکن حدود کے مقدمات میں قبول نہیں ہوگی[1]

دفعہ ۱۲۷: ورثا مقتول کو اختیار ہے کہ شہادت سے جب کوئی مقدمہ قتل عمد کا ثابت ہو جائے تو قصاص کے وقت وہی طریقہ اختیار کریں جو حسب شہادت قاتل نے مقتول کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ مثلاً اگر دو گواہوں نے اپنے بیان شہادت میں کہا کہ قاتل نے پہلے مقتول کا ہاتھ کلائی کے جوڑ سے عمداً کاٹا پھر اس کے بعد قتل کر دیا تو ورثاء کو اختیار ہوگا کہ قصاص لیتے وقت وہ بھی پہلے قاتل کا ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹیں پھر اسے قصاص میں قتل کریں لیکن اگر قاضی صرف یہ فیصلہ کر دے کہ ورثاء قصاص میں صرف قاتل کو قتل کر دیں کلائی کے جوڑ پر سے ہاتھ کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے تو بہتر ہے[2] (یہ باتیں اس زمانے کی ہیں جب کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جاتا تھا اس وقت پھانسی دی جاتی ہے اور یہ عمل حکومت کی نگرانی میں وقوع پذیر ہوتا ہے لہذا قاضی کو صرف پھانسی کا حکم دینا چاہیے مذکورہ بالا تفصیلات پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے)

---

[1] اتحاف الابصار : ۴۹۶

[2] المبسوط : ۲۶ : ۱۶۹

دفعہ ۱۲۸: اگر ایک جماعت مل کر کسی ایک شخص کو قتل کر دے اور شہادتوں سے یہ بات ثابت ہو جائے تو ایک شخص کے قصاص میں پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا[1] یہی مسلک امام مالک کا بھی ہے[2]

دفعہ ۱۲۹: اگر ملزم نے ناقابلِ انکار ثبوت سے یہ ثابت کر دیا کہ جس دن اور جس وقت قتل کا واقعہ پیش آیا وہ جائے وقوع سے اتنی دُور مقیم تھا کہ وہاں سے آکر قتل کرنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا تو شہادتیں رد کر دی جائیں گی اور ملزم کو بری کر دیا جائے گا[3]

دفعہ ۱۳۰: اگر مقتول کے دو ولی ہوں ایک ولی حاضر اور دوسرا غائب ہو اور ولی حاضر قاتل کے خلاف شہادت پیش کر دے تو قاتل کو فوراً قید میں ڈال دیا جائے گا لیکن جب تک دوسرا ولی حاضر ہو کر قصاص کا مطالبہ نہ کرے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

مثلاً کسی شخص کے دو بیٹے تھے۔ شخص مذکور کو کسی نے قتل کر دیا ایک بیٹا موجود تھا اور دوسرا کہیں باہر تھا۔ موجود بیٹے نے شہادتیں پیش کر دیں کہ فلاں شخص نے میرے باپ کو قتل کر دیا ہے تو جب تک دوسرا بیٹا حاضر نہ ہو جائے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے

---

[1] ہدایہ ۴: ۵۵۶ وعالمگیری ۶: ۵

[2] حوالہ دیکھئے المدونہ ۶: ۴۲۰ طبع بیروت

[3] المغنی ۱۰: ۱۷

گا البتہ جوں ہی حاضر بیٹا عدالت میں قاتل کے خلاف شہادت پیش کرے گا ملزم کو قید میں ڈال دیا جائے گا۔[1]

الف۔: اگر مقتول کے تین اولیاء میں سے دو ولی یہ شہادت دیں کہ تیسرے ولی نے قاتل کو معاف کر دیا ہے تو مقدمے کا فیصلہ قاتل کی تصدیق کی بنا پر ہوگا۔

مثلاً مقتول کے تین اولیاء تھے۔ دو نے اس بات کی شہادت دی کہ تیسرے ولی نے قاتل کو معاف کر دیا ہے تو قاتل سے دریافت کیا جائے گا۔ اگر قاتل ان دونوں اولیاء کی تصدیق کر دے تو اس سے دیت وصول کر کے اسے برابر برابر تینوں اولیاء کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا اور اگر قاتل ان دونوں اولیاء کی تصدیق نہ کرے تو ان دونوں اولیاء کو دیت سے کوئی حصہ نہ ملے گا البتہ تیسرے ولی کو جس کے بارے میں ان دونوں اولیاء نے شہادت دی تھی دیت کا ایک تہائی حصہ ملے گا۔[2]

ب۔: اگر کوئی مدعی یہ کہے کہ قتل خطاء کے گواہ اسی شہر میں ہیں تو قاضی کو چاہیے کہ مدعی علیہ سے یہ کہے کہ تین دنوں کے لیے اپنا ضامن عدالت

---

[1] العینی بدر الدین محمود بن احمد: رمز الحقائق : ۴ : ۱۵۵ طبع نولکشور

[2] ایضاً ص ۱۵۶

بین پیش کرو۔ اس عرصے میں مدعی اپنے گواہوں کو حاضر عدالت کر دیگا[1]

(موجودہ دور میں چونکہ ملزمین عموماً با اثر ہوتے ہیں اور اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ گواہوں کو ڈرا دھمکا کر گواہی سے روک دیں گے اس لیے ان کو ضمانت نہیں دینی چاہیے البتہ قاضی کو چاہیے کہ مدعی کو جلد از جلد گواہ پیش کرنے کی تاکید کرے تاکہ ملزمین حوالاتوں میں اس طرح سڑتے نہ رہیں جس طرح آج کل پڑے سڑ رہے ہوتے ہیں)

ج۔ : اگر اولیاء مقتول دو ہوں اور ایک ولی غائب ہو تو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے قصاص دوسرے ولی کی آمد تک ملتوی رہے گا لیکن دوسرے ولی (غائب) کی حاضری کے بعد مقدمے کی کارروائی از سر نو شروع نہیں کی جائے گی بلکہ دوسرے ولی سے یہی دریافت کیا جائے گا کہ وہ قصاص پر راضی ہے یا نہیں۔

یہ مسلک صاحبین کا ہے (اور ہمارے زمانے کے یہی مطابق ہے)

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ کارروائی دوبارہ شروع کی جائے گی[2]

د۔ : اگر قتل خطاء ہو تو بالاتفاق کارروائی کا اعادہ نہ ہوگا[3]

ہ۔ : اگر قتل کے دو ملزم ہوں ایک ملزم حاضر اور دوسرا فرار ہو اور گواہوں سے قتل ثابت ہو جائے اور مقتول کے ورثاء طالب قصاص ہوں تو حاضر

---

[1] عالمگیری : ۶ : ۱۵

[2] ایضاً ص ۱۶ [3] ایضاً

قاتل سے قصاص لے لیا جائے گا اور دوسرا ملزم جب گرفتار ہو کر آئے اور گواہوں کے بیانات کی تردید کرے تو اس وقت دوبارہ شہادتیں لی جائیں گی ورنہ سابق فیصلہ دوسرے ملزم پر نافذ کر دیا جائے گا۔[1]

ع۔ : اگر گواہان بالصراحت یہ کہیں کہ قاتل نے مقتول کو "خطاءً" قتل کیا ہے تو دیت[2] کا فیصلہ کیا جائے گا۔[3]

س۔ : اگر گواہان یہ کہیں کہ قاتل نے عمداً یا خطاءً قتل کیا یہ بات ہم نہیں جانتے تو دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور شہادت کو قبول کر لیا جائے گا۔[4]

ح۔ : آج کل لاپرواہی سے ڈرائیونگ کرنے کی وجہ سے روزانہ ایکسیڈنٹ ہوتے اور سینکڑوں بے قصور آدمیوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ اس کو اگرچہ قتل خطا ہی تسلیم کیا جائے گا تاہم شہادت اگر مل جائے تو اس کی دیت "دیت مغلظہ" مقرر کرنی چاہیے۔ اور اس کی مقدار فی الوقت "ایک لاکھ" روپے سے کم نہیں ہونی چاہیے۔

دفعہ ۱۳۱ : اگر دو گواہ دو ملزموں کے بارے میں قتل کی شہادت مع اختلاف آلۂ قتل دیں مگر یہ تعین نہ کر سکیں کہ کس ملزم نے کونسا آلہ استعمال کیا تو

---

[1] عالمگیری ۶ : ۱۶

[2] دیت کا تعین حکومتِ وقت اپنے یہاں کے مستند علماء سے مشورہ کر کے کرے گی۔

[3] ایضاً

[4] ایضاً

شہادت رد کر دی جائے گی۔

مثلاً دو گواہ یہ کہیں کہ زید اور خالد نے مل کر حمید کو تلوار اور لاٹھی سے قتل کیا مگر یہ نہ بتا سکیں کہ تلوار کس ملزم نے استعمال کی اور لاٹھی کس نے ؟ تو شہادت رد کر دی جائے گی[1]

دفعہ ۱۳۲ : اگر ملزم نے دو جنایتوں کا ارتکاب کیا ہو ایک کا خطاءً اور دوسری کا عمداً تو دونوں جرائم میں وہ ماخوذ ہوگا۔ اگر شہادت سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ پہلی جنایت اس نے خطاءً کی۔ مثلاً اس نے مقتول کا ہاتھ پہلے قلم کیا اس کے بعد عمداً اس کو قتل کر دیا تو پہلی جنایت کے بدلے اس کے عاقلہ پر ہاتھ کی دیت عاید ہوگی اور دوسری کے بدلے اسے قتل کیا جائے گا[2]

---

[1] عالمگیری ۶ : ۱۶

[2] ایضاً ص ۱۷

دوسری فصل

اختلاف فی الشہادۃ

دفعہ ۱۳۳ : اگر دو گواہ آلہ قتل یا مقامِ قتل یا وقتِ قتل یا موضع جراحت میں اختلاف کریں تو شہادت باطل ہو جائے گی[1] مثلاً ایک گواہ کہے کہ قاتل نے چھری سے ذبح کیا دوسرا کہے کہ تیر سے مارا یا ایک گواہ کہے کہ قاتل نے لاہور میں قتل کیا دوسرا کہے کہ شیخوپورہ میں قتل کیا یا ایک گواہ کہے کہ قاتل نے صبح کے وقت قتل کیا اور دوسرا گواہ کہے کہ شام کے وقت قتل کیا یا ایک گواہ کہے کہ ملزم نے مقتول کا پیٹ چاک کر دیا اور مقتول مرگیا اور دوسرا کہے کہ قاتل نے مقتول پر فائر کیا اور گولی اس کے دل میں لگ گئی اور وہ مرگیا تو ان تمام صورتوں میں شہادت باطل ہو جائے گی۔

الف ۔ : اگر دونوں گواہ اس بات پر تو متفق ہوں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا لیکن جب ان سے دریافت کیا جائے کہ قاتل نے کس آلے سے مقتول کو قتل کیا تو وہ کہہ دیں کہ "یہ ہم نہیں جانتے" تو ایسی صورت میں استحساناً قاتل پر دیت عائد کی جائے گی[2]

---

[1] المبسوط : ۲۶ : ۱۶۸

[2] ہدایہ : ۴ : ۵۶۵

ب۔ : اگر واقعہ قتل ثابت ہو رہا ہو تو شہادتوں کے جزوی اختلاف کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔

مثلاً ایک گواہ نے اپنے بیان میں صاف صاف کہہ دیا کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا اور دوسرا گواہ کہے کہ قاتل نے میرے سامنے یہ اقرار کیا کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے یا اس نے اپنے بیان میں کہا کہ قاتل نے مقتول کو قتل کیا ہے لیکن عمد و خطا کے بارے میں اس نے کچھ نہیں کہا۔ تو اس اختلاف کے باوجود یہ شہادتیں قبول کی جائیں گی کیونکہ ان سے قتل تو بہرحال ثابت ہی ہو جاتا ہے[1]

دفعہ ۱۳۴ : قتل کے مقدمے میں اگر گواہ ایک دوسرے کو مجرم قرار دینے لگیں تو مقتول کے ولی کا قول فیصلہ کن شمار کیا جائے گا مثلاً دو آدمیوں (خالد اور حمید) نے شہادت دی کہ کریم اور جاوید نے مل کر لطیف کو قتل کیا ہے اور کریم و جاوید نے شہادت دی کہ "ہم نے نہیں بلکہ خالد اور حمید نے لطیف کو قتل کیا ہے اور مقتول کے ولی نے خالد اور حمید کی تصدیق کر دی تو کریم و جاوید کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر ولی کریم و جاوید کی تصدیق کر دے تو پھر دونوں شہادتیں باطل ہو جائیں گی۔ اول الذکر اس لیے کہ ولی نے اس کی تکذیب کر دی اور ثانی الذکر اس لیے کہ اب بنائے مخاصمت پیدا ہو گئی[2]

---

[1] البہوتی منصور بن ادریس : کشاف القناع : ۶ : ۱۴۳ طبع ریاض

[2] المغنی : ۱۰

دفعہ ۱۳۵: قتل کے مقدمے میں اگر اولیاء مقتول کے بیانات مختلف ہو جائیں اور ایک ولی دوسرے ولی کو موردِ الزام قرار دے اور دوسرا ولی کسی اجنبی کو قتل کا ملزم بتلائے تو مقدمہ مشتبہ ہو جائے گا اور اجنبی سے دیت وصول کر کے اولیاء مقتول کے درمیان حسب حصص شرعی تقسیم کر دی جائیگی۔ مثلاً ایک شخص قتل ہو گیا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے نے شہادت دی کہ چھوٹے نے باپ کو قتل کیا ہے اور چھوٹے نے گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ ایک اجنبی نے اس کے باپ کو عمداً قتل کیا ہے تو ایسی صورت میں دونوں فریقوں کے پیش کیے ہوئے ثبوت کو تسلیم کر کے اجنبی سے دیت وصول کی جائے گی اور اسے دونوں بیٹوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا (قصاص اس لیے نہیں لیا جائے گا کہ اولیاء مقتول کے بیانات میں اختلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے شہادت مشتبہ ہو گئی یہ مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے) [1]

الف۔ : اگر اولیاء مقتول ایک دوسرے کو قاتل ٹھہرائیں تو اقرب الی المقتول کا قول مرجح ہو گا۔ مثلاً مقتول نے ایک بیٹا اور ایک بھائی چھوڑا ان میں سے ہر ایک نے شہادت پیش کی کہ فریق ثانی نے مقتول کو عمداً قتل کیا ہے یعنی بیٹے نے گواہ پیش کیے کہ میرے چچا نے میرے باپ کو قتل کیا ہے اور مقتول کے بھائی نے اس بات کے گواہ پیش کیے

---

[1] معین الحکام : ۱۰۳

کہ اس کے بھتیجے نے عمداً اس کے بھائی کو قتل کر دیا ہے تو ایسی صورت میں مقتول کے بیٹے کی پیش کردہ شہادت کو دبشرطیکہ وہ دیگر اعتبارات سے مکمل ہو) ترجیح دی جائے گی اور بھائی سے قصاص لیا جائے گا اس لیے کہ بیٹا تو یقیناً اپنے باپ (مقتول) کا وارث ہے [1]

دفعہ ۱۳۶: قاتل کے بارے میں اگر اختلافِ شہادت ہو جائے یا کسی طور شہادت مشتبہ ٹھہر جائے تو شہادت رد کر دی جائے گی۔

مثلاً دو مقتولوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور دو آدمیوں نے شہادت دی کہ "فلاں شخص نے ان دو مقتولوں میں سے کسی ایک کو قتل کیا ہے" یا یہ کہا کہ "اس ایک مقتول کو تو ان دو آدمیوں میں سے کسی ایک نے قتل کیا ہے" یا دو گواہوں میں سے ایک نے شہادت دی کہ اُس شخص نے مقتول کو قتل کیا ہے" اور دوسرے گواہ نے کہا کہ ملزم نے میرے سامنے یہ اقرار کیا ہے کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے" تو ان تمام صورتوں میں شہادت باطل ہو جائے گی اور رد کر دی جائے گی [2]

الف۔ : گواہوں کے بیانات میں اگر اختلاف فاحش ہو جائے لیکن قتل متیقن ہو تو نصف دیت وصول کی جائے گی۔

مثلاً دو گواہوں میں سے ایک گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ دونوں

---

[1] معین الحکام : ۱۰۳

[2] الشرح الکبیر : ۱۰ : ۱۳

شخص نے فلاں شخص کا ہاتھ کلائی کے جوڑ پر سے کاٹ دیا اور دوسرے گواہ نے کہا کہ "اسے شیر نے زخمی کر دیا" یا کہا کہ "دو درندوں نے اسے زخمی کیا" یا کہا کہ "اس نے اپنے ہاتھ سے خود کو زخمی کیا" یا کہا کہ "اس کے نوکر نے اسے زخمی کر دیا" یا کہا کہ "وہ گر پڑا اور اس کا پیر ٹوٹ گیا اس کے بعد وہ مر گیا" تو ایسی صورت میں ملزم سے صرف دیت کا نصف وصول کیا جائے گا اور اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔[1]

ب۔ : اگر مقتول کے تین وارث ہوں اور تینوں ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگائیں تو قصاص کسی پر عائد نہیں ہوگا بلکہ بصورتِ قتل عمد ایک دوسرے پر دیت لازم ہوگی۔

مثلاً مقتول کے تین بیٹے تھے۔

۱ زید ۲ عمرو ۳ عبداللہ

اور عبداللہ نے زید کے خلاف شہادت پیش کر دی کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے۔ اور زید نے عمرو کے خلاف شہادت پیش کی کہ اس نے مقتول (باپ) کو قتل کیا ہے اور عمرو نے شہادت پیش کی کہ عبداللہ نے مقتول کو قتل کیا ہے تو اس صورت میں اگرچہ تمام شہادتیں قبول کی جائیں گی تاہم قصاص کسی پر عائد نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر قتل عمد ثابت ہو جائے۔ تو ہر مدعی کو مدعی علیہ سے ایک

---

[1] المبسوط : ۲ : ۱۷۰

ثلث دیت دلائی جائے گی اور قتل خطاء کی صورت میں ہر مدعی علیہ کے عاقلہ سے مدعی کو دیت کا ایک ثلث دلایا جائے گا اور میراث تینوں ورثاء کے درمیان ایک ایک ثلث کے حساب سے تقسیم کی جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک ہر مدعی کو مدعی علیہ سے نصف دیت دلوائی جائے گی اور میراث ورثاء کے درمیان ایک ایک ثلث کے حساب سے تقسیم کی جائے گی [1]

ج ۔ : اگر مقتول کے لڑکے ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگائیں اور مقتول کا بھائی ان میں سے کسی ایک کی تصدیق کرے تو اس کی تصدیق کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا بلکہ شاہدوں کی شہادت اور دیگر ثبوتوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا۔ مثلاً مقتول زید کے دو بیٹے خالد اور حمید اور ایک بھائی نعیم تھا خالد نے حمید پر + قتل کا الزام لگایا اور گواہ پیش کئے اور حمید نے خالد پر قتل کا الزام لگایا اور گواہ پیش کیے اس صورت میں اگر نعیم خالد یا حمید کی تصدیق کرے تو اس کی تصدیق کی کوئی وقعت نہیں ہوگی بلکہ شہادتوں اور دوسرے ثبوتوں کی بنیاد پر مقدمے کا فیصلہ کیا جائے گا [2]

د ۔ : اگر مقتول کے دو لڑکوں نے ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگایا اور اس کے بعد مقتول کے بھائی نے اپنے دونوں بھتیجوں پر اپنے

---

[1] عالمگیری : ۶ : ۱۸   [2] ایضاً ص ۱۹

بھائی کے قتل کا الزام عائد کر دیا تو اس صورت میں مقتول کے بھائی کی پیش کردہ شہادت کو ترجیح دی جائے گی مقتول کی میراث اسے ملے گی اور قتل عمد کی صورت میں دونوں بھائی قصاص میں قتل کیے جائیں گے جب کہ قتل خطا کی صورت میں ان دونوں بھائیوں کے عاقلہ پر دیت کی ادائیگی واجب ہوگی [1]

دفعہ ۱۳۷: اگر ایک گواہ قتل خطا کی شہادت دے اور دوسرا قتل خطا کے اقرار کی شہادت دے تو دونوں شہادتیں رد کر دی جائیں گی [2]

دفعہ ۱۳۸: اگر اپنے نزعی بیان میں مقتول کسی زخمی کرنے والے کا نام بتائے اور اس کے بعد مر جائے اور بعد میں اولیاء مقتول دوسرے گواہ پیش کریں اور وہ یہ شہادت دیں کہ کسی دوسرے شخص نے مقتول کو قتل کیا ہے تو ان گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

مثلاً زید سخت زخمی ہو گیا اس نے مرتے وقت یہ بیان دیا کہ خالد نے میرے اوپر حملہ کر کے مجھے اتنا زخمی کیا ہے اور زید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا جائے اس کے بعد زید کے اولیاء دوسرے گواہ پیش کریں اور وہ گواہ یہ بیان دیں کہ زید کو خالد نے نہیں بلکہ کلیم نے زخمی کیا تھا اور کلیم ہی کے زخمی کرنے سے زید فوت ہوا ہے تو ان گواہوں کے بیانات کو رد کر دیا جائے گا اور زید کا نزعی بیان قبول کیا جائے گا

---

[1] عالمگیری: ۶: ۱۸

[2] کتاب الاختیار: ۲۳۲

بشرطیکہ وہ نزعی بیان کے معیار پر پورا اترتا ہو[1]

الف۔ : اگر قتل کا مدعی مقتول کا بھائی ہو اور وہ اپنے دعویٰ میں یہ کہے کہ مقتول کا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے لیکن قاتل کہے کہ مقتول کا ایک لڑکا بھی ہے تو قاضی پر واجب ہے کہ قصاص کو موخر کرکے قاتل کے قول کی تحقیقات کرے اس کے بعد مقدمے کا فیصلہ کرے[2]

دفعہ ۱۰۹ : اگر مدعی نے دو شخصوں پر قتل کا دعویٰ کیا اور گواہ پیش کیے لیکن کچھ گواہوں نے ایک شخص پر اور کچھ گواہوں نے دوسرے شخص پر قتل کی شہادت دی تو سب کی شہادت باطل ہو جائے گی[3]

---

[1] کتاب الاختیار : ۲۳۶

[2] ایضاً ص ۲۳۷

[3] ایضاً ص ۲۴۵

تیسری فصل

رجوع عن الشہادۃ

دفعہ ۱۴۰ : اگر دو گواہ قتل کی شہادت دیں اور ان کی شہادت کی بنیاد پر مبینہ قاتل سے قصاص لے لیا جائے اس کے بعد وہ اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو گواہوں سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ ان سے دیت وصول کی جائے گی[1]

الف۔ : اگر گواہ قتل خطاء کی شہادت دیں اور اس سے پھر جائیں تو ان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ ان سے دیت وصول کی جائے گی[2]

ب۔ : اگر مدعی مدعیٰ علیہ پر اپنے ولی کے کسی حصۂ جسم کو خطاءً نقصان پہنچانے اور اس کے باعث ولی کی موت واقع ہونے کا دعویٰ کرے اور شہادت پیش کرے لیکن وہ شہادتیں ناقص ہوں اور مدعیٰ علیہ کو دیت ادا کرنی پڑے اس کے بعد گواہان رجوع کر لیں تو دیت کی واپسی ان پر واجب ہوگی۔ مثلاً مدعی یہ دعویٰ کرے کہ مدعیٰ علیہ نے خطاءً میرے ولی کا ہاتھ کاٹ دیا جس سے وہ ہلاک ہوگیا اس کے بعد اس نے جن دو گواہوں کو پیش کیا

---

[1] الهدایہ : ۳ : ۱۶۰

[2] کتاب الاختیار : ۲۳۹

انہوں نے یہ تو گواہی دی کہ "خطاءً مدعیٰ علیہ نے مدعی کے ولی کے ہاتھ کو کاٹ دیا" لیکن یہ شہادت نہ دی کہ اس ہاتھ کے کاٹنے کی وجہ سے مدعی کے ولی کی موت واقع ہوگئی پھر مدعی نے دوسرے دو گواہ پیش کیے جنہوں نے یہ تو شہادت دے دی کہ ولی کے ہاتھ کٹ جانے کی وجہ سے وہ مرگیا لیکن یہ شہادت نہ دی کہ مدعیٰ علیہ نے اس کا ہاتھ کاٹا تھا اس پر قاضی نے مدعیٰ علیہ کے عاقلہ پر ولی (متوفی) کی دیت عائد کردی۔ دیت کی ادائیگی کے بعد ان گواہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا جنہوں نے ہاتھ کٹنے کی شہادت دی تھی تو ان سے مدعیٰ علیہ پوری دیت (ادا کردہ) وصول کرنے کا مجاز ہوگا پھر اگر ولی کی موت کے گواہ بھی اپنی شہادت سے رجوع کرلیں تو قطع ید (ہاتھ کٹنے) کے گواہ موت کے گواہوں سے یہ مطالبہ کرنے کے مجاز ہوں گے کہ جو دیت رجوع عن الشہادۃ کے بعد ہم نے مدعیٰ علیہ کو ادا کی تھی وہ تم ہمیں واپس کرو (اس لیے کہ تم نے بھی اپنی شہادتِ موت خطاءً سے رجوع کر لیا ہے) یہی حکم اس وقت بھی ہوتا ہے جبکہ

ج ۔ : ایک آدمی کسی آدمی پر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے میرے ہاتھ کی انگلیاں خطاءً اس طرح کاٹ دیں کہ میرا پورا ہاتھ شل ہوگیا اور اس نے دو گواہ پیش کیے جنہوں نے انگلیوں کے کاٹے جانے کی تو شہادت دے دی لیکن اپنے بیان میں یہ نہیں کہا کہ انگلیوں کے کٹ جانے کی وجہ سے مدعی کا ہاتھ شل ہوگیا پھر مدعی نے دو گواہ مزید پیش کیے جنہوں

نے یہ تو شہادت دے دی کہ "مدعی کا ہاتھ شل ہو گیا"، لیکن اپنے بیان میں یہ نہیں کہا کہ "چونکہ مدعیٰ علیہ نے مدعی کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ دی تھیں اس لیے اس کا ہاتھ شل ہو گیا" ان شہادتوں کی بنیاد پر قاضی نے مدعیٰ علیہ کے عاقلہ پر دیت عائد کر دی اور عاقلہ نے اس دیت کو ادا کر دیا اس کے بعد قطع کے گواہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو ان سے ہاتھ کی پوری ارش (تاوان) وصول کی جائے گی لیکن اگر بعد میں "شل ہونے کے گواہ" بھی اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو ہاتھ کی پوری ارش ان سے وصول کی جائے گی البتہ انگلیوں کی ارش قطع کے گواہوں ہی کے ذمے رہے گی [1]

---

[1] عالمگیری : ۳ : ۵۵۵

چوتھی فصل

قتل کا اقرار

دفعہ ۱۴۱: اگر دو قاتل عدالت مجاز میں اقرار کریں کہ "ہم نے مقتول کو قتل کیا ہے" اور مقتول کا ولی ان کی تصدیق بہ ایں طور کرے کہ "تم سب نے مل کر قتل کیا ہے" تو دونوں قاتلوں کو ولی کی اجازت سے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۱۴۲: اگر مقر عدالتِ مجاز میں قتل کا اقرار کرے اور گواہ دوسرے شخص کے بارے میں گواہی دیں اور ولی مشہود علیہ (جس کے خلاف گواہی دی جائے) اور مقر دونوں کو قاتل گردانے تو ولی کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو مقر سے قصاص لے اور چاہے تو مشہود علیہ کو بری قرار دے دے۔ مثلاً عدالت مجاز میں زید نے حاضر ہو کر اقرار کیا کہ اس نے کلیم کو قتل کیا ہے اور گواہ یہ کہیں کہ زید نے نہیں بلکہ حنیف نے قتل کیا ہے پھر جب ولی سے دریافت کیا جائے تو وہ کہے کہ زید اور حنیف دونوں نے مل کر کلیم کو قتل کیا ہے اس صورت میں ولی سے دریافت کیا جائے گا وہ اگر مقر سے قصاص کا مطالبہ کرے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور وہ چاہے

---

[1] ہدایہ : ۴ : ۵۶۵

تو مشہود علیہ یعنی حنیف کو بری قرار دیدے۔

الف۔ : اگر دو آدمی عدالت میں قتل کا اقرار کریں تو ولی جس کی تصدیق کرے گا قصاص اسی سے لیا جائے گا۔

مثلاً زید اور حنیف نے عدالت میں حاضر ہو کر یہ اقرار کیا کہ "ہم نے کلیم کو قتل کیا ہے" اور ولی حنیف کو مخاطب کر کے کہے کہ "تم سچ کہتے ہو تم ہی نے قتل کیا ہے" تو حنیف سے قصاص لیا جائے گا۔[1]

ب۔ : اگر عدالت میں دو آدمیوں میں سے ہر آدمی نے ولی کی موجودگی میں اقرار کیا کہ اس نے تنہا مقتول کو قتل کیا ہے اور ولی کہے کہ تم دونوں نے مل کر قتل کیا ہے تو ولی کو اختیار ہو گا کہ چاہے تو دونوں کو قصاص میں قتل کرائے اس لیے کہ دونوں نے قتل کا اقرار کر لیا ہے۔[2]

ج۔ : اگر ایک شخص اقرار کرے کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے لیکن دلائل اور شواہد سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ اس نے نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص نے قتل کیا ہے اس کے باوجود مقر کو قصاص میں قتل کیا جائیگا اور مشہود علیہ کو بری قرار دیا جائے گا۔[3]

---

[1] حاشیہ رد المختار : ۵ : ۳۰۸

[2] " " "

[3] الحصکفی علاء الدین : الدر المختار : ۲ : ۲۹۲ طبع مجتبائی

د - : اگر قاتل قتل خطا کا اقرار کرے اور ولی قتل عمد کا دعویٰ کرے تو قاتل سے استحساناً دیت وصول کی جائے گی[۱]

ہ - : اگر قاتل قتل عمد کا اقرار کرے اور ولی قتل خطاء کا دعویٰ کرے تو قاتل سے کچھ نہیں لیا جائے گا لیکن اگر اس کے بعد ولی قاتل کی تصدیق کردے تو قاتل سے دیت وصول کی جائے گی[۲]

و - : اگر ولی دو آدمیوں پر قتل کا دعویٰ کرے اور مدعیٰ علیہما میں ایک قتل عمد کا اقرار کرے مگر یہ کہے کہ تنہا اس نے قتل کیا اور دوسرے کے خلاف گواہ شہادت دیں کہ اس نے عمداً مقتول کو قتل کیا ہے تو شہادت رد کردی جائے گی اور مقر سے قصاص لیا جائے گا اور اگر مقر قتل خطاء کا اقرار کرے تو اس سے نصف دیت وصول کی جائے گی اور مشہود علیہ پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی[۳]

ز - : اگر مدعی دو آدمیوں پر قتل کا دعویٰ کرے اور ایک مدعیٰ علیہ قتل عمد کا اور دوسرا قتل خطاء کا اقرار کرے تو دیت دونوں پر عائد ہوگی[۴]

ح - : اگر مدعی دو آدمیوں پہ دعویٰ کرے کہ انہوں نے اس کے ولی

---

[۱] عالمگیری : ۶ - ۱۶

[۲] ایضاً

[۳] ایضاً

[۴] ایضاً

کو عمداً دھار دار آلے سے قتل کیا ہے لہٰذا اسے اجازت دی جائے کہ وہ دونوں قاتلوں سے قصاص لے اس کے بعد ایک مدعیٰ علیہ مدعی کی تصدیق کرے اور دوسرا اقرار بقتل خطاء کرے تو قاضی دونوں پر دیت عائد کرے گا اور اس کی ادائیگی کی مدت تین سال مقرر کرے گا[1]

ط۔ : اگر مدعی دو آدمیوں پر قتل عمد کا دعویٰ کرے اور ایک قاتل یہ اقرار کرے کہ "ہم نے مقتول کو عمداً قتل کیا ہے" اور دوسرا سرے سے قتل ہی کا انکار کر دے تو مقر سے قصاص لیا جائے گا[2]

ی۔ : اگر ملزم اپنے ساتھ کسی دوسرے شخص کو شریک جرم قرار دیتے ہوئے قتل عمد کا اقرار کرے اور ولی صرف ملزم ہی کو مجرم قرار دے تو ولی کو اختیار ہے کہ قتل عمد کے اقرار کرنے والے سے قصاص لے۔

مثلاً کسی نے ولی سے یہ کہا کہ میں نے اور فلاں شخص نے مل کر تیرے والد کو عمداً قتل کیا ہے اور وہ جس کو شریک جرم قرار دے وہ یہ کہے کہ "ہم نے خطاءً تیرے والد کو قتل کیا ہے" اور ولی قتل عمد کے مقر سے کہے کہ "صرف تم نے عمداً میرے والد کو قتل کیا ہے" تو اس صورت میں ولی کو یہ اختیار ہو گا کہ قتل عمد کا اقرار کرنے والے سے قصاص لے[3]

---

[1] عالمگیری: ۶ : ۱۸

[2] ایضاً

[3] ایضاً

دفعہ ۱۴۳: اگر مقر مقتول کے کسی عضو کو کاٹنے کا اقرار کرے لیکن مقتول کے دوسرے عضو کے کاٹنے کا کسی دوسرے شخص پر الزام دھرے اور کہے کہ اسی کے عمل سے مقتول کی موت واقع ہوئی دراں حالیکہ ولی اسی مقر کو دونوں اعضاء کے قطع کا ملزم قرار دے اور دوسرا شخص سرے سے شریک جرم ہونے ہی کا منکر ہو تو ولی کو یہ حق دیا جائے گا کہ وہ مقر سے قصاص لے۔

مثلاً مقتول زید کے ولی سے مقر نے یہ کہا کہ "تمہارے باپ کا ہاتھ پہلے میں نے کاٹا اس کے بعد کلیم نے اس کا پیر کاٹا جس سے زید کی موت واقع ہوگئی" اور زید کا لڑکا یہ کہے کہ "صرف تم نے میرے والد کے ہاتھ اور پیر کاٹے اور تمہارے ہی کاٹنے سے میرے والد کی موت واقع ہوئی" بعد میں کلیم سے دریافت کیا گیا تو اس نے قتل یا قطع میں شریک ہونے ہی کا انکار کر دیا تو اب اگر زید مقتول کا لڑکا مقر سے قصاص لینا چاہے تو اسے اس کا حق ہوگا البتہ اگر ولی یہ کہے کہ یہ تو میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ تم ہی نے میرے والد کا ہاتھ کاٹا۔ پیر کس نے کاٹا یہ مجھے معلوم نہیں تو مقر کو اس وقت تک قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا جب تک ولی کے بیان کا ابہام دور نہ ہو جائے [1]

دفعہ ۱۴۴: اگر مقتول کا ولی دو آدمیوں پر قطع اعضاء اور قتل کا الزام

---

[1] عالمگیری ۶: ۱۹

عائد کرے ایک تو اقرار کرے اور دوسرا شریک ہونے ہی سے انکار کر دے تو ولی کو حق دیا جائے گا کہ وہ مقر سے قصاص لے لیکن اگر ولی کے بیان میں ابہام ہو یا وہ جس آدمی پر بائیں عضو کے کاٹنے کا الزام لگائے وہ تو قطع کا اقرار کرے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہے کہ دایاں عضو (جس کے کاٹنے سے مقتول فوت ہوا) کس نے کاٹا یہ میں نہیں جانتا تو اس سے نصف دیت وصول کی جائے گی۔

مثلاً مقطوع الیدین مقتول زید کے بیٹے خالد نے کلیم اور حمید پر یہ الزام عائد کیا کہ کلیم نے میرے والد کا دایاں ہاتھ عمداً کاٹا اور حمید نے ان کا بایاں ہاتھ عمداً کاٹا اور اسی قطع کی وجہ سے میرے والد زید ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد حمید نے یہ اقرار کیا کہ "میں نے زید کا بایاں ہاتھ عمداً کاٹا تھا جس کی وجہ سے مقتول ہلاک ہوا اور کلیم نے قطع کا انکار کیا تو خالد کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ حمید سے قصاص لے لیکن اگر خالد یہ کہے کہ "حمید نے میرے والد کا بایاں ہاتھ کاٹا تھا اور میں یہ نہیں جانتا کہ دایاں ہاتھ کس نے کاٹا البتہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دونوں اعضا عمداً کاٹے گئے اور میرے والد کی موت ان اعضاء کے قطع کرنے ہی کی وجہ سے واقع ہوئی" اور حمید یہ کہے کہ "میں اقرار کرتا ہوں کہ عمداً میں نے زید کا بایاں ہاتھ کاٹا تھا"، تو اس صورت میں ملزم سے قصاص نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ ولی کے اظہار میں ابہام ہے[1]

---

[1] عالمگیری: ۶: ۲۰

پانچویں فصل

قسامة

دفعہ ۱۴۵: قسامت لغت میں کبھی حسن و جمال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے فلان قسیم یعنی فلاں شخص حسین و جمیل ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں ایک صفت قسیم بھی ہے اور کبھی قسم کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ [1]

دفعہ ۱۴۶: اصطلاح فقہ میں قسامت اس قسم کو کہتے ہیں جو اس محلے کے رہنے والوں سے لی جائے جس میں مقتول کی لاش ملے اور قاتل معلوم نہ ہو، اہلِ محلہ کو یہ قسم کھانی پڑتی ہے کہ "نہ ہم نے مقتول کو قتل کیا ہے اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں"۔ اس صورت میں اگر اہلِ محلّہ کی مقررہ تعداد قسم کھالے تو ان پر مقتول کی دیت عائد کی جائے گی [2]

دفعہ ۱۴۷: قسامت کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ جو مقتول محلے میں پایا جائے اس پر قتل کے اثرات پائے جاتے ہوں، مثلاً زخم ہو یا ضرب کے

---

[1] بدائع الصنائع ۷: ۲۸۶

[2] ایضاً

نشانات ہوں یا گلہ گھونٹ کر ہلاک کرنے کی علامت ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو تو اہلِ محلّہ پر قسامت واجب نہیں ہوگی [۱] نیز اگر مُردہ اس حالت میں ملے کہ اس کے منہ، ناک یا اندامِ نہانی سے خون نکل رہا ہو تو بھی قسامت واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ ان مقامات سے بغیر ضرب کے بھی خون نکل سکتا ہے۔ البتہ اگر آنکھ یا کان سے خون نکل رہا ہو تو قسامت واجب ہوگی [۲]

دفعہ ۱۴۸: اگر مقتول کی لاش محلّے میں پائی جائے اور اس کا قاتل معلوم نہ ہو تو مقتول کے ورثاء کے انتخاب سے محلّے کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی [۳]

الف - اگر کوئی ایسا شخص جسے مقتول کے ورثاء قسم کے لیے منتخب کریں قسم کھانے سے انکار کرے تو اُسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ قسم نہ کھالے [۴]

ب - اگر اہلِ محلّہ (جنہیں ورثاء نے قسم کے لیے منتخب کیا ہو) پچاس سے کم ہوں تو جتنے لوگ موجود ہوں گے ان سے مکرر قسمیں لے کر

---

[۱] بدائع الصنائع ص ۲۸۷

[۲] اگر ورثاء کسی دوسرے محلے کے لوگوں کو مشتبہ قرار دیں تو ان سے بھی قسم لی جا سکتی ہے۔

[۳] الهدایہ ۴ : ۶۱۸

[۴] ایضاً ص ۶۲۰

پچاس قسمیں پوری کرائی جائیں گی [1]

دفعہ ۱۴۹: نابالغ بچے، دیوانہ اور عورت پر قسامت نہیں ہوتی [2]

دفعہ ۱۵۰: اگر کسی محلے میں مقتول کا پورا بدن یا بدن کے آدھے سے زیادہ حصہ ملے یا آدھا حصہ سر کے ساتھ ملے تو اہلِ محلہ پر قسامت عائد ہوگی۔ (یعنی ان سے ورثاء کے انتخاب کے بعد پچاس قسمیں لی جائیں گی) اور قسم کھا لینے کے بعد ان سے دیت (خون بہا) وصول کی جائے گی۔ اور اگر مقتول کے بدن کے آدھے حصے سے کم سر کے ساتھ ملے یا مقتول کا صرف ہاتھ یا پیر ملے یا صرف کٹا ہوا سر ملے تو اہلِ محلہ پر قسامت عائد ہوگی نہ دیت [3]

دفعہ ۱۵۱: اگر کسی محلہ میں نومولود بچہ مُردہ پایا جائے یا نامکمل ساقط شدہ حمل ملے اور اس کے جسم پر ضرب کا کوئی نشان نہ ہو، تو اہلِ محلہ پر قسامت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر مکمل بچے (نومولود) پر آثار ضرب ہوں تو اہلِ محلہ پر قسامت اور دیت عائد ہوگی۔ البتہ اگر بچہ نامکمل (ناقص الخلق) ہو تو قسامت و دیت عائد نہیں ہوگی [4]

---

[1] الہدایہ ص ۶۲۱

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] ایضاً ۴ : ۶۲۲

دفعہ ۱۵۲: اگر کوئی جانور دو بستیوں کے درمیان سے گزر رہا ہو اور اس پر کسی مقتول کی لاش ہو تو قریبی بستی والوں پر قسامت عائد ہوگی [1]

دفعہ ۱۵۳: اگر کسی مقتول کی لاش کسی شخص کے مکان سے برآمد ہو (اور صاحبِ مکان قتل سے انکار کرے تو) اس پر قسامت عائد ہوگی اور اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی [2]

الف - قسامت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف مالکان مکان پر عائد ہوگی، ان لوگوں پر عائد نہیں ہوگی جو کرایہ دار کی حیثیت سے یا عاریۃً کسی مکان میں سکونت پذیر ہوں لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سب پر عائد ہوگی (موجودہ دور میں جب کہ بکثرت مکانات کرایہ پر دیئے اور لیے جاتے ہیں .... کرایہ دار جرائم پیشہ بھی ہو سکتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہمارے حالات کے زیادہ مطابق ہے لہٰذا اسی پر عمل کرنا چاہیئے [3]

(ب) - اگر کوئی مکان چند آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور اس مکان

---

[1] الہدایہ ۴ : ۶۲۲

[2] ایضاً

[3] ایضاً

سے کوئی لاش برآمد ہو تو قسامت تمام شرکاء پر عائد ہو گی [1]

ج ۔ : مکان خریدنے اور قبضہ کرنے سے پہلے اگر مکان سے لاش برآمد ہو تو دیت بائع کے عاقلہ پر ہو گی مثلاً کسی نے کوئی مکان خریدا لیکن ابھی اس نے اس مکان پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس میں سے کسی کی لاش برآمد ہو گئی تو دیت بائع کے عاقلہ پر عائد ہو گی [2]

د ۔ : اگر کسی کشتی یا جہاز سے کوئی لاش برآمد ہو تو اس کشتی اور جہاز کے تمام سواروں اور ملاحوں پر قسامت عائد ہو گی [3]

ہ ۔ : اگر کسی مسجد / محلہ سے لاش برآمد ہو تو اہلِ محلہ پر قسامت عائد ہو گی لیکن اگر جامع مسجد سے برآمد ہو یا شارع عام پر ملے تو قسامت کسی پر عائد نہیں ہو گی اور مقتول کی دیت سرکاری خزانے سے ادا کی جائے گی [4]

و ۔ : اگر کسی مقتول کی لاش جیل خانے سے برآمد ہو اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیت بیت المال سے ادا

---

[1] الھدایہ ص ۶۲۴

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] ایضاً ۴ : ۶۲۵

کی جائے گی۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دیت دیگر قیدیوں سے وصول کی جائے گی [1]

ز - : اگر کسی محلے میں دو پارٹیوں کے درمیان مسلح تصادم ہو جائے اور تصادم کے بعد لڑنے والے کوئی لاش چھوڑ کر فرار ہو جائیں تو قسامت اہلِ محلہ پر عائد ہو گی۔ البتہ اگر اولیائے مقتول مخالف پارٹی پر یا اس پارٹی کے کسی ایک فرد پر قتل کا الزام لگائیں تو اہلِ محلہ پر کوئی چیز عائد نہیں ہو گی [2]

ح - اگر اہل محلہ میں سے دو آدمیوں نے کسی ایسے شخص کے بارے میں جو اس محلے کا باشندہ نہیں تھا یہ شہادت دی کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے تو ان کی شہادت معتبر ہو گی [3]

ط - : اگر مقتول کے ولی نے اہلِ محلہ میں سے کسی ایک فرد پر یہ الزام عائد کیا کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے اور اسی محلے کے دو افراد نے ملزم کے خلاف شہادت بھی دے دی تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی [4]

ی -: اگر دو آدمی ایک مکان میں سکونت پذیر ہوں پھر ایک دن

---

[1] الہدایہ ۴ : ۶۲۵
[2] ایضاً ۶۲۶
[3] ایضاً
[4] ایضاً

ان میں سے ایک شخص مکان میں مقتول پایا جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کے ساتھ رہنے والے شخص پر دیت عائد ہوگی اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر دیت عائد نہیں ہوگی [۱]

دفعہ ۱۵۴: اولیائے مقتول کو اختیار ہے کہ قسامت کے لیے جوان، بدکار، بوڑھے اور نیک لوگوں میں سے جنہیں چاہیں منتخب کریں [۲]

دفعہ ۱۵۵: جو دیت اہلِ محلہ پر قسامت کے بعد عائد ہوگی اسے وہ تین سال کے عرصے میں ادا کریں گے [۳]

دفعہ ۱۵۶: اگر مقتول ایک محلے میں پایا جائے اور اہلِ محلہ ایک شخص معین پر اس قتل کا الزام عائد کریں اور گواہی میں غیر محلہ کے گواہ پیش کریں تو اس صورت میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی اور اہلِ محلہ قسامت اور دیت سے بری ہو جائیں گے خواہ مقتول کا وارث اس شخص معین پر قتل کا الزام عائد کرے یا نہ کرے [۴]

دفعہ ۱۵۷: مقتول جہاں زخمی ہو قسامت وہیں کے لوگوں پر واجب ہوتی ہے خواہ اس کی موت کہیں بھی واقع ہو۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی محلے میں زخمی ہوا اور لوگ اُسے اٹھا کر دوسرے محلے میں لے گئے جہاں وہ

---

[۱] الہدایہ ۴ : ۶۲۷

[۲] مولانا سلامت علی خاں : الکافی بحوالہ کتاب الاختیار مترجمہ : ۴۰۰ طبع لاہور بار دگر۔

[۳] المحیط بحوالہ کتاب الاختیار : ۴۰۰

[۴] الذخیرہ بحوالہ کتاب الاختیار : ۴۰۳

کہ وہ اس زخم سے مرگیا تو قسامت اور دیت اس محلّے کے لوگوں پر واجب ہو گی جہاں وہ زخمی ہوا تھا [۱]

الف : اگر مقتول کی لاش کسی عورت کے مکان میں پائی جائے تو اس عورت پر قسامت اور اس کے عاقلہ پر دیت عائد ہو گی [۲]

ب :- اگر مقتول کی لاش کسی ایسے میدان میں پائی جائے جو کسی کی ملکیت ہو تو میدان کے مالک اور اُس کے قبیلے پر قسامت اور دیت واجب ہو گی۔ اور اگر وہ میدان کسی کی ملکیت میں نہ ہو لیکن اس کے قریب ایسی آبادی ہو جہاں تک اس میدان سے آواز پہنچ سکتی ہو تو اس آبادی کے آدمیوں پر قسامت اور دیت واجب ہو گی اور اگر اس کے قریب کوئی ایسی آبادی نہ ہو لیکن مسلمان اس میدان (یا پارک) سے فائدہ اٹھاتے ہوں (مثلاً لکڑی اور گھاس حاصل کرتے ہوں یا تفریح کا فائدہ اٹھاتے ہوں) تو مقتول کی دیت سرکاری خزانے سے ادا کی جائے گی۔ اور اگر اس میدان سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھایا جاتا ہو تو کسی پر کچھ واجب نہ ہوگا اور جس میدان کے قریب آبادی نہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے [۳]

ج :- اگر مقتول کی لاش کسی ایسی زمین میں پائی جائے جو جامع مسجد پر وقف ہو تو اس کی دیت سرکاری خزانے سے ادا کی جائے گی [۴]

---

[۱] محیط سرخسی بحوالہ کتاب الاختیار : ۴۰۳

[۲] فتاویٰ قاضی خان بحوالہ کتاب الاختیار : ۴۰۵

[۳] محیط بحوالہ کتاب الاختیار ص : ۴۰۸ [۴] ایضاً ص : ۴۱۲

چھٹی فصل

جدید دَور کے قرائن

"قتل کے مقدمات میں ایسے قرینہ . . . کو بھی غیر معمولی حیثیت حاصل ہوتی ہے جن سے قاتل کی نشاندہی ہوتی ہو اور اسے بھی شہادتِ صحیحہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے مثلاً المجلہ کی دفعہ (۱۷۴۱) میں ہے۔

القرينة القاطعة هي الامارة البالغة حدا ليقين مثلا اذا خرج احد من دار خالية مدهوشا و في يده سكين ملوثة بالدم و دخلت الدار ورؤي فيها شخص مذبوح في ذالك الوقت فلا يشتبه في كونه قاتل ذالك الشخص ولا يلتفت الى الاحتمالات الوهمية الصرفة كالذهاب الى كون الشخص المذكور ربما قتل نفسه، [1]

---

[1] مجلة الاحكام " : ۳۹۲

ترجمہ: قرینہ اس نشان اور علامت کو کہتے ہیں جو حد یقین تک پہنچنے والی ہو، مثلاً کوئی شخص کسی خالی مکان سے اس حال میں باہر نکلا کہ اس کے ہاتھ میں خون آلود چھری تھی اور وہ گھبرایا ہوا تھا اس کے بعد گھر میں جا کر دیکھا گیا کہ عین اسی وقت ایک شخص ذبح کیا ہوا پڑا ہے تو اب اس بات میں کسی شُبہے کی گنجائش نہیں کہ قاتل وہی (مکان سے نکلنے والا) شخص ہے۔ ایسی صورت میں محض وہمی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے کہ ممکن ہے شخص مذبوح نے خودکشی کر لی ہو۔

اگر قرینۂ قاطعہ کو مذکورہ بالا دفعہ کی روشنی میں ناقابلِ انکار شہادت اور ثبوت کی حیثیت حاصل ہے تو راقم الحروف کے خیال میں جدید دَور میں مقدمۂ قتل یا دیگر مقدمات کی تفتیش کے سلسلے میں جو جدید طریقے یا آلات استعمال ہوتے ہیں اور جن کا انکار مشکل ہوتا ہے انہیں بھی قرینۂ کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

پوسٹ مارٹم

دفعہ ۴۸۴: جدید قانون[1] کی رو سے پوسٹ مارٹم اس وقت تک نہیں ہو سکتا

---

[1] SIDDIQ HUSAINDY: MEDICAL JURISPRUDENCE AND TOXICOLOGY P. 27 CARWAN BOOK HOUSE LAHORE

جب تک سپرنٹنڈنٹ آف پولیس یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا تحریری آرڈر موجود نہ ہو لیکن یہ شرط غیر ضروری ہے صرف قاضی شہر کی اجازت کافی ہے بشرطیکہ تحریری ہو اور پوسٹ مارٹم سے صرف مقصود موت کا سبب دریافت کرنا ہو نہ کہ مسلمان میت کی بے حرمتی۔

الف : حاکم شہر کو چاہیئے کہ شہر میں ایک متدین متقی اور ماہر ڈاکٹر کا بحیثیت پوسٹ مارٹم سرجن کے تقرر کر دے تاکہ پوسٹ مارٹم رپورٹوں کے سلسلے میں آج کل جو بدعنوانیاں ہوتی ہیں ان کا انسداد ہو سکے۔

ب -: پوسٹ مارٹم دن کی روشنی میں ہونا چاہیئے [1]

ج - : اگر مقتول کی موت گولی سے واقع ہوئی ہو اور گولی میت کے بدن میں موجود ہو تو ڈاکٹر کو چاہیئے کہ اسے بدن سے باہر نکال لے [2]

د - : ضروری ہے کہ پوسٹ مارٹم لاش گھر ہی میں کیا جائے لیکن اگر لاش اتنی خراب ہو چکی ہو کہ اسے لاش گھر تک لانا دشوار ہو، تو جہاں لاش ہو اسی جگہ پوسٹ مارٹم کیا جا سکتا ہے [3]

ھ -: ضروری ہے کہ جس وقت پوسٹ مارٹم ہو رہا ہو اسی وقت لاش

---

[1] SIDDIQ HUSAINDY: MEDICAL JURISPRUDENCE AND TOXICOLOGY P.27 CARWAN BOOK HOUSE LAHORE

[2] IBID

[3] IBID

سے متعلق تمام تفصیلات پوسٹ مارٹم رجسٹر میں درج کی جائیں جب تفصیلات درج کر دی جائیں تو آخری سطر کے نیچے ڈاکٹر اپنا دستخط اور مہر ثبت کر دے [1] ح۔

و ۔: اگر رپورٹ لکھتے وقت کسی مقام پر کاٹنا پڑے، یا تحریر مشتبہ ہو جانے کا احتمال ہو تو ڈاکٹر اس مقام پر اپنا دستخط ثبت کرے [2] ط۔

ز ۔: پوسٹ مارٹم کے وقت پولیس کے کسی رکن یا کسی غیر آدمی کی موجودگی کی ہرگز اجازت نہ دی جائے [3] ی۔

ح ۔: پوسٹ مارٹم کے دوران بذریعہ آپریشن جسم کے جن جن حصوں کو کھولا گیا ہو، رپورٹ مکمل کرنے کے بعد انہیں بند کر دیا جائے پھر ان کی سلائی کر دی جائے۔

ط ۔: میت کے بدن پر سے جو جو چیزیں ملیں ان تمام اشیاء کا اندراج پوسٹ مارٹم رجسٹر میں کیا جائے مثلاً زیورات، تعویذ، کپڑے، جوتے وغیرہ۔ اور پوسٹ مارٹم کے بعد وہ تمام چیزیں قاضی کی عدالت کو بھیج دی جائیں [4] ک۔

---

[1] SIDDIQ HUSAINDY: MEDICAL JURISPRUDENCE AND TOXICOLOGY P.27 CARWAN BOOK HOUSE LAHORE

[2] IBID

[3] IBID

[4] IBID

ی:- پوسٹ مارٹم اور اس کی رپورٹ کی تیاری میں ہرگز ہرگز کسی قسم کی تاخیر نہ کی جائے کیونکہ اس تاخیر کی وجہ سے ثبوت کے حصول میں دشواری پیدا ہوسکتی ہے[1]

فوٹوسٹیٹ اور ٹیپ ریکارڈر کی حیثیت

دفعہ ۱۵۹: جس وقت قاتل قتل کر رہا تھا، اگر کسی نے اسی حالت میں اس کی تصویر اتار لی تو جرم ثابت کرنے کے لیے اس ثبوت کو قبول کرنا چاہیئے۔ بشرطیکہ دیگر ذرائع بھی اس کے موید ہوں نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ آجکل فوٹو اتارنے کی تکنیک میں جعلسازی ہوتی ہے۔ نیز کسی کمرے میں ٹیپ ریکارڈر لگا ہوا تھا عین اسی وقت قاتل اس کمرے میں آیا اور اس کے اور مقتول کے درمیان تلخ کلامی ہوئی۔ پھر قاتل نے مقتول پر حملہ کیا، زخمی ہونے کے بعد مقتول چیخا۔ قاتل اور مقتول کے درمیان ہونے والا مقابلہ اور مقتول کی چیخ ریکارڈ ہوگئی۔ اب اگر آواز کے ماہرین اس بات کی تصدیق کر دیں کہ ریکارڈ شدہ آواز ملزم ہی کی آواز ہے تو راقم الحروف کے خیال میں ماہرین کی رائے کو بطور شہادت

---

[1] SIDDIQ HUSANDV: MDICAL JURISPRUDENCE AND TOXICOLOGY P.27 CARWAN BOOK HOUSE

تسلیم کیا جانا چاہیئے [1]

امتحانِ خون

دفعہ ۱۶۰ : خون کا تجزیہ اور امتحان بھی قتل کے مقدمات ہیں بطور شہادت کے موثر ہو سکتا ہے۔

الف : اگر قاتل اور مقتول کے کپڑوں پر موجود خون ایک ہی جسم کا خون ہو (مقتول کے جسم کا) اور قاتل موقع پر پکڑا گیا ہو، نیز قاتل کے خلاف گواہ بھی ہوں تو ایسی صورت میں خون کی حیثیت قرینہ کی ہو جائے گی۔

ب : اگر جائے واردات پر خون آلود آلۂ قتل ہو اور بعد امتحان یہ ثابت ہو کہ آلۂ قتل میں جو خون لگا ہوا ہے وہ مقتول ہی کا خون ہے۔ اس آلہ کا مالک بھی جائے واردات پر پکڑا جائے تو آلۂ قتل میں

---

[1] راقم الحروف کا خیال ہے کہ شہادت کے ضمن میں جدید آلات سے برآمد ہونے والے نتائج کو تسلیم کرنا چاہیئے اور ان کی حیثیت قرائن کی ہونی چاہیئے جسے فقہائے متقدمین نے تسلیم کیا ہے۔ تاہم یہ راقم الحروف کی ذاتی رائے ہے۔ اور اس کے اظہار کا مقصد صرف یہ ہے کہ علمائے کرام ان باتوں پر غور فرما کر ان کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ دے دیں۔ ضروری نہیں کہ راقم الحروف کی رائے ہی کو تسلیم کر لیا جائے۔ البتہ ان جدید مسائل پر غور کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ہم اپنے دور کی جدید ایجادات کو یکسر نظر انداز نہیں کر سکتے۔

لگے ہوئے خون کی حیثیت قرینۂ   کی ہو جائے گی ، اور آلۂ قتل کے مالک کو مجرم قرار دیا جائے گا۔ بشرطیکہ دیگر اُمور اس میں مزاحم نہ ہوں۔

دفعہ ۱۶۱ : خون کے امتحان سے مندرجہ ذیل امور کا انکشاف ہو سکتا ہے :

(ا) کیا مقتول خون بہنے سے پہلے ہی مر چکا تھا ؟

(ب) خون ورید کا ہے یا شریان کا ؟

اس سے زخم کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(ج) خون کسی دوسری قسم کے زخم کی وجہ سے تو نہیں نکلا ہے؟ یعنی کتّے کے کاٹنے یا سانپ ، بچھّو اور جونک کی وجہ سے؟

(د) کہیں یہ خون نکسیر، بواسیر یا حیض کا تو نہیں ہے؟

(ہ) یہ خون کسی جانور کا تو نہیں ہے؟

بالوں اور ہاتھوں کے نقوش

اللہ تبارک و تعالےٰ کی اس صناعی و نقاشی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے کہ اس نے ہر انسان کے اعضاء اور جوارح ایک ہی طرح پر بنائے ہیں۔ لیکن اس دنیا کی اربوں کی آبادی میں کسی انسان کا کوئی عضو دوسرے انسان سے نہیں ملتا مثلاً

ہر انسان کے چہرے پر ایک ناک، دو ہونٹ، دو آنکھیں، ابرو اور رخسار ہیں لیکن کسی انسان کا چہرہ کسی دوسرے انسان سے نہیں ملتا۔ اسی طرح ہر انسان کے ہاتھ میں ہتھیلی اور انگلیاں ہیں لیکن کسی انسان کے ہاتھوں کی لکیریں اور انگوٹھے کے نشانات دوسرے انسان کے ہاتھوں کی لکیروں اور انگوٹھے کے نشانات سے نہیں ملتے۔ انسانی عقل صانع مطلق کی اس کاریگری کو دیکھ کر سوائے مبہوت رہ جانے کے اور کیا کر سکتی ہے۔ انسان کے بدن پر جو بال ہیں ان کا بھی یہی حال ہے، خوردبین سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر انسان کے ہر بال پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور تعجب انگیز امر یہ ہے کہ کسی انسان کے بال کے نقش و نگار کسی دوسرے انسان کے بال کے نقش و نگار سے نہیں مل سکتے۔ اسی بنا پر دورِ جدید میں مجرموں کا پتہ لگانے کے لیے یہ طریقہ بھی استعمال کیا جاتا ہے کہ موقع واردات کی بڑی احتیاط سے تلاشی لی جاتی ہے اگر اس جگہ کوئی ٹوٹا ہوا بال مل جاتا ہے تو اسے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ یا اگر موقع واردات پر ریوالور مل جاتا ہے تو اسے نہایت احتیاط سے اٹھا کر اس کی فلم تیار کی جاتی ہے۔ اگر قاتل نے ریوالور کو استعمال کر کے اسے وہیں چھوڑ دیا تھا تو لازماً اس کے ہاتھ کے نقوش اس پر موجود رہتے ہیں۔ اس کے بعد ملزم کے ہاتھ کے نقوش حاصل کر کے ان کا ریوالور پر مرتسم

نقوش سے مقابلہ کیا جاتا ہے ۔ اگر نقوش مل جاتے ہیں تو ملزم کو قاتل قرار دے دیا جاتا ہے ۔ راقم الحروف کے خیال میں اس طریقے کو بھی قرینۂ کا درجہ دیا جا سکتا ہے ۔ بشرطیکہ دیگر ذرائع بھی اسکے موید ہوں۔

دفعہ ۱۶۲ : اگر جائے واردات پر مقتول کی لاش کے قریب کوئی آلہ جارحہ دستیاب ہو اور اس پر پائے جانے والے ہاتھ کے نشانات ملزم کے ہاتھ کے نشانات سے ملتے جلتے ہوں اور ماہرین پورے وثوق سے اس بات کی تصدیق کر دیں تو ملزم کے خلاف اس ثبوت کو قرینۂ کی حیثیت حاصل ہو گی ۔ نیز

اگر جائے واردات پر ٹوٹے ہوئے بال ملیں اور ماہرین یہ رائے دیں کہ یہ ملزم ہی کے بال ہیں تو ملزم کے خلاف ان بالوں کو قرینۂ کی حیثیت حاصل ہو گی [1]

نزعی بیان

دفعہ ۱۶۳ : بیان نزعی خواہ زبانی ہو یا تحریری قابلِ قبول ہے ۔

دفعہ ۱۶۴ : اگر کوئی شخص زخمی ہو کر مر جائے اور مرتے وقت اپنی موت

---

[1] یہ راقم الحروف کی ذاتی رائے ہے ۔ اسے شرعی حیثیت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک مقتدر علمائے کرام اس پر غور فرما کر اس کی توثیق نہ کریں ۔

کا سبب بیان کر دے تو اس کا بیان استغاثہ کے بیان کے مثل ہو گا بشرطیکہ متوفی کے بیان کردہ سبب کے واقع ہونے کے فوراً بعد وہ شخص وفات پائے، اور حالتِ نزع میں سبب بیان کرے۔

دفعہ ۱۶۵: نزعی بیان بیان استغاثہ کے ساتھ ساتھ ایک قسم کی شہادت بھی ہوتا ہے۔ اگر مندرجہ ذیل شرائط میں سے کوئی شرط پائی جائے تو بیانِ نزعی اور زیادہ اہمیت کا حامل متصور ہوگا، مثلاً

(الف) کسی قاضی، نائب قاضی، مجسٹریٹ یا یونین کونسل کے چیئرمین نے ضروری احتیاطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مقتول کا نزعی بیان ریکارڈ کیا ہو۔

(ب) مقتول کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو من وعن درج کیا گیا ہو۔

(ج) مقتول پر جب حملہ ہوا ہو تو اس کے فوراً بعد اس نے اپنا بیان ریکارڈ کرایا ہو اور اسے زیادہ غور و فکر کرنے یا کسی دوسرے شخص سے مشورہ کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔

(د) مقتول نے اپنے ساتھ ہونے والے واقعات کا مشاہدہ کیا ہو اور وہ صحیح العقل ہو۔

(ھ) جس جگہ مقتول پر حملہ ہوا وہاں پوری روشنی رہی ہو اور مقتول نے حملہ آور کو اچھی طرح دیکھا ہو۔

(و) مقتول کے نزعی بیان میں تعارض یا تناقص نہ ہو۔

(ز) اگر مقتول نے اپنا نزعی بیان تحریر کر دیا ہو تو وہ تحریر شہادت کے اعتبار سے نہایت وقیع دستاویز ہو گی [۱]

---

[۱] مذکورہ شقیں جناب اے۔جی چودھری کی کتاب

THE LAW OF EVIDENCE IN PAKISTAN: BY A.G.CHAUDHRY: P.85 KHAIBAR LAW PUBLISHING HOUSE LAHORE 1972ء

سے استفادہ کرنے کے بعد تحریر کی گئی ہیں۔ چونکہ یہ شقیں راقم الحروف کے خیال میں اسلام کے قانونِ شہادت سے متصادم نہیں ہیں، اس لیے انہیں بھی اسلامی قانونِ شہادت کا جز بنایا جا سکتا ہے۔

باب چہارم

زنا کی شہادت

دفعہ ۱۶۶: اس مسئلہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ چار گواہوں کے بغیر زنا کا جرم ثابت نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ۔ (النساء: ۱۵)	اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں تم ان عورتوں کے خلاف اپنوں میں سے چار مردوں کی گواہی لاؤ۔

سورۂ نور میں ارشاد ہے:

وَلَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ۔ (النور: ۱۳)	(اور جو لوگ تہمت تراشی کے مرتکب ہوئے ہیں) اور وہ اپنے دعوے پر چار گواہ نہیں لائے سو ایسی صورت میں جب کہ یہ لوگ گواہ نہیں پیش کر سکے اللہ کے نزدیک یہی لوگ

جھوٹے ہیں۔

ان آیاتِ کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ بغیر چار گواہوں کے زنا کا جرم ہی ثابت نہیں ہو سکتا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی آیت پر عامل رہے۔ اسی لیے اگر زنا کا کوئی اقراری مجرم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کے حضور میں زنا کا اقرار کیا تو آپ نے اس پر اس وقت تک حد جاری نہیں فرمائی جب تک کہ اس نے چار مرتبہ اقرار نہیں کر لیا۔ گویا چار مرتبہ کے اقرار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار شہادتوں کے برابر شمار فرمایا۔

دفعہ ۱۶۷: دیگر معاملات میں شہادت کا چھپانا از روئے قرآن گناہ ہے۔ لیکن حدود کے مقدمات میں گواہ کو اختیار ہے کہ شہادت دے یا پردہ پوشی سے کام لے اور پردہ پوشی سے کام لینا افضل ہے[1]

---

[1] ہدایہ ۳ : ۱۳۸

پہلی فصل

شہادت زنا کی شرائط

دفعہ ۱۶۸ : ضروری ہے کہ عینی گواہوں کی تعداد چار ہو[1]

الف۔ : ضروری ہے کہ تمام گواہ مرد ہوں اس لیے کہ زنا کے مقدمات میں عورت کی شہادت معتبر نہیں[2]

ب۔ : ضروری ہے کہ تمام گواہ آزاد ہوں، غلام کی شہادت معتبر نہیں ہے[3]

ج۔ : ضروری ہے کہ سارے گواہ عادل ہوں، گواہ کا عادل ہونا تو اکثر مقدمات میں ضروری ہے لیکن زنا کے مقدمے میں زیادہ احتیاط برتنی چاہیئے، لہٰذا کسی فاسق یا کسی مستورالحال کی شہادت معتبر نہیں ہے[4]

د۔ : ضروری ہے کہ تمام گواہ مسلمان ہوں، غیر مسلم ذمی یا مشرک کی شہادت قابلِ قبول نہیں[5]

---

[1] المغنی ۱۰ : ۱۷۵

[2] المغنی ۱۰ : ۱۷۵

[3] ایضاً

[4] ایضاً ۱۰ : ۱۷۶ [5] ایضاً

۸ - : ضروری ہے کہ گواہ کیفیتِ زنا اور ہیئتِ زنا کو حاکم مجاز کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں۔ مثلاً یہ کہ ہم نے زانی کے عضو تناسل کو مزنیہ کے اندام نہانی میں اس طرح داخل ہوتے دیکھا، جس طرح سلائی سُرمہ دانی میں یا ڈول کنویں میں داخل ہوتا ہے۔ اسی بنا پر بعض اہلِ علم نے عملِ زنا کو دیکھنے کی اجازت دی ہے جب کہ مقصود ادائے شہادت ہو [1]

۹ - : یہ بھی ضروری ہے کہ چاروں گواہ بیک وقت عدالت مجاز میں شہادت دینے کے لیے حاضر ہو جائیں [2]

---

[1] المغنی : ۱۰ : ص ۱۷۷

[2] ایضاً

دوسری فصل

ادائے شہادت

دفعہ ۱۶۹: اگر چار سے کم گواہ شہادت دیں یعنی ایک آدمی یا دو یا تین گواہی دیں تو شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی [1] نیز

اگر دو شخص زنا کی اور دو شخص اقرارِ زنا کی شہادت دیں (مثلاً یہ کہیں کہ فلاں شخص نے میرے سامنے اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت سے زنا کیا تھا) تو نہ گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی اور نہ اس شخص پر حد زنا جاری ہوگی جس کے بارے میں گواہوں نے گواہی دی [2]

دفعہ ۱۷۰: جس وقت چار مرد کسی کے زنا پر ایک مجلس میں گواہی دیں تو قاضی کو ان سے تمام تفصیلات دریافت کرنی چاہئیں، مثلاً ان سے پوچھے کہ "زنا کیا ہے؟" اور "کہاں زنا ہوا؟" جب وہ یہ بیان کر چکیں اور معروف طریق پر دخول کی شہادت دیں تو قاضی ان سے کیفیتِ زنا دریافت کرے۔ جب وہ لوگ جواب دے چکیں تو زنا کا وقت دریافت کرے اس کے بعد پوچھے کہ کس نے کس کے ساتھ زنا کیا؟ کس جگہ پر زنا کیا؟ جب وہ لوگ یہ سب باتیں بیان کر چکیں اور قاضی ان گواہوں کو پہچانتا ہے کہ وہ عادل ہیں تو وہ

۱؎ المحیط بحوالہ کتاب الاختیار ص ۱۲۳

۲ ... بحوالہ کتاب الاختیار ص ۱۲۵

ملزم سے اس کے احصان[۱] کے متعلق دریافت کرے، اگر وہ کہے کہ میں محصن ہوں اور احصان کا معنیٰ بھی بیان کر دے تو قاضی اسے سنگسار کرنے کا حکم دے دے گا اور اگر ملزم احصان کا انکار کرے اور گواہ بھی اس کے احصان کی گواہی نہ دیں تو ملزم کو کوڑے لگائے جائیں گے، اور اگر قاضی گواہوں کی عدالت سے واقف نہ ہو تو ملزم کو اس وقت تک کے لیے قید میں ڈال دے جب تک گواہوں کی عدالت ظاہر نہ ہو جائے[۲]

دفعہ ۱۷۱ : اگر کسی شخص پر گواہوں کی گواہی سے زنا ثابت ہو جائے اور وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ تو اس پر شریعت کے حکم کے مطابق حد جاری کر دی جائے گی، اگر حد جاری ہونے کے دوران مجرم بھاگ کھڑا ہوا اور فوراً گرفتار ہو گیا، تو باقی حد بھی اس پر جاری کی جائے گی۔ اور اگر مجرم چند روز کے بعد گرفتار ہوا تو باقی حد ساقط ہو جائے گی۔[۳]

دفعہ ۱۷۲ : اگر چار شخص زنا کی گواہی دیں اور زنا کی مشروعہ کیفیت نہ بیان کریں تو ان کی گواہی قبول نہ ہو گی لیکن ان پر حد قذف واجب نہ ہو گی کیونکہ گواہوں کی تعداد پوری ہے اور یہ حد قذف کے واجب

---

[۱] شادی شدہ، مسلمان آزاد، عاقل و بالغ ہونا۔ تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

[۲] المحیط بحوالہ کتاب الاختیار : ۱۲۵

[۳] المبسوط بحوالہ کتاب الاختیار : ۱۲۶

ہونے میں مانع ہے۔ بلکہ اگر چار عورتیں بھی زنا کی گواہی دیں تو ان پر حد واجب نہ ہو گی، یہی حکم اس صورت میں ہو گا جب کہ چار شخص زنا کی گواہی دیں اور ان میں سے بعض زنا کی کیفیت بیان کریں اور بعض نہ بیان کریں (تو ان پر حد قذف واجب نہیں ہو گی) ان صورتوں میں نہ گواہوں پر حد واجب ہو گی نہ ملزم پر[1]

الف۔ : اگر گواہ چار سے کم ہوں اور ان کی گواہی کے بعد خود مدعیٰ علیہ زنا کا اقرار کرلے تو گواہوں پر حد قذف جاری نہیں ہو گی[2]

ب۔ : اگر ملزم انکار کرے اور چار گواہ زنا کی گواہی دیں اس کے بعد وہ اقرار کرلے تو گواہوں کی گواہی باطل ہو جائے گی اور ملزم کے اقرار پر شریعت کا حکم جاری ہو گا کیونکہ گواہ منکر پر لیے جاتے ہیں مقر پر نہیں لیے جاتے۔ لہٰذا جس وقت ملزم نے اقرار کرلیا گواہی کو قبول کرنے کا کوئی سبب باقی نہیں رہا[3]

ج۔ : اگر چار گواہوں نے گواہی دی لیکن ان میں سے چند گواہ عادل نہیں تھے۔ مثلاً کوئی فاسق تھا یا کوئی غلام تھا یا کوئی گواہ نابینا تھا تو شہادت مقبول نہ ہو گی لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک گواہوں پر حد قذف عائد نہیں ہو گی۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ گواہوں پر حد

---

[1] المبسوط بحوالہ کتاب الاختیار: ۱۲۶

[2] ایضاً

[3] الحمادیہ بحوالہ کتاب الاختیار : ۱۲۷

قذف واجب ہو گی [1]

د ۔ : اگر چار شخص کسی شخص کے بارے میں زنا کی شہادت دیں اور اس شخص کے عضو تناسل ہی نہ ہو تو نہ اس پر حد واجب ہو گی نہ گواہوں پر [2]

۱۷۳ : شہادتِ زنا میں نہایت جزوی اختلاف لائقِ التفات نہیں ہوتا مثلاً اگر دو گواہوں نے شہادت دی کہ مجرم نے مکان کے فلاں کمرے میں زنا کیا اور دوسرے دو گواہوں نے کہا کہ اس نے فلاں (دوسرے) کمرے میں زنا کیا تو اگر دونوں کمروں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہو تو حد واجب نہیں ہو گی، اور اگر دونوں کمرے قریب قریب واقع ہوں تو حد واجب ہو جائے گی ۔

اگر دو گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ زنا کرتے وقت ملزم سفید رنگ کی قمیض پہنے ہوئے تھا اور دو گواہوں نے کہا کہ اس نے سرخ رنگ کی قمیض پہن رکھی تھی یا دو گواہوں نے کہا کہ ملزم نے ریشمی کپڑا پہن رکھا تھا، اور دوسرے دو گواہوں نے کہا کہ اس نے سوتی کپڑا پہن رکھا تھا تو شہادت مکمل مانی جائے گی اور حد جاری ہو گی [3]

---

[1] المغنی ۱۰ : ۱۸۱

[2] کتاب الآثار : ۱۲۹

[3] المغنی ۱۰ : ۱۸۴

دفعہ ۱۷۴: رضا و جبر کے اختلاف سے مزنیہ پر حد جاری نہیں ہوگی لیکن زانی پر جاری ہوگی مثلاً اگر دو گواہوں نے کہا کہ ملزم نے مزنیہ سے جبراً زنا کیا اور دوسرے دو گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ مزنیہ کی رضامندی سے زنا کیا تو مزنیہ پر حد جاری نہیں ہوگی۔ [1]

دفعہ ۱۷۵: اگر صرف دو گواہ ہوں اور ملزم دو مرتبہ اقرار کرے تو حد جاری نہیں ہوگی مثلاً اگر دو گواہوں نے ملزم کے خلاف زنا کی شہادت دی اور ملزم نے دو مرتبہ زنا کا اقرار کیا تو حد واجب نہیں ہوگی اس لیے کہ اس صورت میں نہ تو شہادت مکمل ہوئی اور نہ اقرار [2]

الف۔ : اگر شہادتیں مکمل ہو جانے کے بعد گواہ مر جائیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حد نہیں واجب ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حد واجب ہوگی [3]

دفعہ ۱۷۶: تقدم زمانی کی صورت میں نہ شہادت موثر ہوتی ہے نہ اقرار مثلاً اگر گواہوں نے زنا کے کسی بہت پرانے معاملے کی گواہی دی، یا ملزم نے کسی پرانے زنا کا اقرار کیا تو امام صاحب کے نزدیک شہادت یا اقرار کو قبول نہیں کیا جائے گا، امام مالک کے نزدیک قبول کر

---

[1] المغنی: ۱۰ : ص ۱۸۵ [2] المغنی ص ۱۸۶
[3] ایضاً

کے حد جاری کی جائے گی [1]

دفعہ ۱۷۷: اگر قرینۂ قاطعہ شہادت کے خلاف ہو تو شہادت رد کر دی جائے گی، مثلاً اگر چار گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں عورت نے زنا کرایا اور معائنہ کے بعد قابلِ اعتماد عورتوں نے بتلایا کہ عورت کنواری ہے تو نہ عورت پر زنا کی حد واجب ہو گی نہ گواہوں پر حد قذف [2] یہی حکم آج کل لیڈی ڈاکٹروں کی رائے کا ہے کہ اگر وہ معائنہ کر کے بتلا دیں کہ عورت کنواری ہے تو عورت پر حد نہیں لگائی جائے گی

الف -: اگر گواہ خود دوسرے گواہوں کو زنا کا ملزم قرار دیں تو حد ساقط ہو جائے گی مثلاً

چار گواہ یہ

شہادت دیں کہ ان چار گواہوں نے خود اس عورت سے زنا کیا ہے

تو کسی پر حد واجب نہیں ہو گی [3]

ب -: تمام اماموں کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اگر چار گواہ

---

[1] المغنی : ص: ۱۸۷

[2] المغنی ۱۰ : ۱۸۹

[3] ایضاً ص ۱۹۰

یہ شہادت دیں کہ زانی نے عورت کے دُبر میں زنا کیا تو زانی پر حد جاری ہو گی۔ اور اگر چار سے کم شہادت دیں تو حد جاری نہیں ہو گی لیکن امام ابو حنیفہؒ چونکہ لواطت کو زنا میں شمار نہیں کرتے اسلئے انکے نزدیک اگر دو گواہ بھی یہ شہادت دے دیں کہ زانی نے مزنیہ کے دُبر میں زنا کیا تو شہادت تسلیم کر لی جائے گی اور زانی پر حد کے بجائے تعزیر لگائی جائے گی [1]

دفعہ ۱۷۸ : اگر شاہدان احصان شاہدان زنا بھی ہوں تو حد نافذ ہو جائے گی۔ مثلاً اگر دو گواہ شہادت دیں کہ ملزم نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور دو گواہ شہادت دیں کہ وہ شادی شدہ ہے تو دوسرے دو گواہوں سے یہ دریافت کیا جائے گا کہ آیا وہ بھی ملزم کے زنا کی شرعی شہادت دیتے ہیں؟ اگر وہ اقرار کر لیں تو ملزم کو رجم کر دیا جائے گا، کیونکہ اس صورت میں شہادت علی الزنا مکمل ہو گئی [2]

الف ۔ : اگر چار گواہوں میں سے تین زنا کی بالصراحۃ شہادت دیں اور ایک مشتبہ بات کہے تو تینوں گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی۔ مثلاً اگر تین گواہوں نے زنا کی مشروعہ شہادت دی لیکن چوتھے نے کہا کہ میں نے صرف اتنا دیکھا کہ ملزم اور مزنیہ ایک بستر پر ایک

---

[1] المغنی ص ۱۹۰

[2] المبسوط ۹ : ۴۶

لحاف میں لیٹے ہوئے تھے تو ملزموں پر حد نہیں جاری ہوگی اور تین گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی [1]

ب۔ : اگر گواہان مختلف مزنیہ کا نام لیں اور ایک جگہ اور وقت بتلائیں تو شہادت رد کردی جائے گی لیکن اگر زمان ومکان مختلف ہوں تو حد جاری ہوگی۔ مثلاً اگر چار آدمیوں نے گواہی دی کہ ملزم نے ماجدہ کے ساتھ زنا کیا اور دوسرے چار گواہوں نے شہادت دی کہ ملزم نے ثریا کے ساتھ زنا کیا اور دونوں قسم کے گواہوں نے ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت بتلایا تو حد نہیں عاید ہوگی۔ البتہ اگر دونوں قسم کے گواہوں نے دو مختلف مقامات واوقات بیان کیے تو گواہی مانی جائے گی اور ملزم مرد اور دو مزنیہ عورتوں پر حد جاری ہوگی [2]

ج۔ : اگر گواہ مختلف جرائم کا الزام وقت واحد میں ایک ہی شخص پر مختلف مقامات پر عائد کریں تو شہادت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً اگر چار گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں شخص نے ذی الحجہ کی دس تاریخ کو بصرہ میں فلاں عورت سے زنا کیا اور دوسرے چار گواہوں نے شہادت دی کہ اس شخص نے ذی الحجہ کی دس تاریخ کو کوفہ میں فلاں شخص کو قتل کیا، تو دونوں قسم کے گواہوں میں سے کسی کی گواہی مقبول نہیں ہوگی [3]

---

[1] المبسوط ۹ : ۴۶
[2] المبسوط ص ۶۸
[3] ایضاً ۹ : ۶۹

د - : اگر دو گواہ مزنیہ کے رنگ یا قد کے بارے میں اپنے بیان میں اختلاف کریں تو بھی ان کی شہادت قبول کی جائے گی مثلاً ایک گواہ کہے کہ عورت سیاہ فام تھی اور دوسرا کہے کہ اس کا رنگ گندمی تھا : یا ایک کہے کہ وہ لمبے قد والی تھی اور دوسرا کہے کہ وہ ناٹی تھی تو ان تمام صورتوں میں بیان میں اختلاف کے باوجود ان کی شہادت مقبول ہوگی [۱]

ہ - : اصول یہ ہے کہ اگر گواہوں کے بیان میں تطبیق (بصورت اختلاف) ممکن ہو تو تطبیق کی کوشش کرنی چاہیئے اور اول دہلہ میں انہیں رد نہیں کرنا چاہیئے [۲]

و - : اگر ابتداً گواہ مزینہ کی شناخت نہ کرسکیں اور بعد میں کرلیں تو نہ مزنیہ پر حد جاری ہوگی نہ گواہوں پر مثلاً چار گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم نے ایک ایسی عورت سے زنا کیا جسے ہم نہیں پہچانتے لیکن بعد میں کہہ دیا کہ فلاں عورت سے زنا کیا تو نہ ملزم پر حد واجب ہوگی نہ گواہوں پر حد قذف [۳]

دفعہ ۱۷۹ : اگر چار گواہ زنا کی شہادت دیں لیکن مزنیہ مقام اور وقت کے بارے میں ان کے بیان میں اختلاف ہوجائے تو شہادت باطل ہو جائے گی لیکن گواہوں پر حد قذف عائد نہیں ہوگی [۴]

---

[۱] الزیلعی فخرالدین عثمان بن علی : تبیین الحقائق : ۳ : ۱۹ مصر ۱۳۱۳ھ

[۲] ایضاً

[۳] عالمگیری : ۲ : ۱۵۳ طبع مصر ۱۳۱۰ھ

[۴] عالمگیری ۲ : ۱۵۲

الف۔ : اگر گواہ مزنیہ کی نسل اور وطن میں اختلاف کریں تو شہادت باطل ہو جائے گی مثلاً اگر دو گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم نے حبشی عورت سے زنا کیا اور دوسرے دو گواہوں نے کہا کہ ایرانی عورت سے زنا کیا تو شہادت باطل ہو جائے گی [۱]

ب۔ : اگر شہادتوں سے زانی پر زنا ثابت ہو جائے لیکن مزنیہ موجود نہ نہ ہو تب بھی حد زانی پر جاری ہو جائے گی۔ مثلاً چار گواہوں نے کہا کہ ملزم نے فلاں عورت سے زنا کیا اور مزنیہ موجود نہ ہو تو ملزم پر حد جاری ہو گی [۲]

ج۔ : اگر گواہوں نے کسی پرانے واقعہ زنا کے بارے میں شہادت دی اور ان کے بیانات مختلف ہو گئے تو اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان پر حد قذف عائد ہو گی یا نہیں۔ بعض کے نزدیک عائد ہو گی بعض کے نزدیک نہیں عائد ہو گی [۳]

شرح عنایہ میں ہے کہ اگر ایک ماہ یا ایک ماہ سے کم مدت میں پیش آنے والے زنا کی شہادت دی جائے تو شہادت قبول کی جائے گی اور ملزموں پر حد جاری ہو گی اور یہی صحیح ہے [۴]

---

[۱] عالمگیری ۲: ۱۵۳

[۲] ایضاً

[۳] قاضی خان فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی المتوفی ۵۹۲ھ: فتاوی قاضی خان علی ہامشہ عالمگیری ۳: ۲۷۴ طبع مصر ۱۳۱۰ھ

[۴] البابرتی اکمل الدین محمد بن محمود: شرح عنایہ علی الہدایہ بہامشہ فتح القدیر ۴: ۱۶۵ مصر

تیسری فصل

رجوع عن الشہادۃ

اگر زنا کی شہادت دینے والے گواہان یا ان میں کا کوئی گواہ اپنی شہادت سے رجوع کرلے یا اپنے بیان سے پھر جائے تو امام مالک کے نزدیک اس پر حد لگائی جائے گی۔ امام مالک کے نزدیک اگر چار گواہوں میں سے کوئی ایک گواہ بھی رجوع کرلے تو چاروں گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر چار گواہوں نے زنا کی شہادت دی اور مجرم کو رجم کردیا گیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک گواہ نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا (مثلاً یہ کہا کہ میں نے زنا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا یا میں نے جھوٹی گواہی دے دی تھی) تو صرف اس پر حد قذف عائد ہوگی اور دیت کا چوتھائی حصہ اسے ادا کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر چار گواہوں میں سے کسی ایک گواہ نے سزا کے

نافذ ہونے سے قبل رجوع کرلیا تو چاروں گواہوں پر حدقذف عائد ہو گی [1]

دفعہ ۱۸۰: اگر تمام گواہوں نے سزا کے نافذ ہونے کے بعد رجوع کرلیا تو تمام گواہوں پر حد قذف عائد ہو گی اور ملزم کے سنگسار ہو جانے کی صورت میں سب کے اموال سے دیت وصول کی جائے گی [2]

الف - : دوران نفاذ حد اگر کوئی گواہ رجوع کرلے تو حد فوراً ساقط ہو جائے گی مثلاً اگر زنا کے ملزم پر حد لگائی جا رہی تھی اور زنا نوے کوڑے لگ چکے تھے کہ کسی ایک گواہ نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو ایک کوڑا ساقط ہو جائے گا اور تمام گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی [3]

ب - : اگر شاہدین عدم احصان کی شہادت کی بنا پر حد نافذ ہو اور گواہ رجوع کر لیں تو ان پر تاوان عائد ہو گا۔ مثلاً اگر چار گواہوں نے کسی غیر محصن (غیر شادی شدہ) کے خلاف زنا کی گواہی دی اور ان کی شہادت کی بنیاد پر حاکم نے اس شخص کو سو کوڑوں کی سزا دی، کوڑے لگائے جانے کے بعد ملزم زخمی ہو گیا یا مر گیا اس کے بعد گواہوں نے اپنی شہادت

---

[1] التشریع الجنائی ۲ : ۳۳۴

[2] فتاوی قاضی خان علی ہامشہ عالمگیری ۳ : ۴۷۴

[3] ایضاً

سے رجوع کرلیا یا پتہ چلا کہ ان گواہوں میں سے ایک گواہ غلام تھا۔ (یاکسی اعتبار سے شہادت دینے کا اہل نہیں تھا) تو امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک ان گواہوں سے ضمان (تاوان) وصول کیا جائے گا [1] امام ابوحنیفہ کے نزدیک تاوان عائد نہیں ہوگا۔

ج - : شاہدین احصان اگر اپنی شہادت سے بعد نفاذ حد رجوع کربھی لیں تو بھی ان پر حد یا دیت عائد نہیں ہوتی، مثلاً اگر چار گواہ کسی شخص کے خلاف زنا کی شہادت دیں اور دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ ملزم محصن ہے اور اس بنیاد پر مجرم کو سنگسار کردیا جائے اس کے بعد احصان (شادی شدہ ہونا) کے گواہان اپنی شہادت سے رجوع کرلیں تو احصان کی شہادت دینے والے گواہوں پر نہ ضمان عائد ہوگا اور نہ حد بلکہ حد اور دیت زنا کی شہادت دینے والوں پر عائد ہوگی [2]

د - : زنا کے گواہان اگر رجوع کرلیں اور ان پر حد قذف نافذ ہونے سے قبل دوسرے چار گواہ شہادتِ زنا دے دیں تو حد قذف نہیں عائد ہوگی مثلاً چار گواہوں نے کسی شخص کے خلاف زنا کی شہادت دی اور

---

[1] فتاویٰ قاضی خان علی ہامش عالمگیری ۳ : ۴۷۴ ،

[2] ایضاً ۳ : ۴۷۳

بعد میں حاکمِ مجاز کی عدالت میں اقرار کر لیا کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی تھی تو ان پر حد قذف عائد کی جائے گی۔ لیکن اگر ان پر حد لگائے جانے سے قبل دوسرے چار گواہوں نے شخص مذکور کے خلاف زنا کی شہادت دے دی تو مشہود علیہ (جس کے خلاف شہادت دی جائے) پر حد جاری ہو گی اور پہلے چار گواہوں سے حد قذف ساقط ہو جائے گی [۱]

۸۔ : مرحوم کی موت سے پہلے اگر گواہ رجوع کر لیں تو ان پر حد قذف لگائی جائے گی مثلاً اگر چار گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر مشہود علیہ کو رجم کی سزا دی گئی لیکن ابھی مشہود علیہ کی موت واقع نہیں ہوئی تھی کہ بعض گواہوں نے رجوع کر لیا تو تمام گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی [۲]

۹۔ : اگر آٹھ گواہ زنا کی شہادت دینے کے بعد رجوع کر لیں تو آٹھوں پر حد قذف اور دیت عائد ہو گی۔ مثلاً اگر چار آدمیوں نے شہادت دی کہ مشہود علیہ نے فلاں عورت سے زنا کیا اور دوسرے چار گواہوں نے شہادت دی کہ مشہود علیہ نے فلاں دوسری عورت سے زنا کیا، اس بنیاد پر مشہود علیہ کو رجم کر دیا گیا۔ اس کے بعد آٹھوں گواہوں نے رجوع کر لیا تو آٹھوں پر حد قذف اور مشہود علیہ کی دیت واجب

---

[۱] عالمگیری ۲ : ۱۵۵

[۲] ایضاً

ہوگی [1]

دفعہ ۱۸۱: اگر زنا کے مقدمے میں پانچ گواہ ہوں اور ان میں سے ایک گواہ رجوع کرلے تو بھی مشہود علیہ پر حد جاری ہوگی [2]

الف۔ : اگر پانچ گواہ میں سے دو گواہ رجوع کرلیں تو دونوں پر حدقذف اور مرجوم کی دیت عائد ہوگی۔ مثلاً پانچ آدمیوں نے مشہود علیہ کے بارے میں زنا اور احصان کی شہادت دی اور ان کی شہادت کی بنیاد پر مشہود علیہ کو رجم کر دیا گیا۔ پھر ان میں سے کسی ایک گواہ نے رجوع کر لیا تو رجوع کرنے والے پر کوئی چیز عائد نہیں ہوگی۔ البتہ اگر مزید ایک اور گواہ نے رجوع کر لیا تو دونوں رجوع کرنے والوں پر دیت کا ایک چوتھائی حصہ عائد ہوگا اور دونوں پر حدقذف عائد ہوگی [3]

ب۔ : اگر مشہود علیہ کے سنگسار ہو جانے کے بعد پانچوں گواہ رجوع کر لیں تو پانچوں پر مشہود علیہ کی دیت عائد ہوگی [4]

ج۔ : اگر پانچ گواہوں نے مشہود علیہ کے خلاف زنا کی شہادت دی اور چونکہ مشہود علیہ غیر محصن تھا اس لیے حاکم نے اسے کوڑوں کی سزا دی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ ان پانچ گواہوں میں سے ایک شخص

---

[1] عالمگیری ۲ : ۱۵۵

[2] ایضاً

[3] ایضاً [4] ایضاً

محدود فی القذف تھا اور بعد میں بقیہ چار گواہوں نے شہادت سے رجوع کر لیا تو ان چار گواہوں پر حد قذف عائد ہو گی اور محدود فی القذف پر حد عائد نہیں ہو گی [۱]

د۔ : اگر چار مردوں اور چار عورتوں نے زنا کی شہادت سے بعد نفاذ حد رجوع کر لیا تو مردوں پر حد قذف جاری ہو گی عورتوں پر نہیں لیکن اگر نفاذ حد سے قبل رجوع کریں تو سب پر حد قذف عائد ہو گی، مثلاً چار مردوں اور چار عورتوں نے کسی غیر محصن کے خلاف زنا کی شہادت دی اور مشہود علیہ پر حد جاری کر دی گئی، اس کے بعد سب نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو مردوں پر حد قذف عائد ہو گی لیکن عورتوں پر عائد نہیں ہو گی۔ البتہ اگر مشہود علیہ پر حد جاری ہونے سے پہلے سب نے رجوع کر لیا ہو تو مردوں اور عورتوں سب پر حد قذف عائد ہو گی [۲]

ھ۔ : اگر چھ گواہوں میں سے تین رجوع کر لیں تو سب پر دیت اور حد قذف عائد ہو گی۔ مثلاً چھ گواہوں نے گواہی دی اور ان کی شہادت کی بنیاد پر مشہود علیہ کو رجم کر دیا گیا، پھر دو گواہوں نے رجوع کر لیا تو ان دونوں گواہوں پر کچھ عائد نہ ہو گا۔ البتہ اگر بقیہ چار گواہوں میں سے کسی ایک گواہ نے رجوع کر لیا تو ان چاروں گواہوں پر فرداً فرداً

---

[۱] عالمگیری ۲ : ۱۵۵

[۲] ایضاً

دیت کا چوتھائی عائد ہوگا اور رجوع کرنے والوں کو حد قذف لگائی جائے گی [1]

و۔ : اگر مشہود علیہ کے خلاف آٹھ گواہوں نے ایک زنا کی شہادت دی یا چار گواہوں نے ایک زنا کی اور دوسرے چار گواہوں نے دوسرے زنا کی شہادت دی اور اس بنیاد پر مشہود علیہ کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس کے بعد چار گواہوں نے رجوع کر لیا تو ان رجوع کرنے والوں پر نہ حد قذف عائد ہوگی اور نہ ضمان [2]

ز۔ : اگر کسی محصن کے خلاف اس کے چار بیٹوں یا حقیقی بھائیوں یا چچا زاد بھائیوں نے زنا کی شہادت دی اور قاضی نے انہیں عادل گواہ مان کر مشہود علیہ کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تو اس صورت میں قاضی گواہوں کو حکم دے گا کہ وہ رجم کا آغاز کریں اور اولاد نے اپنے باپ کو رجم کرنے کا آغاز کر دیا لیکن ان کے رجم سے باپ کی موت واقع نہ ہو سکی بلکہ بعد میں لوگوں نے رجم کیا اور مشہود علیہ کی موت واقع ہو گئی۔ اس کے بعد ایک گواہ نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تو رجوع کرنے والے پر اس کے اپنے مال سے دیت کا چوتھائی عائد ہوگا جسے وہ تین سال کی مدت میں مشہود علیہ (مرحوم) کے

---

[1] عالمگیری ۲ : ۱۵۵

[2] ایضاً

ورثاء کو ادا کرے گا اور مرحوم کے ورثاء اس کے حصے میں سے وہ رقم وصول کر لیں گے۔ لیکن اگر رجوع کرنے والے کے حصے سے دیت کا چوتھائی ادا نہ ہو رہا ہو تو باقی گواہوں سے بقیہ حصہ ادا کرایا جائے گا لیکن علماء نے لکھا ہے کہ رجوع کرنے والے سے دیت کا چوتھائی اسی صورت میں وصول کیا جائے گا جب کہ باقی گواہ یہ کہیں کہ ہمارے والد نے زنا کا ارتکاب کیا اور ہم نے اپنی شہادت کے مطابق ان کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا البتہ تو نے نہیں دیکھا تھا اور تو نے غلط شہادت دی تھی۔ لیکن اگر باقی گواہوں نے یہ کہا کہ: "تو نے بھی ہمارے ساتھ والد صاحب کو زنا کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اب تو ناجائز طور پر رجوع کر رہا ہے" تو ایسی صورت میں رجوع کرنے والے پر دیت کا چوتھائی عائد نہیں ہو گا بلکہ اس پر حد قذف عائد ہو گی [۱]

ح ۔ : اگر چار گواہوں نے کسی شخص کے خلاف زنا کی شہادت دی اور ان گواہوں کا تزکیہ کرایا گیا، تزکیہ کرنے والوں نے تبلایا کہ "یہ گواہ عادل، آزاد اور مسلمان ہیں" پھر ان گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر ملزم کو رجم کر دیا گیا۔ رجم کے بعد معلوم ہوا کہ گواہوں میں سے کوئی گواہ غلام یا کافر تھا۔ تو دوبارہ تزکیہ کرنے والوں سے

---

[۱] عالمگیری ۲ : ۱۵۶

دریافت کیا جائے گا اگر وہ کہیں کہ گواہ آزاد اور مسلمان ہی ہیں۔
یا کہیں کہ جس وقت ہم نے ان کا تزکیہ کیا تھا وہ مسلمان تھے بعد میں
وہ کافر ہو گئے یا وہ کہیں کہ ہم نے غلطی سے ان کو مسلمان لکھ دیا۔
تو ان تمام صورتوں میں ان پر ضمان عائد نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ کہیں
"گواہ دراصل کافر تھے اور ہمیں اس بات کا علم بھی تھا، اس کے
باوجود ہم نے انہیں مسلمان لکھدیا" تو اس صورت میں سنگسار ہونے
والے شخص کی دیت تزکیہ کرنے والوں پر عائد ہوگی [1]

۱۸۲: اگر کوئی گواہ قاضی کے سامنے شہادت دے تو وہ اپنی شہادت
سے رجوع بھی قاضی ہی کے سامنے کر سکتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ قاضی
کے علاوہ کسی دوسرے کے سامنے اپنی شہادت سے رجوع کرے
تو وہ رجوع معتبر نہیں [2]

الف۔ : اگر کوئی گواہ ایک حاکم کے سامنے شہادت دے اور کسی
دوسرے حاکم کے سامنے رجوع کرلے تو رجوع معتبر ہوگا [3]

ب۔ : اگر مدعیٰ علیہ اس بات کا ثبوت پیش کرے کہ گواہ نے فلاں

---

[1] شرح فتح القدیر ۴ : ۱۷۴

[2] امام ابوالولید ابراہیم لسان الحکام بہامشہ
معین الحکام : ۲۹ طبع مصر ۱۳۱۰ھ

[3] ایضاً۔

شخص کے سامنے (جو حاکم نہیں تھا) اپنی شہادت سے رجوع کر لیا ہے تو اس کا ثبوت رد کر دیا جائے گا [۱]

چوتھی فصل (۴)

شہادۃ علیٰ الشہادۃ

دفعہ ۱۸۳: شہادۃ علیٰ الشہادۃ اس کو کہتے ہیں جب کہ کوئی گواہ اپنی گواہی پر کسی کو گواہ بنائے۔ مثلاً حامد نے ساجد سے کہا کہ "تم میری اس شہادت پر گواہ بن جاؤ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے کلیم کو فلاں عورت کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا۔ اس قسم کی شہادت دیگر معاملات میں تو قابلِ قبول ہو جاتی ہے لیکن قتل اور حدود کے مقدمات میں قابلِ قبول نہیں ہوتی [۲] وجہ اس کی یہ ہے کہ ___

حدود قصاص کے مقدمات میں چونکہ معمولی سا شبہ پیدا ہونے کے باعث شہادت باطل ہو جاتی ہے اس لیے ان کے مقدمات میں شہادۃ علیٰ الشہادۃ مقبول نہیں [۳] البتہ امام مالکؒ کے نزدیک زنا کے مقدمات میں بھی شہادۃ علیٰ الشہادہ مقبول ہے [۴]

---

[۱] بدائع الصنائع ۶ : ۲۸۵

[۲] العینی : شرح کنزالدقائق ۳ : ۲۴۶ طبع نولکشور

[۳] ایضاً

[۴] امام مالک بن انس : المدونۃ الکبریٰ : ۶ : ۲۴۵ طبع بیروت

پانچویں فصل

احصان

دفعہ ۱۸۴: رجم (سنگسار کرنا) کے لیے ضروری ہے کہ زانی اور زانیہ محصن ہوں۔ غیر محصن کو رجم نہیں کیا جائے گا بلکہ از روئے قرآن ان کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔

قرآنِ کریم میں ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا	زناکار عورت اور زناکار مرد
كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ	ہر ایک کو ان دونوں میں سے
جَلْدَةٍ (النور: ۲)	سو سو کوڑے مارو

احصان کے لغوی معنی "قلعہ میں داخل ہونے یا رک جانے کے ہیں"[۱]

قرآن کریم میں یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔

(الف) شادی شدہ ہونا۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ (النساء: ۲۴)

(ترجمہ) (حرام ہیں تم پر) شادی شدہ عورتیں (جو دوسروں کے نکاح میں ہوں)

(ب) آزاد ہونا۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ

---

[۱] التشریع الجنائی ۲: ۳۸۹

الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ
الْمُؤْمِنَاتِ (النساء : ۲۵)

ترجمہ: اور تم میں سے جو شخص اس بات کی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد
مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو وہ تمہاری مسلمان کنیزوں
سے جو تمہاری ملک (شرعی) میں ہوں (نکاح کرے)

اس آیت کریمہ میں احصان آزاد ہونے کے معنی میں آیا ہے۔

(ج) احصان عفت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِىٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا
(التحریم : ۱۲)

ترجمہ: (اور دوسری مثال بیان کرتا ہے) مریم بنت عمران کی جنہوں
نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا۔

یہاں احصان عفت کے معنیٰ میں ہے۔

(د) احصان کے لیے مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ آیت کریمہ ہے:

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ الخ (النساء : ۲۵)

ترجمہ: اور جب وہ کنیزیں (مسلمان ہوکر) نکاح کی قید میں آجائیں
اور اس کے بعد بدکاری کا ارتکاب کریں (تو ان کی سزا آزاد
عورتوں کے مقابلے میں آدھی ہوگی)

مذکورہ آیات سے ثابت ہوا کہ محصن اس کو کہتے ہیں جو شادی شدہ

آزاد، عفیف، مسلمان اور عاقل و بالغ ہو۔

شرائطِ احصان

دفعہ ۱۸۵ : ضروری ہے کہ محصن نے نکاح صحیح کے ساتھ اپنی بیوی سے مباشرت کی ہو لہٰذا وہ شخص محصن نہیں کہلائے گا جس نے صرف نکاح کیا ہو اور اپنی بیوی سے مباشرت نہ کی ہو[1]

الف : ضروری ہے کہ نکاح صحیح ہوا ہو لہٰذا اگر کسی شرعی وجہ سے اس کا نکاح فاسد قرار پا جائے تو وہ شرع کے مطابق محصن نہیں مانا جائے گا[2]

ب۔ : ضروری ہے کہ محصن عاقل اور بالغ ہو لہٰذا اگر کسی نابالغ یا مجنون سے زنا سرزد ہو جائے اور زنا کے بعد وہ بالغ ہو جائے یا صحیح الدماغ ہو جائے تو غیر محصن کی سزا دی جا سکتی ہے، محصن کی نہیں[3]

ج۔ : ضروری ہے کہ محصن نے جب نکاح صحیح کے بعد اپنی بیوی سے مباشرت کی تھی تو دونوں عاقل و بالغ رہے ہوں لہٰذا نکاح صحیح کے

---

[1] التشریع الجنائی ۲ : ۳۹۱

[2] ایضاً

[3] ایضاً ۲ : ۳۹۲

بعد اگر محصن نے اپنی بیوی سے مباشرت کی، دراں حالیکہ اس کی بیوی دیوانی یا نابالغ تھی تو اس صورت میں نہ تو بیوی محصنہ مانی جائے گی اور نہ شوہر محصن، یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ امام مالک کے نزدیک شوہر محصن مانا جائے گا [1]

د۔ : ضروری ہے کہ محصن نے کسی مسلمان، عاقل، بالغ اور آزاد عورت سے نکاح صحیح کے بعد اس سے مباشرت کی ہو لہٰذا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی مسلمان نے کسی عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح کیا اور اس سے مباشرت کی تو وہ محصن نہیں مانا جائے گا۔ اور اگر وہ زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی حد سو کوڑے ہیں، بشرطیکہ یہ امر شہادتِ شرعی سے ثابت ہو جائے [2]

دفعہ ١٨٦: اگر شہادت سے یہ ثابت ہو جائے کہ کسی محصن نے غیر محصن سے زنا کیا تو محصن کو رجم کیا جائے گا، اور غیر محصن کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی [3]

---

[1] شرح فتح القدیر ٤ : ١٣١

[2] ایضاً

[3] التشریع الجنائی ٢ : ٣٩٤

چھٹی فصل

زنا کے گواہوں کی خصوصیات

دفعہ ۱۸۷ : ضروری ہے کہ زنا کے گواہوں میں وہ تمام خصوصیات پائی جائیں جو عام گواہوں میں از روئے شرع ہونا ضروری ہیں، لیکن زنا کے گواہوں میں ان کے علاوہ بھی چند شرائط اور خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے

الف۔ مرد ہونا :

الف۔ ضروری ہے کہ زنا کے چار گواہ مرد ہوں کیونکہ عورت کی شہادت جمہور فقہاء کے نزدیک واقعۂ زنا کے بیان میں مقبول نہیں [1] البتہ علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک تین مرد اور دو عورتوں کی یا دو مرد اور چار عورتوں کی یا ایک مرد اور چھ عورتوں کی، حتیٰ کہ آٹھ عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی [2]

ب۔ چشم دید گواہ ہونا :

ب۔ ضروری ہے کہ گواہوں نے اصالتاً واقعۂ زنا کا اس کی تمام شرعی تفصیلات کے ساتھ مشاہدہ کیا ہو۔ اسی بناء پر امام ابوحنیفہؒ کے

---

[1] شرح فتح القدیر ۴ : ۱۱۴

[2] ابن حزم ابو محمد علی الظاہری : المحلّیٰ : ۹ : ۳۸۲ طبع مصر

نزدیک شہادۃ علیٰ الشہادۃ اور سماعی شہادت قابلِ قبول نہیں [1]

ج - : **بروقت ادائے شہادت**

ضروری ہے کہ مناسب مدّت کے اندر اندر شہادت دی جائے اور زنا کا واقعہ گزرے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو ورنہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہادت رد کر دی جائے گی [2]

د - : **مجلس واحد میں شہادت**

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ضروری ہے کہ چاروں گواہ ایک ہی مجلس میں حاکم مجاز کے سامنے حاضر ہو کر گواہی دیں [3]

ھ - : **گواہوں کی تعداد**

ضروری ہے کہ چار چشم دید گواہ شہادت دیں۔

قرآن کریم میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (النور : ۴)

ترجمہ: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں، انہیں اسی کوڑے مارو۔

---

[1] التشریع الجنائی ۲ : ۴۱۱

[2] بدائع الصنائع ۷ : ۴۶

[3] ایضاً ص ۴۸

۹ - : شہادت میں یکسانیت

ضروری ہے کہ شہادت میں تمام گواہوں کے بیان یکساں ہوں، اگر ان کے بیان میں اختلاف ہو تو قاضی ان کے بیان کو رد کر سکتا ہے ؎۱

س - : حاکم کا ذاتی علم

جمہور فقہاء کے نزدیک اگرچہ حاکم نے بچشم خود واقعۂ زنا کا مشاہدہ کیا ہو تاہم وہ اپنے علم و مشاہدہ کی بنیاد پر مقدمے کا فیصلہ نہیں کر سکتا ؎۲ کیونکہ قرآن کریم میں ہے:

فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ (النساء : ۱۴)

ترجمہ: کہ ان پر تم اپنے میں سے چار آدمیوں کو گواہ بنا لو۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لو رأیت احداً علی حدٍ لم احدہ حتی تقوم البینۃ عندی

ترجمہ: اگر میں کسی شخص کو اپنی آنکھوں سے موجبِ حد جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے بھی دیکھوں تب بھی میں اس پر اس وقت تک حد نہیں جاری کر سکتا جب تک کہ میرے سامنے اس کا ثبوت نہ آجائے ؎۳

؎۱ المغنی: ۱۰ : ۱۸۳
؎۲ بدائع الصنائع ۷ : ۵۲
؎۳ التشریع الجنائی ۲ : ۴۳۱

قرائنِ قاطعہ

دفعہ ۱۸۸ : زنا پر سب سے زیادہ معتبر قرینہ جسے قرینہ قاطعہ کہہ سکتے ہیں یہ ہے کہ کوئی کنواری عورت حاملہ ہو جائے یا شادی شدہ عورت شادی (خلوتِ صحیحہ) کے بعد چھ ماہ گزرنے سے قبل ہی بچہ جن دے، حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا ہے :

یا ایھا الناس! ان الزنا زنا آن زنا سرو زنا علانیۃ فزنا السران یشھد الشھود فیکون الشھود اوّل من یرمی و زنا العلانیۃ ان یظھر الحبل اوالاعتراف فیکون الامام اول من یرمی لہ

ترجمہ: لوگو! زنا کی دو قسمیں ہیں ایک خفیہ زنا اور دوسرا علانیہ زنا۔ خفیہ زنا تو یہ ہے کہ گواہ گواہی دیں (اور زنا ثابت ہو جائے) اس صورت میں (سنگسار کرتے وقت) سب سے پہلے گواہوں کو پتھر مارنا ہوگا، اور علانیہ زنا یہ ہے کہ (کنواری) عورت کو حمل ہو جائے یا کوئی زانی یا زانیہ اعتراف کرلے۔ اس صورت میں سب سے پہلے حاکم پتھر مارے۔

الف۔ : امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کنواری عورت بچہ بھی جن دے تب بھی فوراً اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی

لہ المغنی ۱۰ : ۱۹۳

بلکہ اس سے اس حمل کے بارے میں دریافت کیا جائے گا اور اگر وہ کہے کہ "اس کے ساتھ کسی شخص نے بالجبر زنا کیا تھا اور اس کی وجہ سے اسے حمل ہوا یا اپنی بیوی کے شبہے میں کسی نے اس سے مباشرت کر لی تھی اس وجہ سے حمل ہوا یا اس نے زنا کا اعتراف ہی نہیں کیا تو ان تمام صورتوں میں اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر عورت اجنبی نہ ہو اور اسی شہر کی رہنے والی ہو جہاں یہ واقعہ پیش آیا اور بالجبر زنا کی کوئی علامت بھی ظاہر نہ ہو مثلاً اس نے ایسے وقت میں چیخ پکار بھی نہیں کی نہ اس نے کسی سے مدد طلب کی تو سمجھا جائے گا کہ اس نے رضامندی سے زنا کا ارتکاب کیا اس لیے اس پر حد جاری ہو گی (پاکستان کے موجودہ معاشرے کی اخلاقی حالت کو پیش نظر رکھ کر علماء کو چاہیئے کہ امام مالک کی رائے پر غور فرمائیں۔ راقم الحروف کے خیال میں امام مالک کی رائے ہمارے حالات سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے)

ساتویں فصل

اقرارِ جرم

دفعہ ۱۸۹: مجرم کا اقرار بھی اپنے نفس پر شہادت کے حکم میں ہے۔ اس لیے امام صاحب اور امام احمد کے نزدیک ضروری ہے کہ زنا کے مقدمے میں مجرم چار مرتبہ اقرار کرے (کیونکہ زنا میں چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس طرح ہر مرتبہ کا اقرار ایک گواہ کی گواہی کے مساوی ہوگا [۱]

دفعہ ۱۹۰: زانی اور زانیہ کے اقرار شرعی سے زنا کا جرم ثابت ہو جاتا ہے [۲] اور مجرم پر حد جاری ہوگی۔

صحیح بخاری شریف میں ماعز اسلمی کا واقعہ منقول ہے:

عن جابر ان رجلا من اسلم جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعترف بالزنا فاعرض عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی شھد علی نفسہ اربع مرات قال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابک جنون قال لا قال احصنت قال نعم فامربہ فرجم

---

[۱] التشریع الجنائی ۲ : ۴۳۲

[۲] ایضاً ص : ۴۳۳

بالمصلی [1]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص (ماعز اسلمی) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا (وہ اعتراف کرتا رہا اور آپ اپنا رخ مبارک پھیرتے رہے) تا آنکہ اس نے اپنے گناہ پر چار مرتبہ شہادت دی۔ تب آپ نے اس سے دریافت فرمایا "کیا تو پاگل ہو گیا ہے" اس نے عرض کیا "نہیں" پھر آپ نے دریافت فرمایا "کیا تو شادی شدہ ہے؟" اس نے کہا "ہاں" تب آپ کے حکم سے اسے عیدگاہ میں رجم کر دیا گیا۔

اس حدیث میں حتی شھد علی نفسہ اربع مرات کا جملہ قابلِ غور ہے۔ کیونکہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جرم کا اقرار بمنزلہ شہادت علی النفس کے ہے۔

اقرار کا ایک واقعہ جامع ترمذی میں بھی منقول ہے:

عن عمران بن حصین ان امرأۃ من جھینۃ اعترفت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالزنا وقالت انا حبلی فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیھا فقال احسن الیھا فاذا وضعت حملھا فاخبرنی ففعل فامر بھا فشدت علیھا ثیابھا ثم امر برجمھا فرجمت

---

[1] امام بخاری: صحیح البخاری: ۲: ۱۰۰۷ طبع دہلی ۱۳۲۵ھ

ثم صلّٰی علیہا [1]

ترجمہ: حضرت عمران رضؓ بن حصین سے روایت ہے کہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنا کا اعتراف کیا (اعتراف کی تفصیلات حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں) تو آپ نے اس کے ولی کو طلب فرما کر حکم دیا کہ اسے اس وقت تک اپنے پاس رکھو جب تک کہ بچہ پیدا نہ ہو جائے، جب بچہ ہو جائے تو مجھے مطلع کرنا۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا (اور ولادت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا) تو آپ کے حکم سے عورت کے بدن پر اس کا کپڑا لپیٹ دیا گیا اور آپ ہی کے حکم سے اسے رجم بھی کر دیا گیا۔ رجم کے بعد آپ نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

دفعہ ۱۹۱: ضروری ہے کہ اقرار کرنے والا عاقل اور بالغ ہو اور چار مرتبہ اقرار کرے۔ مجنون اور نابالغ کا اقرار یا چار سے کم مرتبہ کا اقرار قابل قبول نہیں [2]

دفعہ ۱۹۲: اگر گونگا اشارہ یا تحریر کے ذریعہ اقرار کرے تو حد واجب نہیں ہو گی کیونکہ اس قسم کے اقرار کو صریح اقرار نہیں مانا جاتا [3]

---

[1] جامع الترمذی: ۲۲۶ طبع نور محمد کراچی

[2] شرح فتح القدیر ۴: ۱۱۷

[3] ایضاً

دفعہ ۱۹۳ : اگر خصی اور نامرد یا ایسی عورت زنا کا اقرار کرے جس میں جسمانی طور پر مباشرت کی صلاحیت ہی نہ ہو تو ان لوگوں کا اقرار معتبر نہیں اس لیے ان پر حد جاری نہیں ہو گی [1]

الف۔ : اکثر حنفی علماء کی رائے ہے کہ ضروری ہے کہ مجرم مختلف مجالس میں چار مرتبہ اقرار کرے ورنہ اقرار معتبر نہ ہو گا [2]

اور ان کی دلیل مسلم شریف کی مندرجہ ذیل روایت ہے:

عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ قال جاء ماعز بن مالک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ طھرنی فقال ویحک ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ قال فرجع غیر بعید ثم جاء فقال یا رسول اللہ طھرنی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل ذالک حتی اذا کانت الرابعۃ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیم اطھرک فقال من الزنا فسال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابہ جنون فاخبر انہ لیس بمجنون فقال اشرب خمراً فقام رجل فاستنکہ فلم یجد منہ ریح خمر قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] شرح فتح القدیر ۴ : ۱۱۷

[2] ایضاً

وسلم اذینت قال نعم فامربہ فرجم الی آخر الحدیث [ل]

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ماعز بن مالک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک) مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا تیرا بھلا ہو چلا جا اور جا کر اللہ سے مغفرت طلب کر اور توبہ کر ماعز لوٹ گئے، لیکن تھوڑی دُور جانے کے بعد پھر واپس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک مجھے پاک کیجئے آپ نے دوبارہ اسی طرح ماعز کو واپس کر دیا۔ اسی طرح وہ آ کر اعتراف کرتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں واپس لوٹاتے رہے یہاں تک کہ جب وہ چوتھی مرتبہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا میں تجھے کس گناہ سے پاک کر دوں؟ اس نے کہا زنا سے۔ آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا "کیا یہ پاگل ہے؟" لوگوں نے تبلایا کہ یہ پاگل تو نہیں ہیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا "اس نے شراب تو نہیں پی رکھی ہے؟" ایک آدمی نے کھڑے ہو کر حضرت ماعز کا منہ سونگھا اور بتلایا کہ شراب کی بو اس نے نہیں پائی۔ تب پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت

[ل] امام مسلم ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری م (۲۶۱ھ): صحیح مسلم شریف ۲: ۶۹ طبع دہلی ۱۳۰۹ھ

فرمایا کیا تو نے زنا کیا ہے؟" ماعز نے کہا "جی ہاں" تب آپ کے حکم سے حضرت ماعز اسلمی کو سنگسار کر دیا گیا۔

حنفی علماء اس روایت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ماعز اسلمیؓ نے مختلف مجلسوں میں جب اقرار کیا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد جاری فرمائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ مجرم کا مختلف مجالس میں چار مرتبہ اقرار کرنا لازمی ہے۔

ب۔ : جب چار مرتبہ چار مجلسوں میں اقرار کر لے تو ضروری ہے کہ قاضی اس سے مندرجہ ذیل سوالات کرے:

(الف) زنا سے تم کیا سمجھتے ہو، یعنی تمہارے خیال میں زنا کس کو کہتے ہیں؟

(ب) تم نے کس طرح زنا کیا؟ تمام تفصیلات تبلاؤ۔

(ج) کہاں زنا کیا؟

(د) کس کے ساتھ زنا کیا؟

اگر اقرار کرنے والا ان تمام سوالات کے جواب صحیح صحیح دے دے تو اس پر حد جاری ہو گی ورنہ نہیں [1]

دفعہ ۱۹۴: اقرار کو قبول کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اقرار مفصل ہو اور

---

[1] ہدایہ ۲ : ۴۸۸

حقیقت فعل کو اس طرح ظاہر کرنے والا ہو کہ کسی قسم کے شبہے کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ سبل السلام میں حضرت ماعزؓ کے اقرار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شبہے کو دفع کرنے کے لیے جو سوالات ان سے کیے تھے وہ تمام کے تمام بالتفصیل مذکور ہیں [۱]

دفعہ ۱۹۵ : جس وقت زانی زنا کا اقرار کر رہا ہو اس وقت مزنیہ کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی غائب عورت سے زنا کرنے کا اقرار کرے تو معترف پر حد واجب ہو جائے گی [۲]

دفعہ ۱۹۶ : قاضی کیلئے یہ درست نہیں کہ وہ بات کو گھما پھرا کر یا ملزم کو پھانس کر اس سے اعتراف جرم کرائے بلکہ اگر وہ اعترافِ جرم پر اپنی ناپسندیگی کا اظہار کرے تو زیادہ مستحسن ہے ۔ علامہ فرید وجدی نے دائرۃ المعارف میں لکھا ہے :

وقد قال المشترعون الاسلاميون ان القاضي مندوب له الاحتيال لدرء الحد [۳]

ترجمہ : علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ قاضی کو تو اس بات کی طرف مائل کیا گیا ہے (اور اس کے لیے مستحسن ہے کہ) حد کو دفع کرنے کے لیے راستے

---

[۱] امیر کحلانی محمد بن اسماعیل : سبل السلام : ۴ : ۷ طبع مصر

[۲] المغنی ۱۰ : ۱۶۸

[۳] محمد فرید وجدی : دائرہ معارف القرآن العشرین : ۳ : ۳۷۸ طبع مصر ۱۹۶۷ھ

پیدا کرے۔

دفعہ ۱۹۷ : اگر قاضی نے مجلس قضا کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر ملزم کا اقرارِ جرم اپنے کانوں سے سنا تو وہ اس اقرار کی بنیاد پر مقدمے کا فیصلہ کر کے حد جاری نہیں کر سکتا [۱]

دفعہ ۱۹۸ : ضروری ہے کہ اقرار جرم کسی مقر مختار ذی ہوش سے صادر ہو، لہٰذا اگر کسی نے اقرار کیا کہ حالتِ نوم میں اس نے نادانی میں کسی غیر عورت سے مباشرت کر لی ہے تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی [۲]

الف۔ : جو شخص سویا ہوا ہو، اگر حالت نوم میں اقرار کرے تو اس کا اقرار قابلِ التفات نہیں ہوتا [۳]

ب۔ : نابینا اگر ارتکاب زنا کا اقرار کرے تو اقرار معتبر ہوگا اور اس پر حد جاری ہوگی [۴]

دفعہ ۱۹۹ : اقرار وہی معتبر ہوتا ہے جو حاکم مجاز کی عدالت میں کیا جائے لہٰذا وہ اقرار بھی معتبر نہیں جو تھانے میں کیا جائے۔

۱؎ التشریع الجنائی ۲ : ۴۴۰

۲؎ ایضاً ص : ۴۳۶

۳؎ المغنی ۱۰ : ۱۷۰

۴؎ ایضاً

آٹھویں فصل

رجوع عن الاقرار

(اقرار سے پھر جانا)

دفعہ ۲۰۰: مقر اپنے اقرار سے مقدمے کا فیصلہ ہونے سے قبل یا فیصلہ ہونے کے بعد، حد جاری ہونے سے قبل یا حد جاری ہونے کے بعد بھی رجوع کر سکتا ہے اور اس کا رجوع قبول کیا جائے گا[1]

الف: اگر مقر پر حد جاری ہو رہی ہو (اسے رجم کیا جا رہا ہو یا کوڑے مارے جا رہے ہوں) اور اسی حالت میں وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو فوراً کوڑے مارنا یا رجم کرنا موقوف کر دیا جائے گا[2]

ب: اگر کوڑے مارنے یا رجم کے دوران مقر بھاگ جائے تو اسے

---

[1] التشریع الجنائی ۲ : ۴۳۸

[2] بدائع الصنائع ۷ : ۶۱

نہ تو دوبارہ پکڑا جائے گا اور نہ اس پر بقیہ حد جاری کی جائے گی کیونکہ فقہاء کے نزدیک مقر کا بھاگ جانا رجوع عن الاقرار کے مترادف ہوتا ہے [۱] ان کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ماعزؓ کے بارے میں جب کہ وہ رجم کے دوران بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور حضرت عبداللہ بن انیس نے اونٹ کی ایک ہڈی سے ایسا مارا کہ وہ ہلاک ہو گئے۔ یہ قول ہے:

هلا ترکتموه لعله ان يتوب فيتوب الله عليه [۲]

ترجمہ: تم لوگوں نے (جب کہ وہ بھاگ رہا تھا) اسے چھوڑ کیوں نہ دیا، ہو سکتا تھا کہ وہ توبہ کر لیتا، اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا۔

دفعہ ۲۰۱: جس طرح زنا کے اقرار سے رجوع کرنا درست ہے اور اقرار نافذ ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی مقر یہ اقرار کرے کہ وہ محصن ہے اور قاضی کے فیصلے سے قبل یا بعد یا نفاذ حد سے قبل یا نفاذ حد کے دوران اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کا رجوع معتبر ہو گا۔ مثلاً کسی زنا کے اقرار کرنے والے نے یہ بھی اقرار کیا تھا کہ وہ محصن ہے اور اس کے اس اقرار کی بنا پر حاکم نے اس کے لیے رجم کی سزا تجویز کر دی لیکن بعد میں اس نے اپنے اقرار بالاحصان سے رجوع کر لیا تو اب اسے رجم نہیں کیا

---

[۱] بدائع الصنائع ۷: ۶۱

[۲] ابو داؤد سلیمان السجستانی: سنن ابی داؤد: ۴: ۲۰۵ طبع مصر ۱۳۵۱ھ

جائے گا بلکہ اس پر غیر محصن کی سزا (سو کوڑے) نافذ کی جائے گی [1]

الف۔ اگر کسی ملزم کے خلاف چار شرعی گواہوں نے زنا کی شہادت دے دی اس کے بعد ملزم نے زنا کا اقرار کر لیا اور حاکم نے فیصلہ کر دیا کہ اس پر حد جاری کی جائے۔ اس کے بعد مقر اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک حد ساقط ہو جائے گی [2] خواہ وہ صراحتاً اپنے اقرار سے رجوع کرے یا دلالتاً (یعنی بھاگ جائے) لیکن امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک حد ساقط نہیں ہو گی [3] یہ زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

ب۔ : اگر اجرائے حد کے دوران مقر یہ کہے کہ مجھے حاکم کے پاس واپس لے چلو تو اس کو واپس لے جانا واجب ہے اور اب اس پر حد کو مکمل کرنا جائز نہ ہو گا۔ البتہ اگر کوئی جلاد یا سنگسار کرنے والے غلطی سے اس پر حد کو مکمل کر دیں تو ان پر ضمان عائد نہیں ہو گا [4]

---

[1] بدائع الصنائع ۷ : ۶۱

[2] شرح فتح القدیر : ۴ : ۱۲۴

[3] المقدسی ابوالنجاء شرف الدین موسے الحجادی متوفی ۹۶۸ھ : الاقناع ۴ : ۲۵۶ طبع مصر

[4] المغنی ۱۰ : ۱۷۴

باب پنجم

قذف کی شہادت

پہلی فصل ادائے شہادت

دفعہ ۱۰۲ : قذف کو ثابت کرنے کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہے [1]

الف - : قذف کو ثابت کرنے کے لیے صرف عورتوں کی شہادت کافی نہیں ہوتی [2]

ب - : جب مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہو) عدالت مجاز میں دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے اس پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرے تو حاکم مجاز کا فرض ہے کہ گواہوں سے مندرجہ ذیل سوالات کرے :

(الف) قذف کسے کہتے ہیں ؟ (یعنی تم یہ جو کہہ رہے ہو کہ فلاں شخص نے زنا کی تہمت لگائی ہے تو تم نے قاذف کے کس بیان سے یہ سمجھا کہ وہ مقذوف پر تہمت لگا رہا ہے یا اس نے تہمت لگائی ہے ؟

---

[1] ابن النجیم : البحر الرائق ۵ : ۳۰

[2] ایضاً

(ب) قاذف نے کس طرح تہمت لگائی؟ زبانی یا تحریری، تنہائی میں یا مجمع میں؟)

(ج) کس مقام پر قاذف نے تہمت لگائی؟

(د) کس وقت تہمت لگائی؟ [1]

دفعہ ۲۰۳ : اگر دونوں گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ قاذف نے مقذوف کو "اے زانی" کہہ کر مخاطب کیا تو گواہوں کا بیان تسلیم کر لیا جائے گا اور قاذف پر حد لگائی جائے گی [2]

دفعہ ۲۰۴ : اگر مقذوف حاکم مجاز کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے کہ فلاں قاذف نے میرے اوپر زنا کی تہمت لگائی ہے اور گواہ اسی شہر میں موجود ہیں تو حاکم کو چاہیئے کہ وہ قاذف کو قید کرے اور مقذوف سے کہے کہ وہ گواہ پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کرے اگر مقذوف گواہ پیش کر دے تو قاذف پر حد لگائے ورنہ اسے رہا کر دے [3]

الف : اگر مقذوف دعوے دائر کرے اور ایک گواہ پیش کر دے اور دوسرے گواہ کے بارے میں کہے کہ وہ اسی شہر میں موجود ہے اسے میں بہت جلد پیش کر دوں گا تو حاکم کو چاہیئے کہ قاذف کو قید میں ڈال دے [4]

---

[1] ابن النجیم : بحرالرائق ۵ : ۳۰

[2] بحرالرائق ۵ : ۳۰

[3] ایضاً

[4] ایضاً

ب - : اگر مقذوف دعویٰ دائر کرے اور حاکم مجاز سے کہے کہ میرے گواہ اس شہر سے باہر ہیں یا ایک گواہ پیش کر دے اور دوسرے گواہ کے بارے میں کہے کہ وہ شہر سے باہر ہے تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ گواہوں کو یا ایک گواہ کو تین دنوں کے اندر اندر مقذوف لاکر حاضر کر سکتا ہے یا نہیں بصورت اوّل حاکم قاذف کو قید میں ڈال دے گا اور بصورت آخر حسبِ فتاویٰ خانیہ وظہیریہ حاکم قاذف کو قید میں نہیں ڈالے گا [1]

ج - : اگر مقذوف دو گواہ پیش کرے لیکن قاضی گواہوں کی عدالت سے واقف نہ ہو (یعنی گواہ مستور الحال ہوں) تو اسے چاہیئے کہ جب تک گواہوں کی عدالت ظاہر نہ ہو جائے، قاذف کو قید میں رکھے [2]

دفعہ ۲۰۵: اگر مقذوف قاذف پر دعوےٰ کرے کہ اس نے اس پر زنا کی تہمت لگائی اور وہ دعوےٰ قاذف کے اقرار یا گواہان کے بیانات سے ثابت ہو جائے تو قاذف سے کہا جائے گا کہ وہ شرعی شہادتیں پیش کرکے مقذوف کے خلاف زنا ثابت کرے اگر وہ ثابت کر دے تو مقذوف پر زنا کی حد لگائی جائے گی، ورنہ قاذف پر حدِ قذف لگے گی [3]

---

[1] بحرالرائق ۵ : ۳۰

[2] کتاب الاختیار : ۱۴۸

الف -: اگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں یہ گواہی دیں کہ مقذوف نے ان کے سامنے زنا کا اقرار کیا تھا تو قاذف سے حد قذف ساقط ہو جائے گی [۱]

ب - : اگر مقذوف قاذف پر زنا کی تہمت لگانے کا دعوےٰ کرے لیکن گواہ نہ پیش کرے بلکہ مدعیٰ علیہ کے انکار پر اس سے حلف کا مطالبہ کرے تو مدعیٰ علیہ پر حلف عائد نہ ہو گا [۲]

دفعہ ۲۰۶ : جب تک مقذوف کی طرف سے قاذف کے خلاف عدالتِ مجاز میں دعوےٰ دائر نہ ہو قذف کی شہادت قبول نہیں کی جا سکتی [۳]

دفعہ ۲۰۷ : اگر قاضی اپنے زمانۂ قضا میں کسی کے تہمتِ زنا لگانے سے واقف ہو تو وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قاضی کے سامنے کسی شخص پر زنا کی تہمت لگائے تو قاضی اس پر حد جاری کرے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی شخص کے تہمتِ زنا لگانے سے واقف ہوا اور اس کے بعد وہ قاضی ہو جائے تو اسے یہ حق نہیں کہ اپنے سابق علم کی بنیاد پر کسی کو حد قذف لگائے جب تک کہ گواہان قذف کی گواہی نہ دیں [۴]

دفعہ ۲۰۸ : اگر قاذف زنا کے گواہوں کو پیش کرنے کے لیے مہلت طلب

---

[۱] کتاب الاختیار ص : ۱۵۳ [۲] عالمگیری ۲ : ۱۶۴
[۳] قاضی خاں علیٰ ہامش عالمگیری ۳ : ۴۷۵
[۴] کتاب الاختیار : ۱۵۴

کرے تو اسے مہلت دی جا سکتی ہے۔ مثلاً قاذف پر قذف ثابت ہو جانے کے بعد قاذف یہ کہے کہ میرے پاس مقذوف کے زنا کے گواہ موجود ہیں۔ مجھے انہیں پیش کرنے کی اجازت دی جائے تو قاضی تابرخواست عدالت قاذف کو مہلت دے گا کہ وہ زنا کے گواہوں کو پیش کرے لیکن اسے حوالات میں رکھے گا اور اسے حکم دے گا کہ کسی کو بھیج کر اپنے گواہوں کو بلا لو۔ ابن رستم نے امام محمد سے روایت نقل کی ہے کہ اگر قاذف کے پاس کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جو اس کے گواہوں کو بلا لائے تو قاضی اسے رہا کر دے گا اور اس کے ہمراہ ایک سپاہی کو بھیجے گا کہ دونوں جا کر گواہوں کو لائیں۔ بعض علماء احناف کا خیال ہے کہ اسے اتنی مہلت دینے کی ضرورت نہیں۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ مقدمے کی کارروائی دوسرے دن پر ملتوی کر دی جائے اور قاذف کو موقع دیا جائے۔ کہ وہ اپنے اوپر سے حد کو دفع کرے [1]

دفعہ ۲۰۹: اگر قاذف نے دو مرد گواہ یا ایک مرد اور عورتوں کو بطور گواہ پیش کیا اور انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ "مقذوف نے ہمارے سامنے زنا کا اقرار کیا تھا" تو قاذف سے حد ساقط ہو جائے گی [2]

---

[1] شرح فتح القدیر ۴ : ۲۱۰

[2] ایضاً

دفعہ ۲۱۰ : قاضی کے لیے یہ درست نہیں کہ گواہ کے بیان دینے کے دوران اسے وہ باتیں صراحتہً یا کنایتہً بتلائے جس سے حد کا مقدمہ ثابت ہوتا ہو [1]

دفعہ ۲۱۱ : زیادہ مدت گزر جانے کے بعد اگر زنا، چوری اور شراب نوشی کے مقدمے میں گواہی دی جائے تو شہادت معتبر نہیں ہوگی۔ لیکن قذف کے مقدمات میں معتبر ہوتی ہے [2]

الف۔ : اگر قاذف نے عدالت میں کہا کہ میرے گواہ شہر میں ہیں اور انہیں حاضر کر دوں گا، لیکن وہ حاضر نہ کر سکا اور حاکم نے اس پر حد قذف لگانے کا حکم دے دیا۔ جس وقت حد لگائی جا رہی تھی عین اسی وقت قاذف کے گواہ آ گئے، انہوں نے شہادت دی اور حاکم نے ان کی شہادت قبول کر لی تو بقیہ کوڑے ساقط ہو جائیں گے اور مقذوف پر زنا کی حد لگائی جائے گی۔ لیکن اگر ایسی صورت پیش آئی کہ قاذف کے گواہوں کی آمد سے پہلے ہی قاذف پر حد لگ چکی تھی اس کے بعد اس کے گواہوں نے عدالت میں حاضر ہو کر شہادت دی اور ان کی شہادت قبول کر لی گئی تو اب قاذف کو مردود الشہادۃ نہیں قرار دیا جائے گا اور مقذوف پر زنا کی حد لگائی جائے گی [3]

---

[1] شرح فتح القدیر ۴ : ۲۱۰

[2] بدائع الصنائع ۷ : ۴۶

[3] ایضاً ۷ : ۵۴

ب - : اگر مقذوف قاذف پر قذف کا دعوےٰ کرے اس کے بعد گواہ پیش کر دے، اور شہادت کو سن لینے کے بعد قاضی قاذف پر حد قذف لگانے کا حکم صادر کر دے پھر مقذوف اپنے گواہوں کی تکذیب کر دے تو حد ساقط ہو جائے گی [1]

ج - : اگر مقذوف قاذف کی قذف کے معاملے میں تصدیق کر دے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً زید نے عدالت میں دعویٰ کیا کہ سلیم نے اس پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور گواہ پیش کر دیئے، گواہوں کے بیانات سن کر قاضی نے سلیم پر حد قذف لگانے کا حکم صادر کر دیا اس کے بعد زید نے اقرار کر لیا کہ "اس نے زنا کیا ہے" تو سلیم سے حد ساقط ہو جائے گی [2]

د - : اگر قاذف نے قاضی کے سامنے قذف کا اقرار کیا اور مقذوف نے اس کی تکذیب کر دی تو قاذف سے حد ساقط ہو جائے گی [3]

دفعہ ۲۱۲ : اگر گواہان مبہم الفاظ میں گواہی دیں اور صراحتً یہ نہ بیان کریں کہ قاذف نے مقذوف پر زنا کرنے کی تہمت لگائی تھی تو ان کی شہادت رد کر دی جائے گی [4]

---

[1] بدائع الصنائع ص ۶۱

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] السرخسی: المبسوط : ۹: ۱۰۶

دفعہ ۲۱۳ : اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو پھر لعان کرایا جائے گا۔ اگر شوہر اور بیوی دونوں حلف لے لیں تو پھر دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی۔ اور اگر شوہر حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی، اور اگر بیوی انکار کر دے تو اس کو رجم کر دیا جائے گا[1]

---

[1] صحیح مسلم شریف : ۱ : ۴۹۰ طبع دہلی ۱۳۰۹ھ

دوسری فصل

اختلاف فی الشہادۃ

دفعہ ۲۱۴ : اگر دو گواہ تہمت لگانے کے وقت یا جگہ کے بارے میں اختلاف کریں تو . . . . . ان کی شہادت باطل نہیں ہو گی امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک شہادت باطل ہو جائے گی مثلاً ایک گواہ کہے کہ زید نے مورخہ ۱۰ ر ذی القعدہ کو دس بجے دن سلیم پر زنا کی تہمت لگائی اور دوسرا گواہ اپنے بیان میں کہے کہ قاذف (زید) نے ۲۲ ر محرم کو شام کے وقت سلیم پر زنا کی تہمت لگائی تو امام صاحب کے نزدیک وقت میں اختلاف کے باوجود شہادت قبول کر لی جائے گی لیکن صاحبین کے نزدیک شہادت رد کر دی جائیگی

اسی طرح اگر گواہ کہے کہ قاذف نے لاہور کے محلہ لوہاری گیٹ میں تہمت لگائی اور دوسرا کہے کہ باغبانپورہ میں تہمت لگائی تو بھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ شہادت قبول کر لی جائے گی [۱]

دفعہ ۲۱۵ : اگر ایک گواہ تہمت زنا لگانے کی گواہی دے اور دوسرا گواہ یہ کہے کہ قاذف نے اس کے سامنے یہ اقرار کیا تھا کہ اس نے زنا

---

[۱] فتاویٰ الکرخی بحوالہ کتاب الاختیار : ۹۴/۴

کی تہمت لگائی ہے تو شہادت رد کردی جائے گی [1]

الف۔ : اگر دو گواہ زبان کے بارے میں اختلاف کریں تو ان کی شہادت رد کردی جائے گی۔ مثلاً ایک گواہ نے اپنے بیان میں کہا قاذف نے فارسی زبان میں مقذوف پر تہمت لگائی اور دوسرے گواہ نے کہا کہ اس نے عربی زبان میں تہمت لگائی تو دونوں کی شہادت باطل ہو جائے گی [2]

ب۔ : اگر ایک گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ قاذف نے مقذوف سے کہا تھا " اے زانیہ کے بیٹے " اور دوسرے نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے کہا تھا کہ " تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں ہے " تو شہادت رد کردی جائے گی [3]

[1] المبسوط : ۹ : ۱۰۸

[2] شرح فتح القدیر : ۴ : ۲۱۰

[3] ایضاً

تیسری فصل

اِقرار

دفعہ ۲۱۶: شہادت کے علاوہ قاذف کے اقرار سے بھی قذف کا جرم ثابت ہو جاتا ہے اور اقرار کے لیے صرف ایک مرتبہ عدالت مجاز میں اقرار ہی کافی ہے کہ اس نے مقذوف پر زنا کی تہمت لگائی اس کے بعد حاکم اس سے مطالبہ کرے گا کہ وہ مقذوف پر چار شرعی گواہوں کے ذریعہ زنا ثابت کرے، اگر وہ ثابت کر دے گا تو مقذوف پر زنا کی حد جاری ہوگی ورنہ قاذف پر حد قذف لگائی جائے گی [۱]

دفعہ ۲۱۷: اگر قاذف نشے کی حالت میں بھی قذف کا اقرار کرے تو اس کا اقرار قابلِ اعتبار متصور ہوگا۔ اس لیے کہ قذف میں حق اللہ کے علاوہ حق العباد کا پہلو بھی ہے اور از روئے شرع کسی حق العباد کے بارے میں اگر نشہ کی حالت میں اقرار کیا جائے تو وہ معتبر ہوگا [۲]

دفعہ ۲۱۸: اگر قاذف قذف کا اقرار کرے اور بعد میں رجوع کر لے تو اس کا رجوع معتبر نہ ہوگا اور اس پر حد قذف جاری ہوگی [۳]

---

[۱] التشریع الجنائی ۲ : ۴۸۹ و بدائع الصنائع : ۷ : ۵۳

[۲] بدائع الصنائع ، ۷ : ۵۰

[۳] الزیلعی فخر الدین عثمان بن علی ، تبیین الحقائق ، ۳ : ۲۰۲ طبع مصر ۱۳۱۳ھ

باب ششم

شراب نوشی کی شہادت

پہلی فصل ادائے شہادت

دفعہ ۲۱۹ : ضروری ہے کہ دو گواہ عادل شراب نوشی کی شہادت دیں [1]

دفعہ ۲۲۰ : ضروری ہے کہ دو گواہ یہ کہیں کہ ہم نے ملزم کو

(ا) شراب پیتے ہوئے (ب) شراب کے نشے میں (ج) شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا۔ (د) یا وہ اپنے بیان میں کہیں کہ اس کے منہ سے شراب کی بُو آ رہی تھی اور وہ نشے میں تھا [2]

الف۔ : ضروری ہے کہ شہادت کے وقت مجرم کے منہ میں شراب کی یا کسی نشہ آور مشروب کی بُو موجود ہو (اور نشہ آور مشروب کی وجہ سے نشہ پیدا ہو گیا ہو) یا گواہان واضح الفاظ میں بتلائیں کہ انہوں نے مجرم کے منہ میں شراب کی بُو پائی تھی۔ امام محمدؒ بُو کی قید نہیں لگاتے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر گواہان صرف یہ گواہی دے دیں کہ انہوں نے شراب پیتے ہوئے یا شراب کے نشے میں ملزم کو دیکھا تھا تو کافی ہے [3]

ب ۔ : اگر گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ "ہم نے ملزم کو نشے کی حالت میں پایا۔ اس وقت اس کے منہ سے شراب کی بُو آ رہی تھی۔ چونکہ جہاں

---

[1] التشریع الجنائی : ۲ : ۵۰۹ [2] التشریع الجنائی : ۲ : ۵۰۹

[3] ایضاً

سمجھتے۔ وہاں کوئی حاکم مجاز نہیں تھا جس کی عدالت میں ہم اسے پیش کرتے۔ اس لیے ہم ملزم کو پکڑ کر لائے۔ عدالت مجاز تک پہنچتے پہنچتے ملزم کا نشہ بھی اتر گیا اور بُو بھی دُور ہو گئی" تو تمام علماء کے اتفاق کے بموجب اس طرح کا بیان قبول کیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۲۲۱: جب گواہ قاضی کے سامنے اس بات کی شہادت دیں کہ ملزم نے شراب پی تھی تو اس وقت قاضی کا فرض ہے کہ گواہان سے مندرجہ ذیل سوالات کر کے پورا اطمینان کرے۔

(الف) شراب سے تمہاری کیا مراد ہے؟ تم شراب کس چیز کو سمجھتے ہو؟ کیونکہ ممکن ہے گواہان نبیذ کو شراب سمجھتے ہوں یا غیر مسکر گندم یا جو کے مشروب کو شراب تصور کرتے ہوں۔

(ب) کس طرح ملزم نے شراب پی؟ یعنی ایسا تو نہیں کہ اسے جبراً شراب پلادی گئی یا دھوکے سے شراب پلائی گئی؟ یا اضطراری حالت میں اس نے شراب پی لی (جان بچانے کی خاطر) یا وہ بے ہوش تھا اور ڈرپ کے ذریعہ شراب اس کے پیٹ میں داخل کر دی گئی؟ یا ملزم نے پانی سمجھ کر منہ میں شراب لی اور

---

[1] شرح فتح القدیر : ۴ : ۱۸۱

"تاہم موجودہ دور میں جبکہ اس طرح کی افترا پردازیاں عام ہیں اس قسم کے بیانات کو قبول کرنے سے قبل حاکم کو چاہیے کہ اچھی طرح تحقیق اور جرح کرلے تاکہ لوگ بے قصور افراد کو اپنی دیرینہ عداوت کے زیرِ اثر مستوجب سزا نہ قرار دلوا دیں۔

پھر فوراً کلی کر دی ؟ ضروری ہے کہ قاضی ان باتوں کے بارے میں گواہوں سے جرح کر کے اطمینان کرے کیونکہ مذکورہ بالا صورتوں میں اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔

(ج) ملزم نے کب شراب پی ؟ وقت کی تعیین اس لیے ضروری ہے کہ بصورت تقادم امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد واجب نہیں ہوتی۔ یعنی اگر گواہان یہ بتلائیں کہ دو ماہ قبل ملزم نے شراب پی تھی تو امام صاحب کے نزدیک اس بیان کی بنیاد پر ملزم پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

(د) ملزم نے کس جگہ شراب پی تھی ؟ یہ سوال اس لیے ضروری ہے کہ ممکن ہے ملزم نے دارالحرب میں شراب پی ہو اور دارالحرب میں شراب پینے پر دارالاسلام میں حد جاری نہیں کی جاتی [1]

دفعہ ۲۲۲: اگر گواہان کسی گونگے کے بارے میں شہادت دیں کہ اس نے شراب پی تو گونگے پر حد جاری نہیں ہوگی [2]

دفعہ ۲۲۳: شراب نوشی کے مقدمے میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت قبول نہیں ہوگی [3]

الف۔ شہادت کے بعد اگر ملزم یہ بہانہ تراشے کہ مجھے جبراً شراب پلا دی

---

[1] عالمگیری : ۲ : ۱۵۹

[2] عالمگیری : ۲ : ۱۵۹ موجودہ دور میں اس دفعہ پر نظر ثانی کرنا ضروری ہے کیونکہ ملزم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

[3] ایضاً

گئی تو اس کے اس بہانے کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی مثلاً ملزم عدالت میں پیش ہوا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے شراب پی تھی، مگر ملزم نے کہا کہ لوگوں نے مجھے زبردستی شراب پلا دی تھی تو ملزم کے بیان کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔ اور (مکمل تحقیق کے بعد) شہادت قبول کر کے ملزم پر حد جاری کر دی جائے گی۔[1]

ب۔ : اگر گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم نے صرف ایک قطرہ شراب پی اور یہ بات ثابت ہو گئی تو ملزم پر حد عائد ہو گی۔[2]

ج۔ : اگر گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم نے ایک ایسا مشروب پیا جس میں شراب غالب تھی تو حد عائد ہو گی، لیکن اگر بیان میں بتلایا کہ شراب ملی ہوئی ضرور تھی لیکن غالب نہیں تھی تو اگرچہ ایسے مشروب کا پینا حرام ہے تاہم اگر ملزم کو نشہ نہ آیا تھا تو حد واجب نہیں ہو گی البتہ اگر گواہان نے بتلایا کہ اس مشروب کو پینے کے بعد ملزم کو نشہ آگیا تھا تو اس پر حد عائد ہو گی۔[3]

د۔ : اگر گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم نے بھنگ پی تھی اور اس کی وجہ سے اسے نشہ آگیا تھا، تو ملزم پر شراب نوشی کی حد عائد نہیں

---

[1] عالمگیری : ۲ : ۱۵۹

[2] قاضی خان علیٰ هامشة عالمگیریه : ۳ : ۴۸۱

[3] ایضاً

ہوگی ۔[1]

۸۔ : اگر گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ "ہم نے ملزم کو شراب کی قے کرتے ہوتے دیکھا"۔ تو محض اس بیان پر حد واجب نہیں ہوگی، کیونکہ ممکن ہے کہ اسے بالجبر کسی نے شراب پلادی تھی اور وہ قے کرتا ہوا پایا گیا یا کسی اضطراری حالت میں (جب کہ شراب پینا جائز ہو جاتا ہے) اس نے شراب پی تھی اور بعد میں اپنی طبعی نفرت کی وجہ سے وہ قے کر رہا تھا، لہٰذا ان امور کی بابت قاضی کو پوری طرح تحقیق کر کے تب اجرائے حد کا فیصلہ کرنا چاہیے ۔[2]

۹ - : اگر گواہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ہم نے ملزم کو نشے کی حالت میں پکڑا۔ اس وقت اس کے مُنہ میں شراب کی بُو تھی، لیکن راستے میں اس نے ایک ایسی دوا استعمال کر لی جس سے بُو تو دُور ہوگئی ہے، لیکن نشہ ہنوز باقی ہے اور حاکم نے دیکھا کہ ملزم نشے میں ہے تو گواہوں کا بیان درست تسلیم کر لیا جائے گا اور ملزم پر حد عائد کر دی جائے گی کیونکہ اس طرح کی تدبیریں ہوتی ہیں کہ بُو زائل ہو جائے ۔[3]

۱۰: شہادت کے دوران گواہوں کا صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ

---

[1] قاضی خان علی هامشة عالمگیریه : ۳ : ۴۸۲

[2] رد المختار : ۳ : ۱۶۹

[3] ابن عابدین سید محمد امین : منحة الخالق علی هامشة البحر الرائق : ۵ : ۲۷ : طبع مصر

انہوں نے ملزم کو شراب پیتے ہوئے یا شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا شراب کی قسم بتانا ضروری نہیں ہے۔ (کہ ملزم وہسکی پی رہا تھا کہ برانڈی) نہ یہ بتانا ضروری ہے کہ ملزم بہ اختیار خود پی رہا تھا یا بہ جان کر پی رہا تھا کہ وہ مشروب نشہ آور ہے، کیونکہ ملزم کا اختیار اور بہ علم کہ شراب حرام ہے ظاہر ہے اور زنا کی طرح اتنی تفصیلات شراب نوشی کی حد کے جاری کرنے کے لیے ضروری نہیں ہوتیں [1]

: اگر گواہوں نے کسی شخص کو شراب پیتے ہوتے دیکھا اور اسے پکڑ کر حاکم کے پاس (جس کی جائے قیام قریب میں واقع تھی) لانے لگے اتنے میں بدبو غائب ہوگئی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد واجب نہیں ہوگی، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ادائے شہادت کے وقت ملزم کے منہ میں شراب کی بُو ہونا ضروری ہے، لیکن امام محمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر ملزم پر حد جاری کی جائے گی [2]

(موجودہ دور میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملزم کے پیٹ سے نلکی کے ذریعہ مادہ نکال کر اس کا (CHEMICAL EXAMINATION) کیا جائے۔ اس طرح پتہ چل سکتا ہے کہ ملزم کے پیٹ میں شراب ہے یا نہیں۔ اس صورت میں اس پر حد جاری ہوگی۔ مؤلف۔

---

[1] المغنی : ۱۰ : ۳۳۳

[2] عبدالرحمٰن الجزیری : کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ : ۵ : ۲۷ طبع بیروت

دوسری فصل

اختلاف فی الشہادۃ

دفعہ ۲۲۴: ضروری ہے کہ دونوں گواہوں کے بیان یکساں ہوں۔ اگر گواہوں کے بیان میں اختلاف ہو تو ملزم پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ مثلاً اگر ایک گواہ کہے کہ میں نے ملزم کو شراب پیتے ہوئے دیکھا اور دوسرا کہے کہ میں نے اسے شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا یا ایک گواہ کہے کہ میں نے ملزم کو شراب پیتے ہوئے دیکھا اور دوسرا کہے کہ ملزم نے میرے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے شراب پی تھی تو ان تمام صورتوں میں شہادت باطل ہو جائے گی اور ملزم پر حد جاری نہیں ہوگی[1]

الف۔: اگر بیان میں دونوں گواہ مختلف اوقات بتلائیں تو شہادت رَد کر دی جائے گی۔ مثلاً ایک گواہ اپنے بیان میں کہے کہ میں نے صبح کے وقت ملزم کو شراب پیتے ہوئے دیکھا (اور اسی مقدمے میں شہادت دیتے ہوئے) دوسرا گواہ کہے کہ میں نے شام کے وقت ملزم کو شراب پیتے ہوئے دیکھا تو شہادت رد کر دی جائے گی[2]

ب۔: اگر ایک گواہ اپنے بیان میں کہے کہ میں نے ملزم کو شراب پیتے ہوئے دیکھا اور اسے شراب سے نشہ آگیا اور دوسرے نے کہا کہ ملزم کو نشہ تو

---

[1] فتاویٰ قاضی خان: بھامشۃ عالمگیریہ: ۳: ۴۸۱ دکتاب الاختیار: ۵۰

[2] عالمگیری: ۲: ۱۶۰

ضرور تھا لیکن شراب پینے کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی دوسرے نشہ آور مشروب کو پینے کی وجہ سے تھا تو ملزم پر حد جاری نہیں ہوگی [۱]

ج۔ : اگر ایک گواہ کہے کہ ملزم نے جو مشروب پیا تھا اس پر شراب غالب تھی اور دوسرے نے کہا کہ اس پر دودھ غالب تھا تو ملزم پر حد جاری نہیں ہوگی [۲]

د ـ

د ۔ : اگر ایک گواہ نے کہا کہ ملزم کو جبراً شراب پلائی گئی اور دوسرے نے کہا کہ اس نے خوشی سے پی تھی تو بھی حد جاری نہیں ہوگی [۳]

---

۱ عالمگیری: ۲ : ۱۶

۲ ایضاً

۳ بحرالرائق : ۵ : ۲۶

تیسری فصل

اقرار

دفعہ ۲۲۵: اگر ملزم ایک مرتبہ بھی شراب نوشی کا اقرار کرلے تو جرم ثابت ہو جاتا ہے لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے وہ کہتے ہیں کہ اقرار کی تعداد کا گواہوں کی تعداد کے برابر ہونا ضروری ہے اور چونکہ شراب نوشی کا جرم دو گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اس لیے اقرار بھی اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ جب تک کہ ملزم دو مرتبہ اقرار نہ کرے [1]

الف۔ ضروری ہے کہ ملزم حاکم مجاز کے سامنے اقرار کرے لہٰذا اگر ملزم نے اپنی پرائیویٹ مجلس میں اقرار کیا اور دو گواہوں نے گواہی دی کہ ملزم نے ہمارے سامنے یہ اقرار کیا تھا کہ اس نے شراب پی تو اُن کی شہادت معتبر نہیں ہوگی نہ ملزم پر حد جاری ہوگی [2]

ب۔ اگر کسی شخص کے منہ سے شراب کی بُو آرہی تھی اور اس نے اقرار کیا کہ اس نے شراب پی ہے تو اس پر حد واجب ہوگی خواہ اس نے کم شراب پی ہو یا زیادہ [3]

---

[1] بدائع الصنائع : ۷ : ۵۰

[2] ایضاً

[3] کتاب الاختیار : ۴ : ۱۳

چوتھی فصل

رجوع عن الاقرار (اقرار سے پھر جانا)

دفعہ ۲۲۶: اگر کسی نے شراب پینے کا اقرار کیا پھر اس سے پھر گیا تو اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی، کیونکہ شراب نوشی کی حد خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہذا رجوع عن الاقرار سے ساقط ہو جاتی ہے[1] نیز: اگر کسی نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے شراب پی، اس کے بعد حاکم نے اس پر حد لگانے کا حکم صادر کر دیا۔ ابھی مجرم کو چالیس ہی کوڑے لگے تھے کہ اس نے اپنے اقرار سے رجوع کر لیا تو اس کا رجوع معتبر ہوگا اور باقی چالیس کوڑے نہیں لگائے جائیں گے[2]

دفعہ ۲۲۷: مقر کا اقرار سے رجوع اسی وقت حد کے سقوط کا موجب ہوگا۔ جب کہ مقر کے اقرار کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ اثبات جرم کا نہ ہو۔ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ دو گواہوں نے شہادت دی ہو کہ انہوں نے ملزم کو شراب پیتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد ملزم نے اقرار بھی کر لیا ہو کہ اس نے شراب پی، اب وہ اپنے اقرار سے پھر جائے، تو اس کا رجوع عن الاقرار حد شرعی کو ساقط نہیں کرے گا، بلکہ گواہوں کی شہادت کی بنا پر ملزم پر شراب نوشی کی حد جاری کر دی جائے گی[3]

---

[1] ہدایہ: ۲: ۵۰۸ وبدائع الصنائع: ۷: ۲۳۳
[2] بدائع الصنائع: ۷: ۲۳۳ [3] التشریع الجنائی: ۲: ۵۱۳

پانچویں فصل

قرائن

دفعہ ۲۲۸: محض ملزم کے منہ سے شراب کی بُو کا آنا موجب حد نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ شراب نوشی شہادت سے بھی ثابت ہو، اگر ملزم کے منہ سے شراب کی بُو آرہی ہو تو امام مالک کے نزدیک خواہ کوئی گواہ شراب نوشی کا ہو یا نہ ہو، اس پر حد جاری ہو جائے گی۔ ان کے نزدیک اگر دو شخص اس بات کی گواہی دیں کہ انہوں نے ملزم کے منہ سے شراب کے بھبکے اٹھتے ہوئے سونگھے یا ایک گواہ نے کہا کہ میں نے اسے شراب پیتے ہوئے دیکھا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے اس کے منہ سے شراب کی بُو سونگھی تو بھی ان کے نزدیک حد واجب ہو جائے گی، لیکن امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک محض بُو کا پایا جانا موجب حد نہیں، بلکہ گواہوں کی گواہی بھی ضروری ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ملزم نے شراب کی کلی کی ہو یا پانی سمجھ کر منہ میں لے لی ہو اور جب اسے احساس ہوا کہ وہ پانی نہیں بلکہ شراب ہے تو اس نے تھوک دی ہو، یا اس نے کوئی ایسی بوٹی کھائی ہو جس کی بُو شراب کی بُو سے ملتی جلتی ہو یا اس نے سیب کا رس پیا ہو جس کی بُو

شراب کی طرح ہوتی ہے لہذا ضروری ہے کہ شہادت سے بھی شراب نوشی ثابت کی جائے۔ کیونکہ مذکورہ بالا صورتیں مشتبہ ہیں اور شبہے کی صورت میں حد ساقط ہو جاتی ہے [1]

الف: اگر کوئی شخص نشے کی حالت میں پکڑا جائے اور دو گواہ شہادت دیں کہ انہوں نے اسے نشے کی حالت میں پایا۔ اس وقت اس کے منہ سے شراب کی بُو آ رہی تھی تو اس ملزم پر حد جاری ہو گی، لیکن امام شافعی کے نزدیک محض نشہ کی حالت میں کسی کا گرفتار ہونا اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں کہ اس نے شراب پی تھی اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس نے شراب کا حقنہ لیا ہو یا اسے جبراً شراب پلا دی گئی ہو یا اس نے غلطی سے شراب پی لی ہو [2]

ب: محض شراب کی قے ہونا موجب حد نہیں، بلکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ملزم نے جو قے کی تھی اس میں شراب کی بو تھی اور ملزم نشے کی حالت میں پکڑا گیا تھا یا دو گواہوں نے اس کے بارے میں شراب نوشی کی گواہی دی تو اس صورت میں قے قرینۂ قاطعہ کی حیثیت اختیار کرے گی اور اس پر حد جاری کی جائے گی [3]

---

[1] التشریع الجنائی ۲ : ۵۱۱

[2] ایضاً ص ۵۱۲

[3] ایضاً

دفعہ ۲۲۹ قاضی کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے علم کی بنیاد پر شراب کی حد جاری کرے مثلاً قاضی نے اپنی آنکھوں سے شراب پیتے ہوتے دیکھا یا اسے نشے کی حالت میں دیکھا یا مجلس قضا کے علاوہ کسی دوسری مجلس میں ملزم نے قاضی کے سامنے شراب نوشی کا اقرار کیا تو بھی قاضی اس ملزم پر شراب نوشی کی حد جاری نہیں کر سکتا[1]

---

[1] التشریع الجنائی : ۲ : ۵۱۳

باب ہفتم

چوری کی شہادت

پہلی فصل گواہوں کی تعداد اور نوعیّت

دفعہ ۲۳۰: چوری کا مقدمہ دو گواہوں کی شہادت یا ملزم کے اقرار سے ثابت ہوتا ہے [1]

دفعہ ۲۳۱: ضروری ہے کہ دو گواہ عادل بہ شہادت دیں کہ انہوں نے چور کو چوری کرکے مال منقوم کو حرز سے نکالتے ہوئے دیکھا۔

دفعہ ۲۳۲: صرف دو عورتوں کی گواہی نہ ہاتھ کاٹنے کے متعلق مقبول ہے نہ مال کے حق میں البتہ عورت کی گواہی مرد کے ساتھ مال کے حق میں مقبول ہے، تاہم ہاتھ کاٹنے کے حق میں مقبول نہیں [2]

دفعہ ۲۳۳: شہادۃ علی الشہادۃ مال کے حق میں تو مقبول ہے، لیکن ہاتھ کاٹنے کے حق میں مقبول نہیں [3]

دفعہ ۲۳۴: اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ عینی ہو اور دوسرا سماعی ہو

---

[1] کتاب الاختیار : ۶۳

[2] ایضاً

[3] ایضاً

تو ان شہادتوں کی بنیاد پر ملزم کا قطع ید نہیں ہو گا (یعنی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔) ؎۱

دفعہ ۲۳۵: اگر ایک مرد اور دو عورتیں یا ایک عینی شاہد اور دو سماعی شاہد یا ایک شاہد اور مدعی کے حلف سے مال مسروق کی ملکیت ثابت کی جائے تو محض اثبات ملکیت کے بارے میں ان کی شہادتیں قبول کی جائیں گی، تاہم اگر مذکورہ شاہدوں کے علاوہ ملزم کے چوری کرنے کا کوئی گواہ (بقدر نصاب) نہ ہو تو قطع ید نہیں ہو گا صرف ملزم سے مال مسروق کا ضمان (ڈنڈ) وصول کیا جائے گا۔ ؎۲

دفعہ ۲۳۶: وقت گزر جانے کے بعد اگر کوئی گواہ ملزم کے خلاف چوری کی شہادت دے تو اس کی شہادت کی بنیاد پر ملزم کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن مال مسروق کا ضمان اس سے وصول کیا جا سکتا ہے ؎۳ نیز اگر حاکم شہادت سے مطمئن ہو جائے تو ملزم پر تعزیر جاری کر سکتا ہے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک تقادم عہد (وقت گزر جانے) کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر حدود کی شہادت کی تمام شرائط پائی جا رہی ہوں تو چاہے وقت گزر جانے کے بعد ہی شہادت

؎۱ التشریع الجنائی : ۲ : ۶۱۱

؎۲ التشریع الجنائی : ۲ : ۶۱۱

؎۳ بدائع الصنائع : ۷ : ۸۰

کیوں نہ دی جاتے۔ شہادت مقبول ہوگی [1]

دفعہ ۲۳۷: اگر چور متعدد ہوں اور ان میں سے بعض غائب اور بعض حاضر ہوں اور دو گواہ چوری کے واقعے اور ملزمان کے ارتکاب جرم کی شہادت دے دیں تو حاضر ملزم پر حد جاری ہوگی اور غائب ملزمین پر اس شہادت کی بنیاد پر حد جاری نہ ہوگی، بلکہ جب غائب ملزمان گرفتار کر لیے جائیں تو ان گواہوں سے ان کی موجودگی میں دوبارہ شہادت لی جائے گی اور اس صورت میں اگر شہادت معیاری ہوگی تو ان پر حد جاری ہوگی ورنہ نہیں [2]

دفعہ ۲۳۸: حدود کے گواہوں کے بارے میں ضروری ہے کہ قاضی ان کی عدالت کی تحقیق کرلے خواہ ملزمان گواہوں پر طعن کریں یا نہ کریں برخلاف دیگر مقدمات کے کہ ان میں گواہوں کی عدالت کی تحقیق قاضی پر اس وقت تک لازم نہیں ہوتی۔ جب تک مدعی علیہ ان پر طعن نہ کرے [3]

دفعہ ۲۳۹: سرقے کی حد کے نفاذ کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی شخص سرقے کا مدعی ہو اور ثقہ گواہان شہادت دیں لہٰذا اگر گواہان یہ شہادت بھی دے دیں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کا مال چرایا ہے تو جب تک مسروق منہ (جس کا مال چوری ہوا) حاضر عدالت ہو کر

---

[1] التشریع الجنائی : ۲ : ۶۱۲

[2] شرح فتح القدیر : ۴ : ۲۵۸

[3] التشریع الجنائی : ۲ : ۶۱۲

دعویٰ نہ کرے اسوقت تک گواہوں کی شہادت قبول نہیں ہو گی کیونکہ سرقہ تو ثابت ہی اسی وقت ہوتا ہے۔ جب کہ کوئی چور کسی دوسرے شخص کا مال مملوک خفیہ طور پر مالک کے علم و رضا کے بغیر اس کے حرز شرعی سے نکال کر اپنی ملکیت میں داخل کرے اور اس بات کا ثبوت بغیر خصومت (دعویٰ یا استغاثہ) کے نہیں ہو سکتا۔ البتہ شخص متہم (ملزم) کو قید کر دیا جائے گا، کیونکہ جب اس پر سرقے کی تہمت لگ گئی تو وہ ملزم ہو گیا۔ (اور اس سٹیج میں اسے مجرم نہیں کہا جائے گا) اور ملزم کو ازروئے شرع قید میں ڈالنا جائز ہے[1] (اس صورت میں انتظار کیا جائیگا اگر مسروق منہ حاضر ہوکر دعویٰ یا استغاثہ کرے تو حد جاری ہو گی، ورنہ ملزم کو بری کر دیا جائے گا) امام مالک کے نزدیک اگر سرقہ شہادت شرعیہ سے ثابت ہو جائے تو چاہے مسروق منہ دعویٰ نہ بھی کرے حد جاری کی جائے گی[2]

دفعہ ۲۴۰: اگر گواہان گواہی دے دیں اور مسروق منہ حاضر نہ ہو۔ اس کے بعد مسروق منہ آ جائے، لیکن گواہان موجود نہ ہوں تو حد اس وقت تک جاری نہ ہو گی۔ جب تک دوبارہ گواہان حاضر عدالت نہ ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ اس عرصے میں دونوں گواہوں نے یا ان میں سے ایک نے رجوع کر لیا ہو[3]

---

[1] بدائع الصنائع : ۷ : ۸۱

[2] امام مالک بن انس الاصبحی : المدونۃ الکبریٰ : ۱۶ : ۶۸ : طبع مصر ۱۳۲۳ھ

[3] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ : ۵ : ۱۶۵

دوسری فصل

ادائے شہادت

دفعہ ۲۴۱: دیگر حقوق میں ادائے شہادت فرض ہے لیکن حدود میں شاہد کو اختیار ہے کہ وہ شہادت دے یا پردہ پوشی کرے اور پردہ پوشی افضل ہے[1]

دفعہ ۲۴۲: اگرچہ فاسق کی شہادت مقبول نہیں، تاہم اگر قاضی اس کی شہادت کو قبول کرکے فیصلہ کر دے تو اس کی قضا نافذ ہو گی اور قاضی گناہ گار ہو گا[2]

دفعہ ۲۴۳: گواہ کے گواہی دینے کے بعد حاکم کو گواہ سے مندرجہ ذیل جرح کرنی چاہیے:

(الف) تم نے یہ کیسے سمجھا کہ ملزم نے چوری کی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ

---

[1] ہدایہ: ۳: ۱۳۸ مجتبائی

[2] شرح فتح القدیر: ۶: ۱۰

اس نے ڈاکہ مارا ہو یا اس نے غصب کر لیا ہو ؟

(ب) ملزم نے کس طرح مال مسروق کو چرایا یعنی اس نے حرز میں داخل ہو کر مال نکالا ؟ یا اندر اس کا کوئی ساتھی تھا جس نے اسے مال پکڑا دیا ؟ یا کون سی شکل پیش آئی ؟

(ج) چوری کا واقعہ کہاں پیش آیا دارالاسلام، دارالحرب یا دارالبغی میں ؟ ملزم نے مال مسروق کو غیر حرز سے تو باہر نہیں نکالا ؟

(د) مال مسروق کی مالیت کیا تھی ؟ یعنی مال مسروق بقدر نصاب تھا یا نہیں ؟

(ھ) مسروق منہ (جس کا مال چرایا گیا) کون ہے ؟ یعنی کہیں ایسا تو نہیں کہ مسروق منہ سارق کا قریب ترین رشتہ دار ہے ؟ یا دونوں شوہر اور بیوی ہیں ؟ [1]

راقم الحروف کے خیال میں، یہ بھی دریافت کرنا چاہیے کہ مال مسروق کس قسم کا تھا کہیں جلد گل سڑ جانے والا تو نہیں تھا ؟

ان سوالات کے علاوہ بھی حاکم مقدمے کی تفتیش کے سلسلے میں ضروری سوالات کر سکتا ہے۔ نیز اگر ملزم کا وکیل جرح کرنا چاہے تو وہ جرح کر سکتا ہے۔

دفعہ ۲۴۴: ادائے شہادت کے وقت مسروق منہ کا عدالت میں حاضر رہنا

---

[1] شیخ زادہ : مجمع الانہر ، ۶۲۳ طبع مصر

ضروری ہے [1]

الف:۔ اگر مسروق منہ عدالت میں حاضری کے لیے صرف اپنے وکیل کو بھیج دے یا اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو اپنا نمائندہ نامزد کرکے بھیج دے تو وکیل یا نمائندے کی حاضری کافی نہ ہوگی، بلکہ مسروق منہ کو بذاتِ خود حاضر رہنا ہوگا [2]

ب۔ : اجرائے حد (ہاتھ کاٹنے) کے وقت بھی دونوں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔ چنانچہ اگر گواہان موجود نہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں تو قطع ید نہیں[3] ہوگا، البتہ سارق سے مال مسروق کا ضمان وصول کیا جائے گا۔

ج۔ : اگر مسروق منہ حاضر ہو اور بعد ادائے شہادت گواہان غائب ہو جائیں اور صورتِ حال یہ ہو کہ حاکم گواہان کا تزکیہ کر چکا ہے اور معدل نے تعدیل کر دی ہے (یعنی گواہوں کو عادل قرار دے دیا ہے) تو گواہوں کے غائب ہونے کے باوجود حد جاری ہو جائے گی[4]

دفعہ ۲۴۵: اگر دو چوروں نے مل کر چوری کی ہو اور گواہوں نے ان دونوں

---

[1] المبسوط : ۹ : ۱۴۲

[2] ایضاً

[3] الحصکفی ۔ درمختار : ۲ : ۵۷، طبع مصر

[4] حاشیۃ الشرنبلانی علیٰ درر الاحکام : ۲ : ۷۹

چوروں کی چوری پر گواہی دے دی ہو (نیز حاکم نے گواہوں کا
تزکیہ بھی کر لیا ہو) اس کے بعد کسی طرح ایک فرار ہو گیا یا کسی بھی
طور غائب ہو گیا تو شہادت اپنی حیثیت میں باقی رہے گی اور
حاضر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا[1] پھر جب غائب ملزم آتے
تو دوبارہ شہادت لینے کے بعد اس پر حد جاری کی جائے گی[2]

دفعہ ۲۴۶: جب گواہ بیان دے دیں تو حاکم کا فرض ہے کہ وہ ملزم کو قید
کر دے اور گواہوں کا تزکیہ کرے اگر معدلین گواہوں کو عادل
قرار دیدیں تو حد نافذ کر دے ورنہ ملزم کو بری کر دے۔
اگر گواہ اپنے بیان میں کہیں کہ ملزم نے ہمارے سامنے یہ اقرار کیا تھا کہ اس نے
فلاں جگہ سے فلاں شخص کا مال چرایا تھا تو اس شہادت کی بنیاد پر حد نہیں جاری

الف۔ ؛ اگر دو غیر مسلم گواہوں نے ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم ملزم
کے خلاف گواہی دی تو دونوں ملزموں میں سے کسی پر حد جاری
نہیں ہو گی[3]

ب۔ ؛ اگر چور مال مسروق پر حق ملکیت کا دعویٰ کر دے تو قطع نہیں
گا۔ مثلاً شرعی گواہوں نے چوری کی شہادت دے دی اس کے
بعد ملزم نے عدالت میں بیان دیا کہ مال مسروق تو میری ملکیت

---

[1] ہدایہ : ۲ : ۵۳۱ [2] ردالمحتار : ۳ : ۲۰۳

[3] الفقہ علی المذاہب الاربعہ : ۵ : ۱۶۵

[4] درمختار : ۲ : ۷۵، تعزیر ہو سکتی ہے۔

ہے۔ میں نے چوری نہیں کی تھی میں نے تو اپنا مال لے لیا تھا تو ایسی صورت میں قطع نہیں ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک ملزم سے کہا جائے گا کہ وہ اپنی ملکیت کا دعویٰ ثابت کرے۔ اگر وہ ثابت کر دے تو قطع نہیں ہوگا۔ ورنہ قطع ید ہو جائے گا۔ امام شافعی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر محض سارق کے دعویٰ کر دینے ہی سے حد ساقط کر دی جائے تو حدود کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا کیونکہ اس طرح تو ہر چور... پکڑے جانے پر یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ میرا مال ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب ملزم یہ دعویٰ کر دے کہ مال مسروق اس کی ملکیت ہے تو مقدمہ مشتبہ ہو جاتا ہے اور حدود میں اگر معمولی سا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو حد کا نفاذ نہیں ہو سکتا[۱] (امام شافعی کا قول ہمارے معاشرے اور حالات سے زیادہ سازگار ہے۔ علماء کرام کو اس جزئیہ پر غور کرنا چاہیے۔)

دفعہ ۲۴۷: اگر گواہی دینے کے بعد اور قاضی کے فیصلے سے پہلے گواہ فاسق یا اندھے یا مرتد یا پاگل ہو جائیں تو قاضی کو چاہیے کہ ان کی گواہی پر فیصلہ نہ کرے اور اگر قاضی کے فیصلے کے بعد اور اس کے نافذ ہونے سے پہلے یہ حادثہ گواہوں کو پیش آ جائے تو قاضی کو چاہیے کہ فیصلہ نافذ نہ کرے[۲]

---

[۱] شرح فتح القدیر ۴ : ۲۵۰ [۲] المبسوط للسرخسی بحوالہ کتاب الاختیار : ۵

تیسری فصل

اختلاف فی الشہادۃ

دفعہ ۲۴۸: اگر دونوں گواہوں کے بیان میں وقوعہ کے وقت، جگہ یا مال مسروق کی بابت اختلاف ہو جائے۔ مثلاً ایک گواہ کہے کہ ملزم نے جمعرات کے دن چوری کا ارتکاب کیا اور دوسرا کہے کہ جمعہ کے دن یا ایک کہے کہ ملزم نے اس مکان سے مال چرایا اور دوسرا گواہ کہے کہ اس مکان سے نہیں، بلکہ فلاں مکان سے مال چرایا یا ایک گواہ کہے کہ ملزم نے بھینس چرائی اور دوسرا کہے کہ گائے چرائی تھی یا ایک کہے کہ ملزم نے بھینس چرائی تھی اور دوسرا کہے کہ گدھا چرایا تھا تو تمام فقہاء کے نزدیک حد نافذ نہیں ہوگی اور شہادت رد کر دی جائے گی[1]

الف: مال مسروق کی ضروری کیفیات کے بیان میں اگر گواہوں کے بیانات مختلف ہو جائیں تو حد جاری نہیں ہو گی۔ مثلاً ایک گواہ کہے کہ ملزم نے جو کپڑا چرایا تھا اس کا رنگ سفید تھا اور دوسرا کہے کہ سیاہ تھا یا ایک گواہ کہے کہ ہرات کا بنا ہوا کپڑا تھا اور دوسرا کہے کہ مرو کا بنا

---

[1] المغنی: ۱۰: ۲۹۱

ہوا کپڑا تھا تو امام ابُوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حد جاری نہیں ہوگی، کیونکہ رنگ کے بیان میں اختلاف ہو جانے سے یا ہروی یا مروی کے اختلاف سے نفس شہادت مجروح ہوتی ہے [1]

ب۔ : اگر مدعی نے اپنے دعوے میں مال مسروق کا رنگ معین کر دیا ہو تو جو گواہ اپنی شہادت میں اس کے برخلاف رنگ بیان کرے گا اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی [2]

ج۔ : اگر گواہ گواہی دیں کہ ملزم نے فلاں شخص کا مال چرایا ہے اور وہ شخص (مسروق منہ) اپنے مال کی چوری کا انکار کرے تو ملزم پر حد نہیں جاری ہوگی [3]

د۔ : اگر دو گواہ گواہی دیں کہ فلاں ملزم نے مال چرایا ہے اور دوسرے دو گواہ گواہی دیں کہ فلاں دوسرے ملزم نے مال کو چرایا، لیکن صاحب مال (مسروق منہ) ملزم اوّل پر چوری کا دعویٰ کرے تو اس حالت میں ملزم اوّل پر حد جاری ہوگی [4]

---

[1] المبسوط : ۹ : ۱۶۳

[2] کتاب الاختیار : ۶۶

[3] ایضاً

[4] ایضاً

چوتھی فصل

رجوع عن الشہادۃ (گواہی سے پھر جانا)

دفعہ ۴۹۶: اگر گواہ شہادت دینے کے بعد حد جاری ہونے سے قبل اپنی شہادت سے پھر جائے تو حد ساقط ہو جائے گی اور گواہ پر کسی قسم کا تاوان عائد نہ ہوگا [۱]

الف۔ اگر گواہوں کی شہادت کے بعد حاکم نے قطع ید کا حکم دے دیا لیکن قطع کے بعد معلوم ہوا کہ گواہوں نے ادائے شہادت میں غلطی کی۔ مثلاً انہوں نے اقرار کر لیا کہ انہوں نے جھوٹی شہادت دی تھی یا کسی دوسرے شخص نے اقرار صحیح کر لیا کہ (مقطوع الید نے چوری نہیں کی تھی بلکہ) میں نے چوری کی تھی یا چند دوسرے چوروں پر وہی جرم ثابت ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں حکومت پر واجب ہوگا کہ وہ بے قصور شخص کے ہاتھ کی دیت ادا کرے اور اگر کسی ذریعہ سے یا گواہوں کے اقرار سے یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے ذاتی مخاصمت کی بنا پر جھوٹی گواہی دے کر ایک بے قصور شخص کو سزا دلوا دی تو اس صورت میں دیت گواہوں سے وصول کی جائے گی، البتہ ان کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

---

[۱] بدائع الصنائع : ۶ : ۲۸۵

ب- کیونکہ اس طرح ایک ہاتھ کے بدلے دو ہاتھ کٹیں گے جو ظلم ہے[۱]

ب-: اگر گواہ ایک ملزم پر دو چوریوں کی گواہی دیں اور اس کا ہاتھ کاٹ لیا جائے پھر ایک گواہ چوری کی گواہی سے پھر جائے تو تو ان پر ہاتھ کی دیت عائد نہیں ہوگی[۲]

اگر دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ چوری کے فلاں گواہوں نے ہمارے سامنے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا تھا تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور ملزم پر حد جاری کر دی جائے گی[۳]

ج: اگر مسروق منہ مال مسروق کی ملکیت سے انکار کر دے یا گواہوں کی تکذیب کر دے تو ملزم کو بری کر دیا جائے گا۔ مثلاً گواہوں کی شہادت گزر جانے کے بعد حاکم نے اجرائے حد کا فیصلہ کر دیا لیکن مسروق منہ نے حاضر عدالت ہو کر بیان دیا کہ "مال مسروق کا مالک تو ملزم ہی ہے میرا تو یہ مال ہی نہیں"۔ یا اس نے کہا کہ "ملزم نے

---

[۱] الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۵ : ۱۶۵

راقم الحروف کا خیال ہے کہ محض گواہوں سے بے قصور شخص کے ہاتھ کی دیت وصول کرنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ جھوٹی شہادت دینے کے جرم میں ان پر شرعی تعزیر بھی جاری کرنی چاہیے تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں اور جھوٹی شہادت بربنائے مخاصمت سے احتراز برتیں۔ [۲] کتاب الاختیار : ۶۸

[۳] ایضاً ص ۶۹ [۳] التتارخانیہ بحوالہ کتاب الاختیار : ۶۹

میرا مال چوری نہیں کیا، بلکہ میں نے امانتہً یہ مال اس کے پاس رکھ دیا تھا۔ یا اس نے کہا کہ "گواہوں نے جھوٹی شہادت دی ہے" تو ان تمام صورتوں میں حد ساقط ہو جائے گی اور ملزم کو باعزت طور پر بری کر دیا جائے گا۔[1]

[1] المبسوط : ۹ : ۱۸۶

پانچویں فصل

اقرار

دفعہ ۲۵۰: چوری کا جرم ملزم کے اقرار سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ملزم کافی وقت گزر جانے کے بعد اقرار کرے[1]

دفعہ ۲۵۱: ملزم کا ایک مرتبہ کا اقرار چوری کے جرم کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اقرار کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے امام مالک، ابوحنیفہ اور شافعی کے نزدیک ایک مرتبہ ہی اقرار کر لینا کافی ہے لیکن امام احمد بن حنبل اور ابو یوسف کے نزدیک دو مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے[2] احناف کے نزدیک فتویٰ امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے۔

الف۔: مستحب ہے کہ حاکم ملزم کو اقرار نہ کرنے کی تلقین کرے "تاکہ اس سے حد کو دفع کیا جا سکے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا، وہ اقراری مجرم تھا اس کے باوجود آپ نے اس کی بابت ارشاد فرمایا۔

اسرق ما اخالہٗ سرق — کیا اس نے چوری کی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اس نے چوری نہیں کی ہوگی"

---

[1] التشریع الجنائی : ۲: ۶۱۵

[2] ایضاً

یہ ارشاد فرماکر آپ چاہتے تھے کہ مجرم اپنے اقرار سے پھر جائے اور آپ کو اس پر حد جاری نہ کرنی پڑے [1]

سبل السلام میں ہے۔

وانہٗ یندب تلقین ما یسقط الحد [2]

ترجمہ: اور مستحب ہے کہ مقر کو ایسی باتوں کی تلقین کی جائے جس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ علامہ فرید وجدی نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا

اطردوا المعترفین [3] اقرار کرنے والوں کو بھگا دیا کرو۔

دفعہ ۲۵۲: اگر چور نے اقرار کر لیا، لیکن اپنے اقرار میں کہا کہ "میں نے یہ مال چرایا ہے، مگر میں یہ نہیں بتلاؤں گا کہ اس مال کا مالک کون ہے۔ یا یہ کہا کہ "میں نے یہ روپے تو ضرور چرائے ہیں، مگر میں یہ نہیں جانتا کہ یہ کس کے ہیں"۔ تو ان دونوں صورتوں میں امام محمدؒ کے قول کے مطابق قطع نہیں ہوگا۔ البتہ تعزیر ہو سکتی ہے [4]

دفعہ ۲۵۳: گونگے کا تحریری اقرار جب کہ لکھنا جانتا ہو۔ حدود کے مقدمات

---

[1] بحر الرائق ۵ : ۵۱

[2] امیر الکحلانی : سبل السلام : ۴ : ۷ : طبع مصر

[3] محمد فرید وجدی : دائرہ معارف القرن العشرین : ۳ : ۳۷۸ : طبع مصر ۱۹۶۷ء

[4] بدائع الصنائع : ۷ : ۸۳

ہیں سوائے قذف کے مقبول نہیں [1]

دفعہ ۱۴۵۴: اگر مسروق منہ مقر چور کی تکذیب کر دے تو اس پر حد جاری نہیں ہو گی مثلاً چور نے اقرار کیا کہ اس نے فلاں مال جس کا مالک فلاں شخص ہے چرایا تھا، لیکن مالک نے کہا کہ "میں نے تو مال مذکور اس کے پاس امانۃً رکھا تھا یا یہ شخص اپنے اقرار ہی جھوٹا ہے" تو ان صورتوں میں ملزم پر حد جاری نہیں ہو گی [2]

دفعہ ۱۴۵۵: دو ملزموں میں ایک ملزم اگر چوری کا اقرار کرے اور دوسرا مال مسروق پر دعویٰ ملکیت کر دے تو دونوں میں سے کسی کا قطع ید نہیں ہو گا۔ تعزیر ہو سکتی ہے بشرطیکہ مقدمہ صرف اقرار سے ثابت ہو رہا ہو، اگر جرم شہادت سے ثابت ہو جائے تو قطع ید ہو گا [3]

الف: شیخ زادہ نے مجمع الانہر میں لکھا ہے کہ "متقدمین فقہاء اقرار بالاکراہ کو باطل قرار دیتے تھے، لیکن متاخرین فقہا نے اپنے دور کے

---

[1] عالمگیری : ۴ : ۱۷ طبع بولاق (اس دفعہ پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہے)

[2] بحرالرائق : ۵ : ۵۱

[3] الزیلعی : تبیین الحقائق : ۳ : ۲۳۰

تقاضوں اور معاشرے کے حالات کو مدِ نظر رکھ کر، مارپیٹ کر چور سے چوری کا اقرار کرانے کی اجازت دی ہے، تاہم میرے نزدیک متقدمین ہی کا قول لائق ترجیح ہے۔[۱]" متاخرین فقہاء نے لکھا ہے کہ اقرار کرانے کے لیے چور کو مارنا پیٹنا جائز ہے۔ اس قول پر احناف کے متاخرین علماء کا اتفاق ہے اور ہمارے زمانے کے حالات کے تحت یہی قول درست نظر آتا ہے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ تشدّد حد سے نہ بڑھ جائے، یعنی چور کی ہلاکت یا اس کی معذوری کا باعث نہ بن جائے۔

---

[۱] مجمع الانہر : ۱ : ۶۲۲

چھٹی فصل

رجوع عن الاقرار (اقرار سے پھر جانا)

دفعہ ۲۵۶: اگر اجرائے حد سے قبل چور اپنے اقرار سے رجوع کرے یا کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے شبہ پیدا ہو جاتے تو حد ساقط ہو جائے گی، لیکن مال مسروقہ مالک کو واپس کرنا ہوگا۔ بشرطیکہ اس کے پاس وہ موجود ہو، ورنہ اسے تاوان ادا کرنا پڑے گا[1]

الف۔: اگر جرم کا اقرار کرنے والا مجرم اجرائے حد کے دوران بھی اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد ساقط ہو جائے گی[2]

ب: اگر چور چوری کا اقرار کرنے کے بعد بھاگ جائے تو اسے پکڑنے کی کوشش نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کے فرار کو رجوع عن الاقرار پر محمول کیا جائے گا[1]

ج۔: اگر چار شخص چوری کا اقرار کریں پھر ان میں سے دو شخص اپنے اقرار سے پھر جائیں یا دو شخص چوری کا اقرار کریں اور ان میں سے ایک اپنے اقرار سے پھر جائے تو کسی پر حد جاری نہیں ہو

---

[1] المبسوط: ۹: ۱۹۱

[2] سبل السلام: ۴: ۷، طبع مصر

[3] درمختار: ۳۶۲

گی [1]

د - : اگر مقر نے پہلے یہ اقرار کیا کہ اس نے دو سو روپے چرائے ہیں بعد میں مکر گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تو ایک ہی سو روپے چرائے تھے تو اس صورت میں اگرچہ اس کا قطع ید نہیں ہو گا، تاہم اس سے دو سو روپے ہی وصول کیے جائیں گے [2]

ھ : اگر دو شخص مدعی ہوں اور چور ایک کے دعوے کو تسلیم اور دوسرے کے دعوے کو رد کرے تب بھی اس سے پورا تاوان وصول کیا جائے گا. مثلاً دو شخص مدعی ہوں اور ان میں سے ہر ایک مدعی دس روپے کی چوری کا دعویٰ کرے اور مدعیٰ علیہ (ملزم) پہلے اقرار کرے کہ میں نے دس روپے چرائے ہیں لیکن بعد میں کہے کہ میں نے اس مدعی کے دس روپے نہیں چرائے ہیں دوسرے مدعی کے چرائے ہیں اس صورت میں بھی قطع ید نہیں ہو گا، لیکن اسے ہر دو مدعیوں کو دس دس روپے بطور تاوان ادا کرنے ہوں گے، کیونکہ ایک مدعی کے حق میں اقرار سے رجوع ہے اور دوسرے کے حق میں انکار کے بعد اقرار ہے . مال میں یہ معتبر نہیں [3]

---

[1] کتاب الاختیار : ۵۸ البتہ تعزیر ہو سکتی ہے۔

[2] کتاب الاختیار : ۶۰

[3] ایضاً ص ۶۱

ساتویں فصل

قرائن

اگرچہ محض قرائن کی بنیاد پر چوری کا جُرم ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور نہ صرف ان کی بنیاد پر سرقے کی حد کا اجراء ہو سکتا ہے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ قرائن سے شہادت کو تقویت ملتی اور مجرم پر فرد جرم عائد کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس لیے قرائن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے شریعت نے بہت سے مواقع پر قرائن (CIRCUMSTANCIAL EVIDENCE) کو تسلیم کیا ہے۔ مثلاً کسی کنواری عورت کے ہاں ولادت ہو جانا یا کسی خالی کمرے سے خون آلود چھری لے کر کسی شخص کا باہر آنا جب کہ ایک مقتول اس کمرے میں پایا جائے۔ (تفصیلات گزر چکی ہیں) ان قرائن کا اعتبار ہوتا ہے، تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ چوری اور ڈاکے کے مقدمات میں قرائن کا اعتبار نہ کیا جائے۔ راقم الحروف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ مقدمات کے ثبوت میں ان آلات جدیدہ کا بھی اعتبار کرنا چاہیے جن کی مدد سے کوئی بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتی ہو، اسی رائے کی روشنی میں مندرجہ ذیل دفعات درج کی جا رہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کو من و عن تسلیم کر لیا جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ قانون ساز علماء اور ادارے اس پر بھی غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں

دفعہ   اگر مدعیٰ علیہ چوری کا انکار کرے اور حاکم کا ظن غالب ہو کہ مدعیٰ علیہ نے چوری کی اور مال مسروق اس کے پاس ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو تعزیر دے (حد جاری نہ کرے) اور مال مسروق اس سے واپس دلوائے اور اکثر علماء کی رائے ہے کہ حاکم کے لیے اپنے ظن غالب کی بنا پر تعزیر دینا جائز ہے. مثلاً اس صورت میں کہ اس نے مدعیٰ علیہ کو چوروں کے ہمراہ جاتے ہوئے دیکھا تھا [۱]

الف : اگر مال مسروق ملزم کے قبضے سے برآمد ہو جائے تو مال مسروق کی برآمدگی اثبات جرم کے لیے قرینہ بنے گی۔

ب۔ : اگر حرز سے ملزم کے جوتے برآمد ہوں اور گواہان بھی ملزم کے خلاف شہادت دے رہے ہوں تو یہ جوتے قرینہ ہو سکتے ہیں

ج۔ : اگر ملزم نے مال مسروق کسی کے ہاتھ فروخت کیا ہو اور مشتری اس بات کی شہادت دے کہ ملزم ہی نے اس کے ہاتھ اس مال کو فروخت کیا تھا تو یہ بھی ایک اہم قرینہ متصوّر ہو گا۔

د : اگر ملزم مسروق منہ کا نہ تو عزیز ہو نہ دوست اور اس کے پیروں کے نشان اس جگہ پائے جائیں جہاں سے مال چرایا گیا تھا اور ماہرین تصدیق کر دیں کہ وہ نشانات ملزم ہی کے پیر کے ہیں تو یہ بھی ایک قرینہ مانا جائے گا۔

---

[۱] کتاب الاختیار بحوالہ الذخیرہ : ۶۱

ھ - : اگر ملزم کی شہرت اچھی نہ ہو اور وہ جرائم پیشہ افراد کے ساتھ نشست و برخواست رکھتا ہو اور گواہان شہادت دیں کہ اس نے چوری کے جرم کا ارتکاب کیا ہے تو اس کی مجالست بھی ایک قرینہ تسلیم کی جائے گی۔

و - : چند لوگ عادی چور ہوتے ہیں اور پولیس کے رجسٹر میں ان کا نام درج ہوتا ہے، لہذا اگر ان کے علاقے میں چوری ہو تو ان عادی چوروں کو شامل تفتیش کیا جا سکتا ہے، بلکہ اگر ضرورت ہو تو شناختی پریڈ میں بھی انہیں شامل کیا جا سکتا ہے۔

ز - : اگر کسی ' ت کو کھول کر اس میں سے رقم چرائی گئی ہو اور ملزم کے ہاتھ کے نشانات (FINGER PRINTS) سیف کے ہینڈل پر موجود ہوں اور ماہرین تصدیق کر دیں کہ وہ نشانات ملزم ہی کے ہاتھ کے ہیں تو ان نشانات کی حیثیت قرینے کی ہو گی۔

ح - : اگر ملزم کی آمد و رفت مسروق منہ کے حرز میں نہ ہو اور چوری کے واقعے کے بعد ملزم کے بال حرز سے برآمد ہوں اور ماہرین تصدیق کریں کہ وہ ملزم ہی کے بال ہیں تو ان بالوں کی حیثیت بھی قرینہ کی ہو گی

ط - : آج کل اصل مجرم کا پتہ لگانے کے لیے کتوں اور کھوجیوں کو تربیت دی جاتی ہے اور اکثر اوقات وہ اصل مجرم کا پتہ لگا لینے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں اگر ایسی کوئی صورت بن جاتے اور ملزم کا استعمال کردہ کپڑا یا کوئی چیز اس جگہ سے مل جاتے جہاں

چوری کا ارتکاب کیا گیا تھا اور تربیت یافتہ کتے اس کپڑے
کی بنیاد پر اصل مجرم کی نشان دہی کریں تو ان کی نشان دہی کو
بالکل ہی رد نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اسے بھی قرائن کے ضمن میں
شمار کیا جا سکتا ہے۔ کھوجیوں کی رائے بھی قرینہ بن سکتی ہے۔ تاہم
اس کی حیثیت محض مؤید کی ہو گی۔

باب ہشتم

رہزنی کی شہادت

پہلی فصل — ادائے شہادت

دفعہ ۲۵۸: رہزنی کا جرم دو عادل اور عینی شاہدوں کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے [1]

الف۔ ۱۔ اگر دونوں گواہ وہ ہوں جنہوں نے ڈاکوؤں سے مقابلہ کیا تھا تو بھی ان کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔

ب ۔ ۱۔ اگر ڈاکوؤں سے مقابلہ کرنے والے گواہ اپنے واقعہ کے بارے میں شہادت نہ دیں۔ یعنی وہ خود مستغیث نہ ہوں تو ان کی شہادت معتبر ہو گی [2]

ج ۔ ۱۔ اگر شہادت کا نصاب پورا نہ ہوتا ہو مثلاً گواہ صرف ایک ہو یا ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہو یا ایک عینی گواہ ہو اور دوسرا سماعی یا تمام کے تمام گواہ سماعی ہوں یا گواہ کوئی نہ ہو البتہ ملزم نے پہلے اقرار کیا تھا پھر اقرار سے پھر گیا ہو تو ان تمام صورتوں میں اگرچہ

---

[1] التشریح الجنائی: ۲۴۶/۲

[2] ایضاً

ملزم پر حد جاری نہیں ہو گی تاہم قاضی اسے تعزیر دے سکتا ہے[1]

د - ۶۔ اگر دو گواہ اپنے بیان میں کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کا راستہ روک کر اس کا مال لوٹ لیا تو ان کی شہادت قبول کر لی جائے اور حاکم کو ان سے یہ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں کہ ملزم نے تمہارا مال بھی لوٹا تھا یا نہیں[2]

ھ - ۶۔ اگر دو گواہ اپنے بیان میں یہ کہیں کہ ملزموں نے ان کے والدین کے مال پر ڈاکہ ڈالا تھا یا ان کے لڑکوں کا مال بطریق رہزنی لوٹ لیا تھا تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی[3]

و - ۶۔ اگر گواہ گواہی دیں کہ ڈاکوؤں نے فلاں شخص پر ڈاکہ ڈالا ہے اور اسکا وارث موجود ہے تو جب تک وارث حاضر نہ ہو گا ڈاکوؤں پر حد جاری نہیں ہو گی[4]

ز - ۶۔ اگر ایک گواہ اپنے بیان میں کہے کہ میں نے فلاں شخص کو ڈاکہ ڈالتے ہوئے دیکھا اور دوسرا کہے کہ ملزم نے میرے سامنے اقرار کیا تھا کہ اس نے ڈاکہ ڈالا تو شہادت رد کر دی جائے گی[5]

---

[1] التشریع الجنائی : ۲ : ۶۴۶

[2] المغنی : ۱۰ : ۳۲۴

[3] المبسوط : ۹ : ۲۰۳

[4] ایضاً [5] ایضاً

دوسری فصل

اقرار

دفعہ ۲۵۹ - اگر ملزم ایک مرتبہ بھی رہزنی کے جرم کا اقرار کرے تو اس پر حد لگا دی جائے گی البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک ضروری ہے کہ ملزم دو مرتبہ ارتکاب جرم کا اقرار کرے [1]

نوٹ :- واضح ہو کہ فقہائے کرام نے رہزنی کی شہادت کے بارے میں کم وبیش وہی معیار رکھا ہے جو چوری کی شہادت کا ہوتا ہے - اور دونوں قسم کے جرائم کی شہادت کے مسائل تقریباً یکساں ہیں - اس لیے دیگر فصول از قسم اختلاف فی الشہادۃ - رجوع عن الشہادۃ - قرائن قاطعہ وغیرہا سے عمداً صرف نظر کیا گیا ہے - لہذا قارئین کرام تفصیلات کے لیے چوری کی شہادت کی فصول کی طرف رجوع فرمائیں اور رہزنی کی شہادت کو اسی پر قیاس کریں -

---

[1] المبسوط : ۹ : ۲۰۳

تیسری فصل

سقوطِ حد

دفعہ ۲۶۰: مندرجہ ذیل صورتوں میں رہزن سے حد ساقط ہو جائے گی۔

الف:۔ اگر مقطوع علیہ عدالت مجاز میں باوجود رہزن کے اقرار کے یہ بیان دیدے کہ ملزم نے اس کا قطع طریق (اصطلاحی) نہیں کیا ہے۔

ب:۔ رہزن اپنے اقرار سے رجوع کرے۔

ج:۔ مقطوع علیہ گواہ کی شہادت کی تکذیب کر دے۔

د:۔ عدالت میں مقدمہ دائر ہونے سے قبل قبل رہزن کسی جائز طریقے پر لوٹے ہوئے مال کا مالک بن جائے مثلاً وہ مقطوع علیہ کو اس کے لوٹے ہوئے مال کی قیمت ادا کرکے اسے راضی کرے یا اس سے وہ مال ہبہ کرائے۔

ہ:۔ گرفتار ہونے سے قبل وہ توبہ کرے اور شریف شہریوں کی طرح زندگی گزارنے لگے۔

اوّل صورت (الف) میں ملزم باعزت طور پر بری کر دیا جائے گا۔

صورت دوم (ب) میں ملزم کو مال (لوٹا ہوا) واپس کرنا ہوگا بشرطیکہ اس کے پاس موجود ہو۔ اگر مال ضائع ہو چکا ہو تو اس کا تاوان ادا کرنا ہو۔

صورت سوم (ج) میں ملزم پر کوئی چیز عائد نہ ہوگی۔

صورت چہارم (د) میں بھی ملزم پر کوئی چیز عائد نہ ہوگی۔ البتہ اگر اس نے زخمی یا قتل کیا ہوگا تو اس کا قصاص لینے کا اولیائے مقتول و مجروح کو حق ہوگا۔

صورت پنجم (ہ) میں بصورت قتل و جراحت اولیائے مقتول اور مجروح کو قصاص لینے کا حق دیا جائے گا کہ وہ چاہیں تو قصاص لیں چاہیں تو معاف کردیں اور اگر ملزم نے مال لوٹا تھا تو اس سے مال وصول کرکے مقطوع علیہ کو دیا جائے گا اور اگر مال ضائع ہو چکا ہے تو ملزم سے اس کا تاوان وصول کرکے مقطوع علیہ کو دیدیا جائے گا۔[1]

---

[1] بدائع الصنائع: ۷: ۹۶ ببعد

باب نہم

ارتداد کی شہادت

پہلی فصل — ادائے شہادت

دفعہ ۲۶۱: ارتداد دو چیزوں سے ثابت ہوتا ہے۔

اول: اقرار

دوم: شہادت سے [1]

دفعہ ۲۶۲: اکثر علماء کے نزدیک دو عادل گواہوں کی شہادت سے ارتداد ثابت ہوجاتا ہے [2]

دفعہ ۲۶۳: اگر دو عادل گواہوں نے کسی شخص کے ارتداد کے بارے میں شہادت دیدی لیکن مدعیٰ علیہ نے انکار کر دیا تب بھی اس سے توبہ کرائی جائے گی اگر وہ توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ بعض حنفی علماء کہتے ہیں کہ مدعیٰ علیہ کا انکار ہی بمنزلہ توبہ اور رجوع کے ہے

---

[1] المقدسی ابن قدامہ: الشرح الکبیر: ۱۰۶/۱۰ علی ہامشہ المغنی

[2] المغنی: ۹۹/۱۰

لہذا مزید توبہ کرانے کی ضرورت نہیں یہی قول درست معلوم ہوتا ہے، نہ اسے دوبارہ کلمہ پڑھانے کی ضرورت ہے[1]

دفعہ ۲۶۴ ا۔ اگر مدعا علیہ کفر کا اقرار کرے اور بعد میں اپنے اقرار سے رجوع کرے تو اس کا رجوع معتبر ہوگا اور اس پر حد جاری نہیں ہوگی[2]

تمت

بفضلہ تعالیٰ "اسلام کا قانون شہادت" کی جلد اول (حصہ فوجداری) تمام ہوئی۔

اس کی دوسری جلد اسلام کا قانون شہادت (حصہ دیوانی) پر مشتمل ہو گی انشاء اللہ العزیز۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و صحبہ واتباعہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

---

[1] المغنی: ۱۰: ۹۹

[2] ایضاً

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضمیمہ نمبر (۱)

قصاص و حدود کے تمہیدی مباحث

فصل اوّل

جھوٹی شہادت

جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ جھوٹی گواہی دینے سے پرہیز کرو۔

(الحج — ۳۰)

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی پہچان بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ۔ اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

(الفرقان — ۷۲)

مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے روایت ہے:۔

وعن انس قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم الکبائر الاشراک باللہ و عقوق الوالدین و قتل النفس والیمین الغموس و فی روایۃ وشھادۃ الزّور[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گناہ کبیرہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی (ناحق) کسی کو قتل کرنا، جھوٹی قسم کھانا اور ایک روایت میں ہے کہ جھوٹی گواہی دینا۔

---

[1] مشکوٰۃ : ۱ : ۲۲ : طبع دمشق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو "اکبر الکبائر" فرمایا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے۔ حضرت انس رضی سے روایت ہے:۔

قال ذکر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم الکبائر او سئل عن الکبائر فقال الشرک باللہ و قتل النفس و عقوق الوالدین و قال الا انبئکم باکبر الکبائر قال قول الزور او قال شهادة الزور قال شعبة اکبر ظنی انهٔ شهادة الزور [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کبیرہ گناہوں کا ذکر فرمایا یا آپ سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ناحق، کسی کو قتل کرنا۔ والدین کی نافرمانی اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں سب سے بڑے کبیرہ گناہ کے بارے میں نہ بتلادوں؟ آپ نے فرمایا، جھوٹ بولنا یا جھوٹی شہادت دینا (راوی) شعبہ کا بیان ہے کہ میرا غالب گمان یہ ہے آپ کی مراد "جھوٹی شہادت" سے تھی۔

ابوداؤد شریف میں ہے:۔

عن خریم بن فاتک قال صلّی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم صلوٰۃ الصبح

حضرت خریم بن فاتک کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور جب لوگوں کی طرف رخ پھیرا

---

۱ صحیح مسلم: ۱: ۶۴ : طبع مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۹ھ

فلما انصرف قام	تو بیٹھے رہنے کے بجائے آپ سیدھے
قائمًا فقال عدلت	کھڑے ہو گئے اور تین بار ارشاد فرمایا
شهادة الزور بالاشراك	جھوٹی گواہی دینا اور شرک کرنا دونوں
بالله ثلاث مرات	برابر کے گناہ ہیں۔ پھر آپ نے آیت
ثم قرأ فَاجْتَنِبُوا	پڑھی کہ تم ناپاکی سے دُور رہو اور جھوٹی
الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ	بات کہنے سے دُور رہو اور خدا کے لیے
وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنَفَاءَ	نیکو کار ہو جاؤ یعنی شرک چھوڑ کر توحید
لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهٖ [1] (الحج - ۳۰)	اختیار کرو۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے محارب بن دثار کے حوالے سے حضرت عمرؓ سے روایت بیان کی ہے :۔

قال شاهد الزور	فرمایا کہ جھوٹا گواہ گواہی دے کر اپنی
لا تزول قدماه	جگہ سے ابھی اس کے قدم ہٹتے بھی
حتّى تجب له النار [2]	نہیں کہ اس کے لیے جہنم واجب ہو
	جاتا ہے

---

[1] ابوداؤد شریف : ۵۰۶ طبع کانپور

[2] المغنی : ۱۲ : ۱۵۳ والفیروز آبادی الشیرازی ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف المہذب : ۲ : ۳۲۸ : طبع مصر

جھوٹی شہادت کی تعریف

: شہادت زور (جھوٹی شہادت) کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ شاہد کا تعمد ثابت ہو۔ مثلاً شاہد خود اقرار کرلے کہ اس نے عمداً شہادت دی تھی یا یہ جانتے ہوئے کہ مشہود علیہ اس وقت عراق میں تھا وہ یہ شہادت دے کہ وہ شام میں تھا یا کسی آدمی کے قتل ہونے کی شہادت دے حالانکہ وہ زندہ ہو یا یہ کہے کہ یہ مویشی مشہود لہٗ کے ہاتھ میں تین سال سے ہے حالانکہ مویشی کی عمر ہی دو سال کی ہو یا شہادت دے کہ فلاں وقت مشہود علیہ نے یہ کام کیا تھا۔ دراں حالیکہ اس وقت مشہود علیہ مرچکا تھا یا اس وقت تک وہ پیدا ہی نہیں ہُوا تھا۔ یا اسی طرح کی ایسی باتیں جن سے گواہ کا جھوٹا ہونا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو رہا ہو کہ گواہ نے عمداً اس قسم کی جھوٹی شہادت دی تھی۔[1]

شیخ الاسلام نے اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ اگر اس قسم کے امور میں گواہ یہ کہے کہ "میں نے غلطی سے اس قسم کی شہادت دے دی تھی" یا یہ کہے کہ "میں نے تو اپنے ظن غالب کی بنا پر اس قسم کی شہادت دے دی تھی"۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ "اسی کا نام تو جھوٹی شہادت

---

[1] المغنی : ۱۲ : ۱۵۴

ہے کہ تم نے بغیر علم قطعی کے شہادت دی" اور اس کو جھوٹا گواہ قرار دیا جائے گا۔[1]

: اگر دو شہادتوں کے درمیان تعارض ہو جائے یا گواہ کا فسق ظاہر ہو جائے یا شہادت دینے میں شاہد سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جس کے باعث شہادت رد کر دی جائے[2] یا شہادت دعوے کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دی جائے تو اُسے شہادت زور نہیں کہا جائے گا۔[3]

اس سلسلے میں امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔ چنانچہ المہذب میں ہے:۔

ویثبت انه شاهد زور من ثلاثة اوجه احدها ان یقر انه شاهد زور والثانی ان تقوم البینة انه شاهد زور والثالث ان یشهد	یہ بات کہ گواہ جھوٹا ہے تین طرح سے ثابت ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ گواہ خود اقرار کرے کہ (عمداً) اس نے جھوٹی شہادت دی۔ دوسرے یہ کہ اس کے جھوٹے گواہ ہونے کا قابلِ وثوق ثبوت مل جائے۔ تیسرے یہ کہ

---

[1] شرح فتح القدیر : ۶ : ۸۳

[2] المغنی : ۱۲ : ۱۵۴

[3] شرح فتح القدیر : ۶ : ۸۳

بما یقطع بکذبه بان شهد علی رجل انہ قتل او زنی فی وقت معین فی موضع معین والمشهود علیه فی ذلك الوقت كان فی بلد اخر واما اذا شهد بشیٔ اخطأ فیه لم یکن شاهد زور لانہ لم یقصد الکذب [1]

یقینی طور پر اس کا کذب ثابت ہو جائے، مثلاً وہ کسی کے خلاف گواہی دے کہ اس نے فلاں معین وقت میں معین جگہ پر قتل یا زنا کیا حالانکہ اس وقت مشہود علیہ کسی دوسرے شہر میں تھا۔ البتہ اگر اس نے اپنی شہادت میں کوئی غلطی کر دی تو محض اس غلطی کی وجہ سے اسے "شاہد زور" نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ اس نے عمداً جھوٹی گواہی نہیں دی تھی۔

جھوٹی شہادت کی سزا

ہمارا معاشرہ اخلاقی اعتبار سے جتنا پست ہو چکا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ معمولی فائدے کی خاطر جھوٹی شہادت دے کر کسی بے قصور کو پھنسا دینا اور کسی قصوروار کو بچا لینا روزانہ کا معمول بن چکا ہے۔ ان حالات میں اسلامی قوانین اور حدود کے نفاذ کے بعد ملک کے عوام بالعموم اور قانون دان

---

[1] المہذب : ۲ : ۳۲۸

طبقہ بالخصوص سخت الجھن میں گرفتار ہے کیونکہ پہلے کے مقابلے میں اسلامی حدود سخت ہیں۔ لہٰذا لوگوں کے دلوں میں بجا طور پر یہ اندیشہ پیدا ہو رہا ہے کہ اگر شہادتوں کا یہی معیار باقی رہا جو اس وقت ہمارے ہاں رائج ہے تو یہ بات خارج از امکان نہیں کہ قصوروار بچ نکلیں اور بے قصوروں کے ہاتھ کٹ جائیں۔

دُوسری بات یہ ہے کہ عرصۂ دراز سے مغرب کا نہایت ژولیدہ و پیچیدہ عدالتی نظام ہمارے ملک میں قائم ہے۔ اس نے جہاں اور بہت ساری دُشواریاں اور تاخیر انصاف کے راستے پیدا کر دیے ہیں وہاں ایسی صورت حال کو بھی جنم دیا ہے جس میں مجبوراً گواہوں کو جھُوٹ بولنا پڑتا ہے۔ پولیس کو جھوٹے اور ٹاؤٹ قسم کے گواہ تیار کرنے پڑتے ہیں۔ وکلاء کو جھوٹے بیانات سکھانے پڑتے ہیں اس کے نتیجے میں ہماری عدالتیں (اگر بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے) جھوٹ سننے اور بعض اوقات جھوٹی شہادتوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ کوئی حاکم مسل سے باہر جا نہیں سکتا اور مقدمات کی مسلوں میں نہایت چابکدستی سے جھُوٹ کا امتزاج کر دیا جاتا ہے۔ حق کو باطل سے الگ کرنے میں بعض اوقات حاکم کامیاب ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ناکام رہتے ہیں۔

ایسی صورت حال میں اگر کوئی شخص اس اندیشے میں مبتلا ہے کہ دو گواہ تیار کر کے میرا ہاتھ (ناحق) کٹوا دیا جائے گا تو اس اندیشے کو یکسر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

اب دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ موجودہ عدالتی نظام

کو اس کی تمام الجھنوں، پیچیدگیوں اور نقصانات کے ساتھ برقرار رکھا جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو ہم قیامت تک اپنی منزلِ مراد یعنی اسلامی نظام تک نہیں پہنچ سکتے اور ہمارا ملک روز بہ روز اس دلدل میں مزید پھنستا چلا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اپنے دین اور قرآن و سنّت کے عطا کردہ نظامِ عدل پر اعتماد کرتے ہوئے اسی کو اپنے معاشرے میں من کل الوجود نافذ کرنے کا عزم کریں اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے قدم بڑھا دیں۔ ابتداءً جب بچّہ چلنا شروع کرتا ہے تو ڈگمگاتا بھی ہے اور اس میں اعتماد علی النفس کا فقدان بھی ہوتا ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گر پڑتا ہے اور پھر اُٹھ کر چلنے لگتا ہے لیکن آخر کار چلتے چلتے گرتے پڑتے اسے چلنا آجاتا ہے۔ فرض کیجیے اگر بچّہ اس ڈر سے بیٹھا رہ جائے کہ چلوں گا تو گر پڑوں گا تو وہ ساری زندگی معذور و مفلوج ہو کر بیٹھا رہ جائے گا۔ یہ صورت تو چلنے کے ایک عمل کے بارے میں ہے۔ یہاں تو نفاذِ دین کا معاملہ ہے، جس کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا حتمی، قطعی اور یقینی وعدہ ہے کہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت)

(ترجمہ) اور جو لوگ ہمارے راستے پر چلنے کی کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور اپنا راستہ انہیں دکھائیں گے۔

اس مرحلے پر ہماری ذمے داری وصول الی المطلوب یا حصول نتائج نہیں ہے بلکہ سعی و جہد اور مخلصانہ کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ جب اس نے وعدہ کیا ہے تو وہ منزلِ مقصود پر ضرور پہنچائے گا۔ یہ راستہ جذبۂ صادق اور خلوصِ نیت ہی سے طے ہو گا۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اس راستے کو طے کرنے اور اس راستے میں مشکلات برداشت کرنے ہی میں ہماری اور ہمارے ملک کی بقا ہے۔ کیونکہ ہم نے اس ملک کو طلب کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر زمین کا یہ ٹکڑا ہمیں مل گیا تو ہم اس میں تیرا نظام قائم کریں گے۔ لہٰذا اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک میں عزّت و آزادی کے ساتھ زندگی گزاریں تو پھر اندیشہ ہائے دُور و دراز اور فکر سُود و زیاں سے مُنہ موڑ کر اللہ کا دین پُورے طور پر اس ملک میں نافذ کر دینا چاہیے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ چونتیس برس کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اس وقت ملک میں اس سلسلے میں پیش رفت ہو رہی ہے۔ مگر اسی پر مطمئن ہو کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اندرون ملک ایسے عناصر موجود ہیں جو اس پیش رفت کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں اور بیرون ملک ہنود و یہود مسلسل اور مستقلاً اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں۔

وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ اسلامی نظام کو نافذ کیا جائے تاکہ کم از کم غلطیاں ہوں اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔

معاشرے کی اصلاح اور بر و اثم کے درمیان تمیز پیدا کرنے کے لیے پہلا اقدام تو یہ ہونا چاہیے کہ تمام ذرائع ابلاغ کو استعمال کر کے لوگوں میں خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا کی جائے یہ کوئی بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ اگر مدّتوں پتھر پر

پانی گرتا رہے تو پتھر بھی گھس جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے عوام تو بہرحال مسلمان ہیں اور اسلامی نظام سے محبّت رکھتے ہیں۔ صرف ضرورت یہ ہے کہ ان کے جذباتِ عالیہ کو اپیل کیا جائے اور ان میں اسلام کی اخلاقی اقدار سے محبّت پیدا کی جائے لیکن ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اچھی تعلیمات اور افکارِ عالیہ سے متاثر نہیں ہوتے۔ ان کی بہیمی صفات ان کے انسانی و ملکوتی عواطف و امیال پر غالب ہوتی ہیں۔ شریعت ایسے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے تعزیر استعمال کرتی ہے تاکہ بدنہاد لوگوں میں خوف پیدا کیا جائے اور وہ خوف کی وجہ سے ان اقدامات سے باز رہیں جو شریعت کی منشا کے برخلاف ہیں اور ان کے حشر کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں۔

جھوٹی شہادت دینے والے کے لیے قرآن کریم میں کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی ہے۔ البتہ بہت سی احادیث ہیں جنہیں "شاہد زور" کے لیے سخت وعید اور آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔ چونکہ امّت کے لیے خلفائے راشدین کی سنّت بھی قابلِ استناد ہے اس لیے حضرت عمر فاروقؓ کے عمل کو تعزیر کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ولید بن ابی مالک سے روایت ہے کہ:

ان عمر رضی اللہ	حضرت عمرؓ نے اپنے شام کے عمال کو
عنہ کتب الی عمالہ	فرمان بھیجا کہ جھوٹے گواہوں کو چالیس
بالشام ان شاھد الزور	کوڑے مارے جائیں۔ ان کے چہروں
یضرب اربعین سوطا و	پر کالک لگائی جائے۔ ان کا سر مونڈ

یسخم وجهه ویحلق راسه ویطال حبسه [1]

دیا جائے اور انہیں طویل عرصے تک کے لیے قید کر دیا جائے۔

عبدالرزاق نے اپنے مصنّف میں مکحول سے روایت کی ہے کہ:

ان عمر ضرب شاهد الزور اربعین سوطا [2]

حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارے۔

حکیم سے مصنف عبدالرزاق میں روایت ہے کہ:

ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه امر بشاهد الزور ان یسخم وجهه و تلقی عمامته فی عنقه ویطاف به فی القبائل [3]

حضرت عمر بن الخطابؓ نے حکم دیا تھا کہ جھوٹے گواہ کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے اس کی پگڑی اس کی گردن میں لپیٹ دی جائے اور اسی حالت میں قبائل میں اسے پھرایا جائے۔

چنانچہ صاحبین (امام ابویوسف و امام محمد) کا قول ہے کہ جھوٹے گواہ کو قید اور تعزیر دی جائے جس کی مقدار اور نوعیت کا تعین قاضی اپنی صواب دید سے کرے۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ قاضی پچاس سے ستّر کوڑے تک مار سکتا ہے[4]۔

---

[1] شرح فتح القدیر : ۶ : ۸۳

[2] المبسوط : ۱۶ : ۱۴۵ طبع مصر

[3] عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی : المصنف : ۸ : ۳۲۷ طبع بیروت

[4] المبسوط : ۱۶ : ۱۴۶

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کو یہ سزا دی اس وقت صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی لیکن ان میں سے کسی نے حضرت عمرؓ کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا اسے صحابہؓ کا اجماع کہا جا سکتا ہے دُوسری دلیل یہ ہے کہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جھوٹی شہادت دینا اکبر الکبائر ہے۔ لہٰذا اگر اکبر الکبائر کے لیے قرآن و سنّت میں کوئی حد مذکور نہ ہو تو تعزیر بہرحال دی جا سکتی ہے۔

یہی مسلک امام شافعی کا ہے۔ المہذب میں ہے:۔

واذا ثبت انه شاهد	اگر یہ ثابت ہو جائے کہ گواہ جھوٹا ہے
زور ورأى الامام تعزيره	اور امام خیال کرے کہ اس کی تعزیر جسمانی
بالضرب او الحبس	ضرب یا قید یا تنبیہ کے طور پر مناسب
اوالزجر فعل [1]	ہے تو وہ یہ اقدام کر سکتا ہے۔

یہی مسلک امام مالک کا بھی ہے۔ المدونہ میں ہے:۔

قال مالك يضربه ويطوف	امام مالک نے فرمایا کہ حاکم اسے مارے
به في المجالس [2]	اور تشہیر کرائے۔

بلکہ امام مالک تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

ولا تقبل له	اس کی شہادت کبھی بھی قبول نہیں کی

---

[1] المہذب : ۲ : ۳۳۰

[2] امام مالک بن انس : المدونۃ الکبریٰ : ۱۳ : ۲۵۱ : طبع مصر ۱۳۲۳ھ

شهادة أبدا وان تاب — جائے گی، چاہے وہ توبہ کرے اور اس
وحسنت حالهٗ [1] — کے احوال بہتر ہو جائیں۔

امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔ المغنی میں ہے:۔

وانما هو مفوض — (جھوٹے گواہ کی تعزیر کا مسئلہ)
الیٰ رأی الحاکم ان — حاکم کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے
رأی ذلك بالجلد — وہ مناسب سمجھے تو اسے کوڑے لگائے
جلدهٗ وان رآهٗ — اگر چاہے تو اس کی پگڑی اتروا کر اس
بحبس اوکشف راسه — کا سر ننگا کرا دے یا اس کی توہین یا تنبیہ
اهانته اوتوبيخه فعل — کا کوئی طریقہ اختیار کرے البتہ دس
ذلك ولا یزید فی جلدهٖ علیٰ عشر [2] — کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹے گواہ کی بازاروں میں تشہیر کرانی چاہیے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تشہیر کی وہی صورت اختیار کرنی چاہیے جو قاضی شریح اختیار کرتے تھے۔

یعنی: "قاضی شریح جھوٹی گواہی دینے والے کو عصر کی نماز کے بعد جبکہ بازاروں میں لوگوں کا ہجوم ہوتا۔ عدالت کے کارندے کے ہمراہ بھیج دیتے اور وہ بازار میں اعلان کرتا کہ قاضی شریح نے تم سب کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ "یہ شخص جھوٹی گواہی دینے والا ہے اس سے بچو۔ اگر وہ شخص بازار سے متعلق نہ ہوتا تو پھر عدالت کے کارندے کے ہمراہ اسے اس کے قبیلے اور محلے

---

[1] المدونۃ: ۱۳: ۱۵۱ طبع مصر ۱۳۲۳ھ [2] المغنی: ۲: ۱۵۴

میں بھیجتے اور عدالتی کارندہ اسی قسم کا اعلان اس کے قبیلے یا محلے میں کرتا[1]۔

معاشرے کے موجودہ حالات کے پیش نظر راقم الحروف کا خیال ہے کہ صاحبین کا قول ہمارے مناسب حال ہے لہٰذا :۔

اگر کسی شخص پر جھوٹی شہادت دینے کا جُرم اپنی تمام مذکورہ بالا شرائط کے مطابق ثابت ہو جائے تو حاکم کو اختیار ہے کہ اسے قید یا کوڑوں کی سزا دے۔ قید کی مدت اور کوڑوں کی تعداد کا تعین حاکم اپنی صوابدید سے کر سکتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تشہیر بھی کرا سکتا ہے اور تشہیر کے لیے جدید ذرائع از قسم اخبارات، ریڈیو اور ٹیلیویژن کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے عمل اور اجماع صحابہؓ کے مطابق "حاکم جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑوں کی سزا دے سکتا ہے"۔

---

[1] المبسوط: ۱۶ : ۱۴۵

فصل دوم

قتل

تمہیدی مباحث

انسانی جان کا احترام

دنیا کی تمام شریعتوں میں انسانی جان کو قابلِ احترام اور قتلِ ناحق کو گناہِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں :-

"انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے اہم ترین مقصد لوگوں سے ظلم کا دفع کرنا ہے۔ کیونکہ ظلم سے لوگوں کے حالات خراب ہوتے ہیں اور تنگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کے لیے زیادہ وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔ مظالم کی بڑی بڑی تین قسمیں ہیں :-

(۱) کسی کو قتل کرنا

(۲) کسی کے عضو نافع پر تعدّی کرنا۔

(۳) کسی کے مال پر دست درازی کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے کہ ان ہرسہ اقسام کی تعدّی سے لوگوں کو باز رکھنے کے لیے زبردست زواجر استعمال کیے جائیں اور ان کی نوعیت ایسی ہو کہ دوسروں کے لیے باعث عبرت بنیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ زواجر سب کے سب ایک ہی درجہ کے نہ ہوں۔ کیونکہ کسی کی ناک یا کان کاٹ دینا یا آنکھ پھوڑ دینا اس کو قتل کرنے کے برابر نہیں ہے۔ نیز جو دواعی نفسانیہ ان جرائم کے ارتکاب پر انسان کو مائل کرتے ہیں وہ بھی شدّت و خفت کے اعتبار سے یکساں نہیں اور یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ کسی کو دیدہ و دانستہ قتل کر ڈالنا غلطی سے قتل کر دینے کا ہم پلّہ نہیں۔ بہرحال قتل (عمد) تمام اقوام و ملل کے نزدیک اکبر الکبائر ہے۔ کیونکہ کسی کو قتل کرنا داعیہ غضب کی انتہائی اطاعت مدنی تعلقات کو بگاڑنے کا سب سے بڑا ذریعہ اور فساد کا سرچشمہ ہے۔ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑنا اور اس کی بنائی ہوئی عمارت کو ڈھانا ہے اور یہ فعل شنیع اللہ تعالیٰ کے ارادہ سُنیہ کے عین متضاد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو نسل انسانی کا بڑھانا مقصود ہے[1]۔

---

[1] حجۃ البالغہ : ۲ : ۱۵۱

انسانی جان کے احترام کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے قتل کو سارے عالمِ انسانیت کے قتل کے مترادف اور ایک انسان کی جان بچانے کو سارے عالمِ انسانیت کو حیات بخشنے کے مثل قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔	جو کوئی کسی کو کسی کی جان کے (عوض) کے بغیر یا زمین پر فساد پھیلانے (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے انسانوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک کو بچا لیا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو بچا لیا۔

(المائدہ – ۳۲)

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ۔

المقصود من تشبيه قتل النفس الواحدة بقتل النفوس المبالغة فى تعظيم امر القتل العمد وتفخيم شانه [۱]۔	ایک شخص کے قتل کو سارے انسانوں کے قتل سے تشبیہ دینے کا مقصد قتلِ عمد کے گناہِ عظیم کو ظاہر کرنا اور اس کی کیفیت کی شدت کو واضح کرنا ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں قاضی بیضاوی نے لکھا ہے:

---

[۱] الفخر الرازی : تفسیر کبیر : ۳ : ۳۹۵ طبع مصر

من حيث انه هتك حرمة	اس لیے کہ اس نے جان کی حرمت
الدماء وسن القتل وجرأ	توڑی، قتل کی سنت کو جاری کیا اور لوگوں
الناس عليه او من حيث	کو اس کام کے کرنے کی جرأت دلائی اور
ان قتل الواحد وقتل الجميع	اس لیے بھی کہ ایک انسان کو قتل کرنا اور
سواء فی استجلاب غضب	تمام انسانوں کو قتل کرنا اللہ تعالٰے کے
الله سبحانه وتعالیٰ والعذاب	غضب اور اس کے عذاب عظیم کو دعوت
العظيم[1]۔	دینے کے معاملے میں برابر ہے۔

قتل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل ناحق کو کفار کا عمل قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

عن النبی صلی الله عليه وسلم	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب	خبردار! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک
بعضکم رقاب بعض[2]	دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

امام قسطلانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

---

[1] البیضاوی قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی: انوار التنزیل ۱: ۱۱۷ طبع مصر ۱۹۵۵ء

[2] ۱: ۱۱۷ البخاری: ۲: ۱۰۱۴

ولا تکن افعالکم شبیهة بافعال الکفار فی ضرب رقاب المسلمین [1]	یعنی تمہارے اعمال کافروں کی طرح نہ ہوجائیں کہ مسلمانوں کی گردنیں مارنے لگو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کو اکبر الکبائر فرمایا ہے:۔

عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اکبر الکبائر الاشراک باللہ وقتل النفس وعقوق الوالدین وقول الزور [2]	حضرت انس بن مالک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اکبر الکبائر میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی شہادت دینا ہے۔

آپ نے تو مسلمانوں پر ہتھیار اٹھانے والے کو اپنی جماعت سے خارج قرار دیا ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حمل علینا السلاح فلیس منا۔ [3]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو ہمارے اوپر (مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھائے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

---

[1] القسطلانی علی ہامش البخاری: ۲: ۱۰۱۴

[2] البخاری: ۲: ۱۰۱۵

[3] البیہقی ابوبکر احمد بن الحسین بن علی: السنن الکبریٰ: ۸: ۲۰ طبع دکن (الہند) ۱۳۵۴ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل ناحق کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا سب سے مبغوض بندہ قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

عن ابن عباس ان النبی	حضرت ابن عباس سے روایت ہے
صلی اللہ علیہ وسلم قال	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
ابغض الناس الی اللہ ثلاثة	کہ اللہ تعالیٰ کو تین آدمی سخت ناپسند
ملحد فی الحرم ومبتغ فی	ہیں۔ ایک تو حرم پاک میں زیادتی کرنے
الاسلام سنة الجاهلية	والا۔ دوسرا وہ شخص جو اسلام قبول کرنے
ومطلب دم امری بغیر حق	کے باوجود جاہلی رسوم کو اختیار کرے۔
لیهریق دمه [1]	تیسرا وہ جو کسی کا ناحق خون بہانا چاہے۔

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے:۔

عن عبد اللہ بن عمرو ان	حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
قال لزوال الدنیا اهون	کہ ایک مسلمان کے قتل کے مقابلے میں
علی اللہ من قتل رجل	ساری دنیا کی تباہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک
مسلم [2]	زیادہ حقیر ہے

قیامت کے دن جب میزان قائم ہو گی اور اعمال کا محاسبہ شروع ہو گا تو

---

[1] البخاری : ۲ : ۱۰۱۶

[2] الترمذی : ۲۲۰ طبع کراچی۔

اللہ تعالیٰ سب سے پہلے خون ناحق کا حساب لے گا۔

عن عبد اللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اول ما یقضی بین العباد فی الدماء[1]۔	حضرت عبد اللہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے دن) سب سے پہلے خون (ناحق) کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے:۔

قال لقد سمعت نبیکم صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول یجیئ المقتول یوم القیامۃ اخذا راسہ اما قال بشمالہ واما بیمینہ تشخب اوداجہ فی قبل عرش الرحمٰن یقول یارب سل ھذا فیما قتلنی[2]۔	میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا ہے کہ قیامت کے دن مقتول اپنا سر اپنے بائیں یا دائیں ہاتھ میں اس حالت میں لے کر عرش کے سامنے حاضر ہوگا کہ اس کی رگوں سے خُون بہہ رہا ہوگا اور اپنے رب سے فریاد کرے گا کہ اے رب! اس (قاتل) سے پوچھ کہ اس نے مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا تھا۔

---

[1] الترمذی : ۲۲۰ طبع کراچی

[2] احمد بن محمد بن حنبل : المسند : ۵ : ۳۴۴۶ : طبع مصر ۱۹۵۰ء

اقسام قتل

قتل کی تعریف

اصطلاحِ فقہ میں قتل کسی انسان کے اس فعل کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی دُوسرے انسان کی جان چلی جائے۔[1]

اصولاً شریعت میں قتل کی دو قسمیں ہیں:-

(۱) قتل ناحق۔

(۲) قتل برحق۔

قتل ناحق

ہراس قتل کو کہتے ہیں جس میں ظلماً اور ناحق کسی شخص کو ہلاک کیا جائے۔

قتل برحق

اس قتل کو کہتے ہیں جو حق کی بنا پر کیا جائے۔

مثلاً قصاص میں کسی کو قتل کرنا یا مُرتد کو قتل کرنا یا زانی محصن کو رجم کرکے ہلاک کردینا۔

---

[1] التشریع الجنائی : ۲ : ۶

قتل کی فقہی اقسام

ازروئے فقہ قتل کی پانچ قسمیں ہیں[1]۔

قتل عمد:۔ یعنی وہ قتل جس میں قاتل اپنے قصد وارادہ سے مقتول کی آلہ جارحہ سے جان لے

قتل شبہہ عمد:۔ وہ قتل جس میں قاتل کا قصد وارادہ مقتول کو ہلاک کرنے کا نہ ہو اور مارنے میں ہتھیار استعمال نہ کرے اور نہ کوئی ایسی چیز استعمال کرے جسے عموماً ہلاک کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔ مثلاً کسی بڑی چھڑی یا کوڑے سے مارا یا لکڑی چلا کر مار دیا تو اگرچہ اس صورت میں اس نے عمداً مارا ہے لیکن مارنے میں ایسی چیز استعمال کی ہے جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا۔ اس لیے اس کو شبہہ عمد کہتے ہیں[2]۔

قتل خطاء: اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(الف) ایک خطاء فی القصد۔

مثلاً شکار سمجھ کر کسی پر تیر چلایا اور درحقیقت وہ آدمی تھا، جو ہلاک ہو گیا۔

(ب) دوسرے خطا فی الفعل۔

---

[1] ہدایہ: ۴: ۵۴۳ [2] ایضاً ص ۵۴۴

والتشریع الجنائی: ۲: ۹۳

اس نے کسی شکار پر تیر چلایا اور غلطی سے کسی آدمی کو لگ اور وہ ہلاک ہوگیا۔[1]

ج۔ **ما اجری مجری الخطاء**: مثلاً کوئی سوتا ہوا شخص کروٹ بدلے اور کسی پر گر پڑے اور وہ ہلاک ہو جائے۔[2]

د۔ **قتل بسبب**:۔ پانچویں صورت یہ کہ مجرم کوئی ایسا فعل کرے جو کسی کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔ مثلاً اس نے راستے میں ایک گڑھا کھود دیا جس میں کوئی راہ گیر گر کر ہلاک ہوگیا۔[3]

احکام

صورت اول میں قصاص واجب ہوتا ہے یا یہ کہ اولیاء مقتول قاتل کو معاف کر دیں یا دیت (خون بہا) لے کر صلح کر لیں۔ دوسری صورت میں کفارہ تعزیر (بصورت قید) اور عاقلہ پر دیت واجب ہوگی تیسری صورت میں بھی کفارہ اور عاقلہ پر دیت واجب ہوگی، چوتھی صورت کا حکم بھی وہی ہے، جو تیسری کا ہے۔ پانچویں صورت میں کفارہ نہیں ہوگا۔ صرف عاقلہ پر دیت ہوگی

قصاص و دیت

قتل عمد کی سزا شریعت میں قصاص رکھی گئی ہے۔ اور قتل کی دوسری صورتوں میں دیت یا دیت و کفارہ و تعزیر رکھی گئی ہیں۔

---

[1] ہدایہ جلد: ۴: ۵۴۵
[2] ایضاً ص ۵۴۵
[3] ایضاً

قصاص کے لغوی معنی

قصاص کے لغوی معنی القود (بدلہ) کے ہیں۔ تاج العروس میں ہے۔

القصاص بالکسر القود	قصاص بالکسر بدلے کو کہتے ہیں یعنی
وھو القتل بالقتل و	قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے اور
الجرح بالجرح[1]	زخم کے بدلے میں زخم لگائے جائیں

القص (القطع) کاٹنے کے معنی میں بھی آتا ہے[2]

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے۔

القصاص تتبع الدم بالقود[3]

قصاص خون کا بدلہ طلب کرنے کو کہتے ہیں۔

دور جاہلیت میں قصاص

زمانہ قبل از اسلام میں یہودی لوگ قتل کے بدلے میں قتل کرتے تھے لیکن عیسائی قاتل کو معاف کر دیا کرتے اور عرب جاہلیت بعض اوقات قتل کرتے اور بعض اوقات دیت لینے پر اکتفا کرتے۔ لیکن وہ قصاص اور دیت دونوں میں تعدی کرتے تھے۔ مثلاً اگر کسی قبیلے کے ایک شریف آدمی کو کوئی

---

[1] الزبیدی: تاج العروس: ۴: ۳۲۴ طبع بیروت ۱۹۶۶ء

[2] ابن منظور: لسان العرب: ۷: ۷۴: طبع بیروت

[3] الراغب الاصفہانی: المفردات فی غریب القرآن: ۴۱۴ طبع مصر

شخص قتل کر دیتا تو اس کے بدلے میں قاتل کے قبیلے کے پچاسوں معصوموں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ کسی شریف نے کسی قبیلے کے ایک فرد کو قتل کر دیا تو قاتل سے کہا جاتا کہ ہم تجھے اس وقت چھوڑ سکتے ہیں کہ تیرے سو غلاموں کو قتل کریں اور اگر وہ منظور کر لیتا تو اس کے سو بے قصور غلاموں کو پکڑ کر قتل کر دیا جاتا۔

قتل میں بھی وہ تعدی کا راستہ اختیار کرتے مثلاً ناک، کان کاٹ کر تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتے اور پھر تڑپنے دیتے اور پھر پیر کاٹتے۔ غرضکہ اس طرح وہ رقص بسمل کا تماشا دیکھتے اور اپنے جذبۂ انتقام کو تسکین پہنچاتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ اگر کوئی غلام قتل کر دیتا تو مقتول کے ورثاء کہتے کہ ہم اس غلام اور آقا کے اقارب کو قتل کریں گے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ایک روایت لکھی ہے کہ

"ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ معاملے کو رفع دفع کرانے کے لیے قاتل کے اقارب مقتول کے والد کے پاس آئے اور اس سے دریافت کیا کہ تم اپنے مقتول بیٹے کے عوض میں کیا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ "تین باتوں میں سے ایک بات"۔ یا تو تم میرے لڑکے کو زندہ کر دو یا میرے مکان کو آسمان سے ستارے لا کر سجا دو یا اپنی قوم کے تمام افراد کو میرے حوالے کر دو کہ میں سب کو ٹھکانے لگا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کروں۔ حالانکہ میں اس وقت بھی یہ نہیں سمجھوں گا کہ میں نے اپنے بیٹے کے خون کا بدلہ لے لیا ہے۔[1]

---

[1] تفسیر کبیر: ۵ : ۵۱ : طبع مصر ۱۹۳۸ء

عرب جاہلیت کے نظام قصاص میں دوسری بہت بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ منہ دیکھ کر قتل کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی شریف اور بلند مرتبہ شخص مارا جاتا تو اس کے بدلے سینکڑوں انسانوں کو قتل کر ڈالتے اور اگر اسی درجے کا کوئی معزز آدمی کسی غریب آدمی کو قتل کر دیتا تو وہ ایسے قتل کو نظر انداز کر دیتے۔ دیکھا جائے تو یہ روگ جاہلیت قدیمہ ہی میں نہیں تھا بلکہ آج کی مہذب دنیا بھی جو جاہلیت جدیدہ میں گرفتار ہے۔ اسی مرض کی مریض نظر آتی ہے۔ انہوں نے رنگ، نسل، قومیت، شرافت، امارت و غربت کی بے شمار دیواریں انسانی معاشرے میں کھڑی کر رکھی ہیں۔

اسلام کا نظریہ قصاص

لیکن اسلام نے ان تمام دیواروں کو گرا کر سارے عالمِ انسانیت کو مساوات اور حریت کا سبق دیا۔ اسلام نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا خالق و مالک ہے۔ کالے، گورے، عربی عجمی، غلام، آقا، شاہ و گدا، خادم و مخدوم، عالی و دانی، اشرف و ارزل سب اسی کے بندے اور اسی کی مخلوق ہیں۔ چنانچہ اعلان ہوا:۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا۔ (المائدہ — ۳۲)	جو شخص کسی انسان کو بغیر کسی انسانی خون کے عوض یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے عوض قتل کر ڈالے تو گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔

ارشاد ہوا۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی۔ (البقرہ ۔۱۷۸)	اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے میں آزاد، غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا:۔

وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔ (المائدہ ۔۴۵)	اور ہم نے ان پر اس میں فرض کر دیا کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا آنکھ اور ناک کا ناک اور کان کا کان اور دانت کا دانت۔ اور زخموں میں قصاص ہے۔

مذکورہ بالا آیات شریفہ سے مندرجہ ذیل باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ قصاص لینا حاکم پر فرض ہے۔ بشرطیکہ اولیائے مقتول قصاص کے طالب ہوں۔

(۲) دوسری یہ کہ قاتل کو بلاعذر تسلیم نفس کر دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ حق العبد ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ حاکم پر از روئے قرآن یہ فرض ہے کہ مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت کامل اور خالص "تسویہ" برتے، یعنی اونچ نیچ، امیر و غریب اور چھوٹے بڑے کا امتیاز بالکل نہ کرے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قصاص کو حیات فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ۔ (البقرہ-۱۷۹)	اور اے عقل وخرد والو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

رُوح المعانی میں علامہ آلوسی نے اس آیت کریمہ کے بارے میں لکھا ہے :۔

وھو کلام فی غایۃ البلاغۃ وکان اوجز کلام عندھم فی ھذا المعنی[1]	یہ انتہائی بلیغ کلام ہے۔ اہلِ عرب کے نزدیک اسے سب سے زیادہ موجز کلام کہا جا سکتا ہے۔

امام بیضاوی لکھتے ہیں :۔

کلام فی غایۃ الفصاحۃ و البلاغۃ حیث جعل الشئ محل ضدہ[2]	یہ کلام انتہائی فصیح و بلیغ ہے کیونکہ اس میں ایک شے کو اس کی ضد کی جگہ پر رکھ دیا گیا ہے۔

یعنی قصاص سے تو قاتل کی موت واقع ہوتی ہے لیکن اللہ تعالےٰ اسے حیات سے تعبیر فرما رہے ہیں۔ اس انداز بیان نے آیت کو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ قصاص بظاہر "ازالۂ حیات" ہے لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ازالۂ حیات ہونے ہی کے باعث "مفضی الی الحیاۃ" ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے

---

[1] الآلوسی : روح المعانی : ۲ : ۵۱ : طبع ملتان

[2] البیضاوی : تفسیر البیضاوی علیٰ ہامشۃ القرآن : ۴۳ طبع مصر

تو اسے یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ وہ بھی قصاص میں قتل ہوگا۔ اس طرح وہ قتل کرنے سے باز آجائے گا۔ گویا قاتل (باعتبار ارادۂ قتل) قصاص میں قتل ہونے سے بچ گیا اور وہ شخص جو مقتول ہونے والا تھا۔ قاتل کے باز آجانے کے باعث قتل ہونے سے بچا رہا۔ اب بات کو ذرا آگے بڑھائیں تو معلوم ہوگا کہ "نظامِ قصاص" کی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بچ گئی۔ کیونکہ وہ تمام لوگ جن کے بارے میں امکان تھا کہ وہ قتل کرتے جب انہیں پتہ چلا کہ قصاص میں وہ بھی قتل کیے جائیں گے تو اپنے ارادے سے باز رہے اور وہ تمام لوگ جو مستقبل میں مقتول ہوتے قاتلوں کے باز آجانے کے باعث محفوظ رہے اسی لیے قرآن کریم میں قصاص کو حیات کہا گیا۔

عاقلہ کا بیان

قتل کے بارے میں اسلام نے جو نظام عقوبت قائم کیا ہے اور قتل عمد کی سزا قصاص مقرر کی ہے اس کی حکمتوں اور اہمیت کے سلسلے میں گذشتہ صفحات میں ضروری باتیں عرض کی جا چکی ہیں۔

اصل چیز یہ ہے کہ اسلام معاشرے میں امن چاہتا ہے اور وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ معاشرے کا کوئی فرد کسی دوسرے فرد کی آزادی، اس کی عزت و حرمت، اس کی جان یا اس کے مال میں کسی قسم کی تعدی کا ارتکاب کرے کیونکہ یہی وہ عمل ہے جس سے معاشرہ گندہ ہوتا اور اس کا معیار پست ہوتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ تمدن کی ترقی اُونچی اُونچی عمارتوں زرق برق کپڑوں، جاگتی راتوں، عشرت کدوں اور میخانوں کی جگمگاتی فضاؤں، پختہ سڑکوں، بجلی کے قمقموں، ہوٹلوں اور کاروں کا نام نہیں ہے، بلکہ تمدن کی ترقی نام ہے پُر سکون ماحول، باہمی ہمدردی و اخوت، احساس تحفظ، حقوق العباد کی رعایت، خوفِ خدا، فکرِ آخرت، مساوات و عدل، منصفانہ تقسیم دولت و تقسیم وسائل کا۔ کیونکہ اگر یہ باتیں کسی معاشرے میں موجود نہ ہوں تو معاشرہ خوف و حزن اور حسد و عناد میں گرفتار ہو جائے گا۔ ایک طبقہ دوسرے طبقے کا استحصال کرے گا۔ حصولِ دولت کے لیے ایک قسم کی ریس شروع ہو جائے گی، حرام و حلال کی تمیز اُٹھ جائے

۴۷

گی۔ بلند اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل جائے گا۔ حرص و طمع بڑھ جائے گی، ایک فرد دوسرے فرد کو اور ایک طبقہ دوسرے طبقے کو لوٹ کر راتوں رات امیر بننے اور عیش و عشرت کا فانی سامان جمع کرنے کی دھن میں مبتلا ہو جائے گا۔ ایسے وقت میں معاشرے میں نہ بلند خیالات جنم لیتے ہیں نہ اصلاحی اقدامات کامیاب ہوتے ہیں۔ اور انسانی اجتماع درندوں کا بھٹ اور وحوش و بہائم کا مسکن بن جاتا ہے۔ تاہم چونکہ انسان کی فطرت میں ملکیت کے ساتھ ساتھ بہیمیت بھی ہے اس لیے وہ بعض اوقات حدود اللہ سے گزر کر قتل و غارت ظلم، چوری، بدکاری، تہمت تراشی، بغاوت اور رہزنی جیسے جرائم کا ارتکاب کر ڈالتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان جرائم یا ان کے جرثوموں کو معاشرے میں پھلنے پھولنے کا موقع دے دیا جاتے تو انسانی زندگی اجیرن اور دنیا جہنم زار بن جائے گی۔ اس لیے اسلام نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جرائم کے لیے سخت ترین عقوبتیں مقرر کی ہیں تاکہ دونوں فطرت اور جرائم پیشہ افراد پر خوف بٹھلا دیا جائے۔

قتل بھی اسی قسم کا ایک جرم ہے۔ انسانی نفس اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا تحفظ امانت خداوندی کے تحفظ کے برابر ہے۔ اگر کوئی انسان اپنی قوت غضبیہ سے مغلوب ہو کر کسی معصوم انسان کا عمداً خون بہا دیتا ہے تو وہ انسان اور اللہ دونوں کا مجرم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا	اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر دے
مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ	تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ

خَالِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ (النساء۔۹۳)

پڑا رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لیے عذاب جہنم تیار رکھے گا۔

اس کے لیے اسلام نے قصاص کی سزا مقرر کی ہے الّا یہ کہ اولیاء مقتول قاتل کو معاف کر دیں یا مقتول کا خوں بہا قبول کر کے قاتل سے صلح کر لیں۔ دیت اور خوں بہا مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ جو آدمی مارا گیا اگر اس کے عوض قاتل کو ہلاک کر دیا جائے تو اس سے مقتول تو زندہ ہونے سے رہا لہٰذا اگر اولیاء مقتول کو قاتل دیت دے کر راضی کر لے تو اس سے قتل در قتل اور انتقام در انتقام (جو آج ہمارے معاشرے کا مغربی قانون کی وجہ سے ایک جزو لاینفک بن چکا ہے) کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اور اگر اولیاء مقتول کا غصہ اسی سے ٹھنڈا ہوتا ہو کہ وہ قاتل کو قصاص میں قتل ہوتا دیکھ لیں تو اسلام نے اس پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی ہے بلکہ اس میں جلدی کرنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ فساد کی آگ نہ بھڑکے اور دوسرے افراد نشانۂ ستم نہ بنیں۔

قتل شبہ عمد و خطاء

شریعت نے قتل شبہ عمد اور قتل خطاء۔ یا جراحت شبہ عمد یا جراحت خطاء میں دیت (خوں بہا) کی عقوبت مقرر کی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَ

اور کسی مومن کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کر دے بجز

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِناً خَطَاءً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا

(النساء — ۹۲)

اس کے کہ اس سے غلطی سے ایسا ہو جائے اور جو کوئی غلطی سے کسی مومن کو قتل کر ڈالے تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا (اس پر واجب ہے) اور خوں بہا بھی جو اس کے عزیزوں کے حوالے کیا جائے گا سوا اس کے کہ وہ لوگ خود ہی اسے معاف کر دیں۔

اپنے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کی مقدار ایک سو اونٹ یا ان کی قیمت مقرر فرمائی تھی۔ شریعت نے قتل عمد اور قتل خطاء کی دیت میں فرق کیا ہے یعنی یہ کہ قتل عمد کی دیت قتل خطاء کی دیت سے زیادہ رکھی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قاتل عمد اور قاتل بالخطاء کی نفسیات مختلف ہوتی ہیں۔ اسی لیے قتل بالخطاء میں عقوبت قصاص نہیں رکھی گئی کیونکہ عمداً اس نے جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔

عاقلہ

گذشتہ صفحات میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ دیت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اولیاء مقتول کے انتقام کی آگ بجھ جائے اور مقتول کے معاوضے سے کسی قدر ان کی اشک شوئی اور تسلی بھی ہو جاتی ہے۔ قتل بالخطاء کے معاملے میں تو دیت (خوں بہا) بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ کیونکہ اولیاء

مقتول کو بھی یقین ہوتا ہے کہ قاتل نے عمداً مقتول کو قتل نہیں کیا تھا۔ اب مقتول کے اولیاء کا جو سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے وہ یہ کہ مقتول ہی ان کے خاندان کا سربراہ اور واحد کفیل تھا اس کے مرجانے سے اس کا پورا خاندان افلاس میں گرفتار ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں اگر قاتل بالحاظ مقتول کی دیت ادا کر دے تو قاتل کو اس کی بے پروائی کی سزا مل جائے گی اور مقتول کے اولیاء کے گذر بسر کی ایک سبیل پیدا ہو جائے گی۔ مگر یہاں ایک دشواری یہ ہے کہ اگر دیت کسی امیر آدمی پر عائد کی جائے تو وہ یقیناً اسے ادا کر دے گا لیکن ایسے اغنیاء کی تعداد ہی کتنی ہے زیادہ تر تو متوسط اور غریب طبقے کے افراد ہیں جن کے لیے دیت کی ادائیگی (جو لازماً ایک بڑی رقم ہو گی) تقریباً ناممکن ہے۔ اس لیے شریعت نے عاقلہ کا نظام قائم کیا ہے یعنی وہ لوگ جو قاتل کے عصبات ہیں اور جنہیں قاتل کی (بصورتِ موت) وراثت مل سکتی ہے وہ اس دیت کو مل جل کر ادا کریں۔ چنانچہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک قاتل کے بیٹے اور باپ اور وہ تمام ورثاء (سوائے بیوی اور سوتیلے بھائی کے) جن کو بصورت عدم موجودگی بیٹے کی وراثت کا حقِ اقرب پہنچتا ہے دیت کی ادائیگی کے ذمے دار ہوں گے۔

اور یہ بات حضرت ابوہریرہؓ اور عمرو بن شعیب کی روایتوں سے ثابت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ ایک عورت نے ایک دوسری عورت کو قتل کر دیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عاقلہ پر عائد فرما دی۔ اور عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (وان قتلت فعقلها بين ورثتها[1]) (اگر عورت قتل کر دے تو اس کے ورثاء پر دیت واجب ہوگی) نیز ایک روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ایک قتل کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے عاقلہ پر دیت عائد کی جس وقت حضرت عمرؓ نے یہ اقدام فرمایا اس وقت صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد موجود تھی لیکن کسی نے انکار نہیں کیا نہ حضرت عمرؓ کے اس فعل پر تنقید کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عملاً اس فعل پر صحابہ کا اجماع ہو گیا[2]۔

ایک اعتراض کا جواب

اس مقام پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآنِ کریم میں ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرىٰ (الانعام : ۱۶۴) ترجمہ۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تو اگر جانی نے جنایت کی تو اس کی جنایت کا بوجھ دوسرے لوگ یعنی عاقلہ کیوں اٹھائے گا۔ جس نے جنایت کا ارتکاب (خواہ خطاءً ہی) کیا ہے وہ اس کا بوجھ بھی اٹھائے۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ کیا اس آیت کا علم اس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھا جس پر یہ وحی نازل ہوئی ؟ یہ ماننا پڑے گا کہ آپ

---

[1] التشریع الجنائی : ۲ : ۱۹۵

[2] بدائع الصنائع : ۷ : ۲۵۵

کو ساری کائنات سے زیادہ اس آیت کے محمل کا علم تھا۔ تو جب آپ نے اس آیت کو جانتے ہوئے دیت عاقلہ پہ عائد کی تو اور دوسرا کون شخص ہے جو آپ سے بڑھ کر آیت کے مفہوم کو متعین کر سکتا ہے؟ لہٰذا لامحالہ یہ بات ماننی پڑے گی کہ اس آیت کے چند مستثنیات بھی ہیں اور عاقلہ پہ دیت کا عائد کرنا بھی انہی مستثنیات میں سے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عدل و مساوات کو قائم کرنے کے لیے عاقلہ پر دیت کے لزوم کو مستثنیٰ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ہر جانی و خاطی اپنی جنایت و خطا کا خود ذمہ دار ہے تو صرف اغنیاء ہی دیت ادا کر سکیں گے متوسط الحال اور غرباء ادا نہ کر سکیں گے۔ اس صورت میں مجنیٰ علیہ کے ورثاء محروم رہ جائیں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ عاقلہ پہ دیت تو صرف جرائم خطا یا شبہ عمد میں عائد کی جاتی ہے اور جرائم خطا کی بنیاد بے احتیاطی ہے جو سوء تربیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو کیا اس کی ذمے داری اعزاء اور اقارب پر عائد نہیں ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ صحیح تربیت کرتے تو جانی اتنا بے پرواہ کیسے بنتا؟

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر خاندان کا کوئی فرد کسی جرم میں ملوث ہو جائے تو کیا اہلِ خاندان اس کو بچانے کی جدوجہد نہیں کرتے اور کیا جانی اپنے اہلِ خاندان سے تعاون طلب نہیں کرتا؟ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر کیوں نہیں اہلِ خاندان سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ تم اس کا بوجھ اٹھاؤ؟ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ خاندان میں باہمی تعاون کا جذبہ پیدا ہوگا اور دوسرا یہ کہ ایک

غریب محبنیٰ علیہ کے افراد خاندان کے گزران کی ایک سبیل پیدا ہو جائے گی۔ ایسے ہی مواقع کے لیے اُردو میں ایک مثل ہے "دس کی لاٹھی ایک کا بوجھ"

اور آخری بات یہ ہے کہ "جانی" اگر بالفرض مر جائے تو اس کے عصبات کو اس کا ترکہ ملے گا یا نہیں؟ لازماً ملے گا۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ جانی کے مشکل اوقات میں اس کے عصبات اس کا ساتھ نہ دیں۔ اور پھر یہ صرف جانی ہی کے لیے تو نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ کل کلاں خاندان کے کسی دوسرے فرد سے اسی طرح کی غلطی سرزد ہو جائے اس وقت آج کا جانی کل کا عاقلہ ہو جائے گا اور وہ اسی طرح عاقلہ کے اس فرد کا بوجھ اُٹھائے گا جس طرح آج اس کا بوجھ عاقلہ کا وہ فرد اُٹھا رہا ہے۔

کیا اس دَور میں عاقلہ موجود ہے؟

اس مقام پر ایک سوال بہت اہمیت کا حامل ہے وہ یہ کہ عاقلہ اس وقت تو موجود تھا جب کہ دنیا میں قبائلی نظام رائج تھا۔ آج کا دَور اس زمانے سے قطعاً مختلف ہے۔ دیہات سے سمٹ کر آبادی شہروں کی طرف آ رہی ہے خاندان منقسم ہو رہے ہیں اور تقریباً یہ صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے کہ ہمارے بچے اپنے تایا زاد اور چچا زاد بھائیوں کو نہیں جانتے۔ زندگی اس قدر مصروف ہو چکی ہے کہ ایک شہر میں رہ کر قریب ترین رشتہ دار دوسرے رشتہ دار سے مہینوں اور برسوں ملاقات نہیں کر سکتا۔ پرانے زمانے میں لوگ اپنے انساب کی حفاظت کرتے تھے بلکہ اکثر ایسے لوگ تھے جنہیں

کرسی نامے حفظ تھے۔ اب صورتِ حال یہ ہوتی جارہی ہے کہ بچوں کو پردادا سے آگے کے مورثوں کے نام تک یاد نہیں۔ ایسی صورت میں عاقلہ کہاں اور خاندان کہاں؟ لہٰذا جانی کی جنایت کا بوجھ عاقلہ پر ڈالنا کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟ انھی حالات کو پیشِ نظر رکھ کر بعض علمأ کی رائے ہے کہ جس طرح جرمنی، اٹلی اور یوگوسلاویہ کی حکومتوں نے ایک قسم کا ٹیکس اپنے عوام پر عائد کردیا ہے اور وہ حکومتیں اس رقم سے حادثات کے موقع پر معاوضے ادا کرتی ہیں اسی طرح ہماری حکومتوں کو بھی چاہیے کہ وہ معاوضے کی رقم کا بوجھ جانی کے عاقلہ پر ڈالنے کی بجائے خود اُٹھائیں۔ تاہم راقم الحروف کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی تک اس طرح کے حالات نہیں پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا ممالک میں ہیں۔ زندگی پر اشغال اور ہنگامہ خیز ہونے کے باوجود کسی قدر شہروں میں اور بڑی حد تک دیہاتوں میں ہمارا عائلی نظام سلامت ہے اس لیے فی الحال جانی کے عاقلہ ہی پر دیت عائد کرنی چاہیے جب وہ حالات پیدا ہو جائیں جو مذکورہ ممالک میں ہیں تو اس طرح کا اقدام کیا جاسکتا ہے۔[1]

عاقلہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو جانی پر عائد شدہ دیت ادا کرتے ہیں۔

اگر کسی کو اس کے قرابت داروں (عصبات) سے مدد اور تعاون ملتا ہو تو اس کے عصبات اس کے عاقلہ متصور ہوں گے۔[2]

---

[1] بحوالہ التشریع الجنائی ۱ : ۶۷۷

[2] عالمگیری ۶ : ۸۳

فصل سوم

زنا

تمہیدی مباحث

زنا کا شمار شرک اور قتل کے بعد کبائر میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ۔ (الفرقان ــ ۶۸)	اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہیں کرتے ۔ البتہ کسی حق شرعی کے ساتھ اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل ــ ۳۲)	اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو وہ بڑی بیحیائی کی بات ہے اور بہت بری راہ ہے۔

حد زنا

ابتدائے اسلام میں زنا کا ارتکاب کرنے والی عورتوں کو جرم ثابت ہونے پر ان کے گھروں میں قید کر دیا جاتا تھا اور انہیں اس وقت تک مقید رکھا جاتا جب

تک کہ وہ مر نہ جائیں اور زانی مردوں کو جسمانی اذیت دی جاتی اور اس کی بنیاد سورہ نساء کی یہ آیت کریمہ تھی۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا۔ (النساء ـــ ۱۵)	اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں تو تم ان کے خلاف اپنے میں سے چار مردوں کی گواہی لاؤ پھر اگر وہ چاروں گواہی دے دیں تو تم ان بدکار عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک قید رکھو کہ ان کو موت اٹھا لے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ مقرر کر دے۔

لیکن اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ سورہ نور کی آیت۔

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (النور ـــ ۲)	زناکار عورت اور زناکار مرد ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو سو کوڑے مارو۔

سے مذکورہ بالا آیت منسوخ ہو گئی [۱]

اس آیت کے نزول کے بعد یہ متعین ہو گیا کہ غیر شادی شدہ لوگوں کو ارتکاب زنا کے بعد سو کوڑے مارے جائیں اور اگر شادی شدہ اس کا ارتکاب کرے تو اسے رجم (سنگسار) کر دیا جائے۔

---

[۱] التشریع الجنائی ۱ ۲۱ ۳۷۷

سو کوڑوں کی سزا

سو کوڑوں کی سزا نص قطعی سے ثابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (النور — ۲)

زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کو ان میں سے سو سو کوڑے مارو۔

امام مالکؒ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک محض سو سو کوڑے مارنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ کنوارے زانی مرد کو ایک سال کے لیے جلاوطن کر دینا بھی ضروری ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو جلاوطن نہ کیا جائے [1]

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جلاوطنی واجب نہیں البتہ اگر حاکم یہ محسوس کرے کہ مجرم کی جلاوطنی معاشرے کی فلاح اور خود مجرم میں احساس ندامت پیدا کرنے کے سلسلے میں مفید ثابت ہوگی تو وہ جلاوطن کر سکتا ہے ان کے نزدیک دراصل شرعی حد تو سو کوڑے ہی ہیں جلاوطنی کی حیثیت صرف تعزیر کی ہوگی۔ شیعہ زیدیہ کا بھی یہی مسلک ہے [2]

---

[1] المغنی: ۱۰: ۱۳۳

[2] التشریع الجنائی ۲: ۳۸۰ و شرح فتح القدیر: ۴: ۱۳۴۔ طبع مصر ۱۳۱۶ھ۔

رجم کی سزا

رجم (سنگسار کرنا) کی سزا پر سوائے خارجیوں کے پوری امّت کا اجماع ہے کیونکہ یہ سزا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل دونوں سے ثابت ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عن عبد اللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لا یحل دم رجل مسلم یشہد ان لا الٰہ الّا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ الا باحدیٰ ثلاث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارك لدینہ المفارق للجماعۃ [1]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان کا خون جو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں حلال نہیں مگر تین صورتوں میں ایک تو اس وقت جب شادی شدہ شخص زنا کرے دوسرے قصاص میں اور تیسرے اس شخص کو جو اپنے دین (اسلام) یعنی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان رجلا من اسلم جاء النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فاعترف بالزنا و

کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص (حضرت ماعز اسلمی) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ نے اس

---

[1] ابوداؤد شریف: ۲: ۵۹۸ طبع کانپور۔

اعرض عنه النبیّ صلّی اللّٰه
علیه وسلّم حتّی شهد علی
نفسه اربع مرات قال لهٗ
النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم
ابک جنون ؟ قال لا
قال احصنت ؟ قال نعم
فامر به فرجم بالمصلیٰ[1]

سے اپنا رخ مبارک پھیر لیا (وہ اعتراف
کرتا رہا اور آپ اپنا رخ مبارک پھیرتے رہے)
یہاں تک کہ اس نے اپنے اوپر چار مرتبہ شہادت
دی تب آپ نے ارشاد فرمایا "کیا تو پاگل ہے"
اس نے عرض کیا "نہیں" پھر آپ نے دریافت
فرمایا "کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا
"ہاں" تب آپ کے حکم سے اسے عید گاہ
میں رجم کر دیا گیا۔

ترمذی شریف میں حضرت عمران بن الحصینؓ سے روایت ہے۔

ان امرأة من جهينة
اعترفت عند النبیّ صلّی
اللّٰه علیه وسلّم بالزنا
وقالت انا حبلیٰ فدعا
النبیّ صلّی اللّٰه علیه و
سلّم ولیها فقال احسن
الیها فاذا وضعت حملها
فاخبرنی ففعل فامر بها

کہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں زنا کا اعتراف کیا اور
کہا کہ میں حاملہ ہوں تو آپ نے اس کے ولی
کو بلا کر حکم فرمایا کہ اسے اس وقت تک اپنے
پاس اچھی طرح رکھو جب تک کہ بچہ پیدا نہ ہو
ہو جائے۔ جب ولادت ہو جائے تو مجھے
خبر دینا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا (اور
ولادت کے بعد آپ کو اطلاع دی۔) تو آپ

---

[1] صحیح بخاری شریف ۲، ۱۰۰۷ طبع دہلی ۱۳۲۵ھ۔

فشد علیها ثیابها	کے حکم سے اس عورت کے بدن پر اس
ثم امر برجمها فرجمت	کا کپڑا لپیٹ دیا گیا اور آپ ہی کے حکم سے
ثم صلی علیها [1]	اسے رجم بھی کر دیا گیا رجم کے بعد آپ نے
	اس کے جنازے کی نماز ادا فرمائی۔

مذکورہ بالا روایات اور اس طرح کی متعدد روایات سے رجم ثابت ہے اسی لیے چودہ سو سال سے ہر مکتب فکر کے علماء فقہاء اور محدثین رجم کے قائل رہے ہیں اور سوائے خوارج کے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ دور حاضر کے چند مغرب زدہ متجددین جن کی آنکھیں "جلوۂ دانش فرنگ" سے "خیرہ" ہیں رجم کی سزا کا انکار کرتے اور اسے بربریت سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر لطف یہ کہ اپنے قول کو ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے بودے دلائل پیش کر کے دین میں نئے نئے فتنوں کا دروازہ کھولتے ہیں۔ ان کے اس طرح کے اقدامات کو دیکھ کر بعض بزرگوں کی اس بات کو بے ساختہ تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ واقعتاً خلیفہ دوم امیر المومنین سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ ایک صاحب کشف صحابی تھے کیونکہ آج جن باتوں کو ہم اپنے کانوں سے سن اور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ آج سے چودہ سو برس پہلے ان کی پیش گوئی فرما کر احتیاط کا حکم دے گئے ہیں۔ ذرا صحیح بخاری شریف کی اس روایت کو ملاحظہ فرمائیں۔ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے خطبے کے دوران ارشاد فرمایا۔

---

[1] الترمذی ۱: ۲۲۶ طبع کراچی۔

عن ابن عباس قال قال عمرؓ لقد خشیت ان يطول بالناس زمان حتّٰی يقول قائل لا نجد الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة انزلها الله الا وان الرجم حق على من زنى وقد احصن اذا قامت البينة او كان الحبل او الاعتراف[1]	حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ وقت گزرنے کے بعد کوئی کہنے والا کہے گا کہ ہم قرآن کریم میں رجم کا حکم نہیں پاتے (اس لیے ہم رجم کو حد شرعی نہیں مانتے) اس طرح لوگ ایک ایسے فرض کو چھوڑ دینے سے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے گمراہ ہو جائیں گے خبردار کان کھول کر سن لو کہ اگر محصن (شادہ شدہ) زنا کرے۔ اور شہادت یا حمل یا اعتراف سے اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اسے رجم کرنا برحق ہے۔

آگے چل کر امام بخاری نے حضرت ابن عباسؓ ہی سے ایک دوسری روایت نقل کی ہے اس میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجمنا بعده[2] الخ	کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم فرمایا اور آپ کے بعد ہم نے رجم کیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری شریف ۲: ۱۰۰۸۔

[2] ایضاً ص ۱۰۰۹۔

چند اعتراضات اور ان کے جواب

چنانچہ ٹھیک حضرت عمرؓ کی پیش گوئی کے مطابق ہمارے بعض متجددین یہ کہتے ہیں کہ "چونکہ رجم کا حکم قرآن پاک میں نہیں ہے اس لیے ہم اسے نہ مانتے ہیں نہ اسے شرعی حد تسلیم کرتے ہیں" راقم الحروف کے خیال میں اصل مسئلہ رجم کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ "آیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قانون وضع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ آپ کسی چیز کو حلال یا حرام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مختصر یہ کہ آپ صرف خط لانے والے ڈاکیہ (العیاذ باللہ) ہیں یا آپ تشریعی اختیارات کے حامل رسول ہیں؟" ہمارا یہ ایمان ہے کہ آپ شارع تھے آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحی متلو یا غیر متلو کی بنیاد پر امت کے لیے قوانین وضع فرمائے آپ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں جسے چاہیں حرام کر دیں۔ آپ کا ہر حکم حکم خدا تعالیٰ کے مثل ہے۔ اس لیے کہ آپ مطاع مطلق ہیں اور دنیا کے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ آپ کے اس استحقاق (AUTHORITY) کا انکار کرے۔ اس لیے کہ قرآن میں نہایت واضح الفاظ میں بتلا دیا گیا ہے کہ

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم — ۳)

اور وہ اپنی خواہش سے گفتگو نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی گئی۔

آپ کو حلال و حرام کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ہے۔

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ	وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ	اوران کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے۔
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ	اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور
يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ	ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اتار دیتا ہے جو
الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔	ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

(الاعراف — ۱۵۷)

اس سے ثابت ہوا کہ آپ شارع (LAWGIVER) ہیں اور امر و نہی یا تحریم و تحلیل وہی نہیں ہے جو قرآن میں ہے بلکہ آپ نے بھی جو احکام صادر فرمائے ہیں ان کی بھی حیثیت وہی ہے جو قرآنی احکام کی ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ	اور جو کچھ تمہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) دیں
وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔	وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے
(الحشر — ۷)	رک جاؤ۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا پھر یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ صرف وہی احکام واجب و واجب الاتباع ہیں۔ جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے؟

رسولؐ بحیثیت مطاع

بعض کم عقل لوگ سمجھتے ہیں کہ رسولؐ کی حیثیت محض پیغام رساں کی ہوتی

ہے جو اللہ کی کتاب اور احکام کو اللہ کے بندوں تک محض پہنچا دینے کا ذمے دار ہے اس کے سوا اس کی نہ تو کوئی ذمے داری ہے نہ افادیت۔ اگر یہی بات ہوتی تو پھر اللہ کو کیا پڑی تھی کہ ایک رسول کو مبعوث کرتا اسے بازار طائف میں لہولہان کراتا، احد میں اس کے دندان مبارک کو شہید کراتا اور اسے حکم دیتا کہ پتھروں کی بارش اور گالیوں کی بوچھاڑ میں میری آیتوں کی تلاوت کرو اسے تو چاہیے تھا کہ کفار قریش کے مطالبے کے مطابق قرآن کریم کو سونے کے حروف سے مخمل وسنجاب پر لکھوا کر کعبہ کی چھت پر رکھوا دیتا اور جناب جبریل علیہ السلام سے کہتا کہ تم مکہ میں اعلان کر دو کہ اللہ کی کتاب آسمان سے اتار دی گئی ہے اور کعبے کی چھت پر رکھی ہوئی ہے اسے اتار لو اور اس پر عمل کرو۔ لہٰذا ایسا خیال کرنا سراسر نادانی اور منصب رسالت کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول مطاع مطلق ہوتا ہے اور اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ اپنا نمائندہ بنا کر مبعوث فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے اس کی اطاعت کو عین اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء ــ ۸۰)

جو رسول کی اطاعت کرے درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کو اللہ سے بیعت کرنے کے مترادف قرار دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

(الفتح ــ ۱۰)

جس طرح اللہ کی نافرمانی ضلال اور گمراہی ہے اسی طرح ازروئے قرآن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ضلال محض ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ — اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ — وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

(الاحزاب — ۳۶)

اگر کوئی شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انحراف کرے تو اس کے سارے اعمال باطل ہیں کیونکہ اللہ کو تو وہی اعمال پسند ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں انجام دیئے جائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد — ۳۳)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی اطاعت سے انحراف کر کے) اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

ازروئے قرآن نزاعات میں فیصلے کے دو ہی مراجع ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولوالامر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اسے لوٹاؤ اللہ اور رسول کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔

(النساء — ۵۹)

اس آیت میں یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے کہ لفظ اَطِیعُوا (اطاعت

کرو) دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لیکن اَطِیْعُوا کا لفظ اُولِی الاَمْرِ کے لیے استعمال نہیں ہوا اس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ دو اطاعتیں مستقل بالذات ہیں۔ یعنی اللہ کی اطاعت (قرآن کی صورت میں) اور رسول کی اطاعت (حدیث کی صورت میں) تو مستقل بالذات ہیں لیکن اُولِی الاَمر کی اطاعت مستقل بالذات نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اولی الامر اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کے مطابق حکم دیں تو ان کی اطاعت واجب ہے ورنہ نہیں دوسری یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بحالت نزاع فیصلے کے مراجع دو ہی ہیں ۱۔ ایک اللہ (یعنی اس کی کتاب قرآن) ۲۔ دوسرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی آپ کی احادیث)

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں یہ بات مکمل طور پر واضح ہو چکی ہو گی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محض قاصد یا پیغامبر نہیں تھے بلکہ آپ مربی، معلم، مزکی پیشوا، مقتداء، شارح کلام اللہ اور بہ نفس نفیس شارع (LAW GIVER) تھے۔ لہٰذا اگر آپ نے شادی شدہ شخص کے لیے بصورت زنا رجم کی سزا تجویز فرمائی تو امت کے لیے آپ کی تجویز کردہ وہ سزا اسی طرح واجب العمل اور واجب الاتباع ہے جس طرح قرآن کریم کا کوئی اور حکم یا قرآن کریم سے ثابت شدہ کوئی حد شرعی۔

آیت کا عموم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورہ النور کی آیت۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا ‏ زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کو ان
كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ ‏ دونوں میں سے سو سو کوڑے مارو۔
جَلْدَةٍ۔ (النور — ۲)

میں الف لام عموم (استغراق) کے لیے آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر زنا کار عورت اور زنا کار مرد کے لیے خواہ وہ شادی ہو یا غیر شادی شدہ سو سو کوڑوں ہی کی سزا ہے۔

یہ قول غلط ہے۔ اس لیے کہ الف لام عربی زبان میں مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے کبھی تو عموم (استغراق) کے لیے جیسے الحمد میں ہے کہ تمام قسم کی تعریفیں صرف اللہ کے لیے ہیں اور کبھی تعریف (تخصیص) کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے سورہ مائدہ میں ہے۔

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا ‏ چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔
اَيْدِيَهُمَا۔ (المائدہ — ۳۸)

سوال یہ ہے کہ کیا پھر یہاں بھی الف لام کو عموم کے معنی میں لیا جا سکتا ہے؟ یعنی اگر کوئی ایک آنہ بھی چوری کرے تو کیا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیا نابالغ یا دیوانہ یا کسی باپ کا بیٹا اپنے باپ کا ایک روپیہ بھی چرا لے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا؟ کیا نصاب سے کم یا مال غیر محرز (غیر محفوظ) کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جائیگا؟ ظاہر ہے کہ نہ ایسا ہے اور نہ ایسا ہو سکتا ہے لہٰذا اس مقام پر حکم لگاتے وقت الف لام کو خاص معنوں میں لیا جائے گا اور نصاب حرز، نیت سرقہ، بلوغ، عقل وغیرہ کی شرائط عائد کی جائیں گی پھر اگر آپ السارق والسارقۃ میں

حدیث سے تخصیص کرنے پر مجبور ہیں تو الزانیۃ والزانی میں احادیث رجم سے تخصیص کرنے سے کیوں گھبراتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی کنوارا مرد یا کنواری عورت زنا کرے تو انہیں سو سو کوڑے مارے جائیں اور اگر کوئی محصن (شادی شدہ) اس جرم کا ارتکاب کرے تو اسے رجم کر دیا جائے۔

رجم کی حدیث، حدیث متواتر ہے

بعض حضرات کہتے ہیں کہ رجم کا حکم چونکہ خبر واحد سے ثابت ہے۔ اس لیے لائق اعتناء نہیں یہ بات بھی صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ خبر واحد تو اسے کہتے ہیں جس کی روایت ایک یا دو صحابی کریں اور رجم کی احادیث تقریباً چونتیس صحابہ کرام سے مروی ہیں۔

مثلاً صحیح بخاری شریف میں رجم کی روایات مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت زیدؓ بن خالد، حضرت عبداللہؓ بن عباس حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمر اور حضرت ابوہریرہؓ سے رجم کی روایات مروی ہیں[1]

مسند احمد بن حنبل میں رجم کی روایتیں حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت ابوسعیدؓ

---

[1] صحیح بخاری ۲ : ۱۰۰۶ تا ۱۰۱۱۔

خدری، حضرت عمرانؓ بن الحصین، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت ہزالؓ،
حضرت ابو برزہؓ، حضرت جابرؓ بن سمرہ، حضرت سلمہؓ بن المحبق، حضرت لجلاجؓ،
حضرت ابوذرؓ غفاری، حضرت نصرؓ بن دھر، حضرت بریدہؓ اسلمی، حضرت نعمانؓ
بن بشیر اور حضرت براءؓ بن عازب سے مروی ہیں [1]

سنن کبریٰ بیہقی میں رجم کی روایتیں حضرت ابیؓ بن کعب حضرت عبداللہ
بنؓ مسعود، حضرت زیدؓ بن ثابت سے مروی ہیں [2]

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عثمان بنؓ عفان حضرت ابو امامہؓ بن سہل سے رجم
کی روایتیں مروی ہیں [3]

مجمع الزوائد میں حضرت قبیصہؓ بن حریث، حضرت سہلؓ بن سعد، حضرت
عبداللہؓ بن الحارث بن الجزء، حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت عجماء سے رجم
کی روایتیں منقول ہیں [4] جمع الفوائد میں حضرت وائل بن حجر سے رجم کی روایت
مروی ہے [5]

ان روایات کو دیکھنے کے بعد کیا کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ
رجم کی روایت خبر واحد ہے۔

---

[1] الفتح الربانی تبویب مسند احمد ۱۶ : ۸۱ تا ۱۰۵ طبع مصر ۱۳۷۱ھ

[2] سنن کبریٰ بیہقی ۸ : ۲۱۱ تا ۲۱۳ طبع دائرۃ المعارف دکن

[3] مشکوٰۃ : ۳۰۱ کراچی

[4] الہیثمی ، مجمع الزوائد ۶ : ۲۶۴ ببعہ طبع بیروت ۱۹۶۷ء

[5] محمد بن محمد : جمع الفوائد ۱ : ۲۵۷ طبع مدینہ منورہ ۱۳۸۱ھ

لہٰذا جمہور علماء کے نزدیک رجم کی روایت حدیث متواتر ہے اور اس میں "حکم شرعی" بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

سورۂ نور اور واقعات رجم

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رجم کے جو واقعات احادیث میں منقول ہیں۔ یہ سب سورہ النور کے نزول سے پہلے کے ہیں۔ جب سورہ النور نازل ہو گئی اور زانی اور زانیہ کی واضح سزا قرآن کریم میں آگئی تو رجم کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

یہ استدلال بھی سراسر غلط ہے اس لیے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ سورہ نور واقعہ افک (تہمت بر عائشہؓ) کے سلسلے میں نازل ہوئی اور افک کا واقعہ غزوہ بنو المصطلق سے واپسی پر پیش آیا اور غزوہ بنو المصطلق حضرت موسیٰ بن عقبہ کے قول کے مطابق ۴ھ میں اور ابن اسحاق کے قول کے مطابق ۶ھ میں پیش آیا[1] اگر دوسرے ہی قول کو مرجح قرار دیا جائے جب بھی معترض کا قول درست نہیں اس لیے کہ مذکورہ بالا رجم کے راویوں میں سے ایک راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں جو غزوہ خیبر ۷ھ کے موقع پر مسلمان ہوئے[2]

---

[1] بخاری ۲: ۵۹۳۔

[2] حوالہ کے لیے دیکھئے۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ ۴: ۲۰۲ طبع مصر ۱۹۳۹ء

ابن عبدالبر قرطبی، الاستیعاب ۴: ۲۰۶ طبع مصر

ابن اثیر، اسد الغابہ: ۵: ۳۱۶ طبع ایران

قسطلانی: ارشاد الساری ۱۰: ۹: طبع مصر ۱۳۲۶ھ

اسی طرح واقعہ رجم کے ایک راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں جو ۹ھ میں مکہ مکرمہ سے اپنی والدہ کے ہمراہ مدینہ منورہ آئے [1]۔

واقعہ رجم کے ایک اور راوی حضرت عبداللہؓ بن الحارث بن الجزء بھی ہیں۔ جنہوں نے واقعہ رجم کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ فکنت فیمن رجمھما [2] ان دونوں کو رجم کرنے والوں میں میں بھی تھا ان عبداللہ بن حارث بن الجزء کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے۔

وایضا ففی حدیث عبد اللہ بن الحارث بن جزء انہ حضر ذٰلک و عبد اللہ انما قدم مع ابیہ مسلماً بعد فتح مکۃ [3]	اور رجم کا واقعہ عبداللہ بن الحارث بن الجزء کی روایت میں بھی ہے اور وہ رجم کرنے کے وقت موجود تھے یہ عبداللہ اپنے والد کے ساتھ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو کر مدینہ آئے تھے۔

نیز مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ "واقعہ رجم" سورۂ نور کے نزول کے بعد بھی پیش آتا رہا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ اور زیدؓ بن خالد سے روایت ہے۔

قالا کنا عند النبی	انہوں نے تبلایا کہ ایک دن ہم لوگ حضور

---

[1] ارشاد الساری: ۱۰: ۹۔

[2] مجمع الزوائد: ۶: ۲۷۱ طبع بیروت ۱۹۶۷ء۔

[3] فتح الباری: ۱۵: ۱۸۶ طبع مصر ۱۹۵۹ء۔

صلّی اللہ علیہ وسلّم	صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
فقام رجل فقال انشدك	کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول
الا قضیت بیننا بکتاب	اللہ! میں آپ کو قسم دیتا ہوں آپ ہمارے
اللہ فقام خصمہ وکان	مقدمے کا فیصلہ کتاب اللہ کی رو سے کر دیں (یہ
افقہ منہ فقال اقض	سن کر) اس کا فریق مخالف جو اس سے زیادہ
بیننا بکتاب اللہ وائذن	سمجھ دار لگتا تھا کھڑا ہوا اور عرض کیا حضور!
لی قال قل قال ان ابنی	ہمارے معاملے کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق
کان عسیفا علی ھٰذا	کر دیں اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیں
فزنی بامرأتہ	آپ نے فرمایا "کہو" اس نے کہا کہ "میرا بیٹا
فافتدیت منہ بمأۃ	اس کے یہاں مزدوری کرتا تھا اس نے اس
شاۃ وخادم ثمّ	کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی چنانچہ میں نے
سالت رجالا من	اس کا فدیہ سو بکریوں اور ایک خادم کی صورت
اھل العلم فاخبرونی	میں ادا کر دیا اس کے بعد میں نے چند اہل علم
ان علی ابنی جلد مأۃ	حضرات سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا
وتغریب عام وعلی	کہ "میرے بیٹے کو سو کوڑوں اور ایک سال
امرأتہ الرجم فقال	کی جلاوطنی کی سزا دی جانی چاہیے اور اس
النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم	کی بیوی کو سنگسار کیا جانا چاہیے" تب حضور

لہ البخاری ۲: ۱۰۰۸

والذی نفسی بیده لأقضین بینکما بکتاب الله المائة الشاة والخادم رد علیك وعلى ابنك جلد مائة وتغريب عام واغد يا انيس على امرأة هذا فان اعترفت فارجمها فغدا عليها فاعترفت فرجمها[1]

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں ضرور بالضرور اس مقدمے کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا اور وہ یہ ہے کہ سو بکریاں اور خادم تجھے واپس کر دیئے جائیں۔ تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں اور اسے ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے اور اے اُنیسؓ تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاکر دریافت کرو اگر وہ اعتراف کرلے تو اسے رجم کر دو" چنانچہ حضرت انیسؓ نے جاکر دریافت کیا تو اس عورت نے اعتراف کرلیا۔ جناب انیسؓ نے اس عورت کو سنگسار کر دیا۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ سورہ نور کے نازل ہونے کے بعد پیش آیا کیونکہ سورہ نور ہی میں زنا کی سزا ایک سو کوڑے تجویز کی گئی ہے اس میں دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوارے مرد کے لیے ایک سو کوڑوں کی اور شادی شدہ عورت کے لیے رجم کی سزا تجویز فرمائی۔

مندرجہ ذیل روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سورہ النور کے نزول کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرایا۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ:

ان امرأة لبني
غامد اتت النبيّ
صلّى الله عليه وسلّم
فقالت اني فجرت
فقال ارجعي فرجعت
فلما ان كان الغد اتته
فقالت لعلّك ان
تردني كما رددت
ماعز بن مالك فوالله
اني لحبلى فقال
لها ارجعي فرجعت
فلمّا كان الغد اتته
فقال لها ارجعي
حتّى تلدي فرجعت
فلما ولدت اتته
بالصبي فقالت
هذا قد ولدته
فقال ارجعي فارضعيه
حتّى تفطميه

ایک مرتبہ بنو غامد کی ایک عورت نے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر
عرض کیا کہ میں نے بدکاری کی ہے آپ نے
فرمایا کہ "واپس چلی جا" وہ لوٹ گئی دوسرے
دن وہ پھر آئی اور عرض کیا کہ غالباً آپ
مجھے اسی طرح لوٹا دینا چاہتے ہیں
جس طرح آپ نے ماعز بن مالک کو لوٹا
دیا تھا لیکن خدا کی قسم میں حاملہ ہوں آپ
نے پھر ارشاد فرمایا کہ "واپس جا" وہ لوٹ کر
چلی گئی لیکن دوسرے دن پھر آئی تو آپ نے
فرمایا "اس وقت جا ولادت کے بعد آنا" وہ
چلی گئی ولادت کے بعد وہ بچے کو لے کر حاضر
ہوئی اور عرض کیا کہ میں نے اسی بچے کو جنم دیا
ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "جا اسے دودھ پلا
جب اناج کھانے لگے تو آنا" وہ چلی گئی لیکن کچھ
دنوں کے بعد بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور بچہ اپنے
ہاتھ میں کچھ لئے کھا رہا تھا تب آپ کے
حکم سے وہ بچہ ایک مسلمان کے حوالے کر دیا گیا
اس عورت کے لیے ایک گڑھا کھودا گیا۔ اور آپؐ

فجاءت بہ وقد فطمتہ وفی یدہ	کے حکم سے اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ رجم کرنے
شیء یأکلہ فامر بالصبی	والوں میں حضرت خالدؓ بھی تھے انہوں نے
فدفع الی رجل من المسلمین	اس عورت کو پتھر مارا اور اس کے خون کا ایک قطرہ
فامر بھا فحفر لھا وامر بھا فرجمت	اڑکر خباب خالدؓ کے رخسار پر پڑ گیا تو انہوں نے
وکان خالد فیمن یرجمھا فرجمھا	اس عورت کو گالی دی تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم
بحجر فوقعت قطرۃ من دمھا	نے ارشاد فرمایا خالد! ذرا سنبھل کر کچھ کہو قسم ہے
علی وجنتہ فسبھا فقال لہ النبی صلی	اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے
اللہ علیہ وسلم مھلا یا خالد	اس عورت نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ویسی توبہ
والذی نفسی بیدہ لقد تابت	ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا بھی کرتا تو اس کی مغفرت
توبۃ لو تابھا صاحب مکس لغفرلہ	ہو جاتی پھر آپ نے حکم دیا اور اس کے جنازے
وامر بھا فصلی علیھا فدفنت [1]	کی نماز پڑھی گئی اور وہ دفن کر دی گئی۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید بھی اس عورت کے رجم میں شریک تھے اور تمام مورخین و ماہرین اسماء الرجال اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خالدؓ بن ولید حدیبیہ ۶ھ کے بعد مسلمان ہوئے [2] جبکہ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ سورہ النور ۶ھ میں نازل ہوئی تو اگر رجم کا حکم سورۂ نور کے نزول کے بعد منسوخ ہو گیا ہوتا تو غامدیہ کا رجم کیسے ہوتا؟

---

[1] ابوداؤد شریف: ۲: ۶۰۹ طبع کانپور۔

[2] ابن اثیر: اسد الغابہ: ۲: ۹۲ تہران۔

خلاصۂ کلام

غرضیکہ یہ کہنا کہ رجم کا حکم سورہ نور کے نزول سے قبل جاری تھا سورۂ نور کے نزول کے بعد منسوخ ہوگیا غلط اور بے بنیاد بات ہے اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ابوہریرہؓ واقعہ رجم کی روایت کیسے کرتے جو سورہ نور کے بعد مسلمان ہوئے یا وہ ابن عباسؓ اس کی روایت کیسے کرتے جو ۹ھ میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آئے یا وہ عبداللہؓ بن الحارث بن الجزء رجم کرنے میں کیسے شریک ہوتے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے یا حضرت خالدؓ بن ولید رجم کرنے میں کیسے شرکت کرتے جو صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے؟ نیز اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اگر رجم کا حکم سورہ نور کے نزول کے بعد منسوخ ہوگیا ہوتا تو خلفائے راشدین اپنے عہد خلافت میں ہرگز رجم نہ کرواتے اور سابقہ روایات سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اور بعض روایات کے مطابق حضرت علیؓ نے اپنے عہد میں رجم کروایا۔ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے۔

"تمام صحابہ کرامؓ، سلف صالحین، علمائے امت اور ائمۃ المسلمین کا اس بات پر اجماع ہے کہ محصن اگر زنا کا ارتکاب کرے تو اس کو رجم کیا جائے یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔"

لہ۔

لہ روح المعانی ۱۸، ۸: ۷ طبع بیروت۔

رجم اور عمرانی اُصول

اس مقام پر ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ جب شادی شدہ اور کنوارا دونوں ایک ہی گناہ (زنا) کا ارتکاب کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ دونوں کو دو مختلف سزائیں دی جاتی ہیں یعنی کنوارے کو سو کوڑوں کی اور شادی شدہ کو رجم کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک شخص جب تک کسی عورت سے نکاح نہیں کرتا اس وقت تک تو وہ کسی معاہدہ عمرانی میں داخل ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر وہ اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر اس طرح کی غلطی کا ارتکاب کر لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اتنا بڑا خطاکار نہیں، جتنا کہ وہ شخص جس نے قانوناً و شرعاً ایک عورت سے معاہدہ عمرانی کیا ہے کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری غیر منکوحہ عورت سے جنسی تمتع نہیں کرے گا اور عورت اپنے شوہر سے نان و نفقہ شرعی اور دین مہر کے عوض یہ معاہدہ کرتی ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد کو اپنی ذات سے جنسی تمتع کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ پھر اگر شوہر اور بیوی میں سے کوئی ایک یا دونوں اس معاہدہ عمرانی کی خلاف ورزی کریں تو وہ عمرانی اصولوں کے مطابق بھی اس شخص سے زیادہ مستوجب سزا ہیں جس نے ابھی تک کسی سے اس نوع کا عمرانی معاہدہ نہیں کیا ہے۔

رجم مطابق فطرت ہے

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو رجم انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ جنسی اختلاط کرتے ہوئے دیکھ لے اور

وہ دیوث نہ ہو اس کی فطرت سلیم ہو پھر اس کے پاس ایک بھرا ہوا ریوالور ہو تو وہ کیا کرے گا؟ کیا ایک ہی مرتبہ میں وہ دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں معمولی سا بھی تامل کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ چنانچہ ہم روزانہ اخبار میں پڑھتے ہیں کہ "ایک شخص نے اپنی بیوی کو قابل اعتراض حالت میں پایا اور اپنی عورت اور اس کے آشنا دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا" بعض خبروں میں تو یہ بھی ہوتا ہے کہ معمولی سے شبہے کی بنا پر شوہر نے بیوی اور اس کے مبینہ آشنا کو قتل کر دیا" اس کے نتیجے میں قتل در قتل اور انتقام در انتقام کا نامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے جس سے نظام تمدن میں خلل اور معاشرے میں فساد پھیلتا ہے۔ پھر اگر شریعت نے اسی عمل کو جو عین مطابق فطرت ہے اسلامی حدود کا جز بنا دیا تو اس میں کونسی ایسی قابل اعتراض بات ہو گئی کہ آج کے متجددین نے واویلا مچا رکھی ہے اور طرح طرح کی لاطائل تاویلات کے ذریعہ قرآن وسنت میں تحریف کرنے کے درپے ہیں۔

تاہم اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ مغربیت کے سیلاب اور دین سے موجودہ بے اعتنائی کے باوجود امّت کا ضمیر ابھی تک بیدار ہے اور عام مسلمانوں کو قرآن وسنت کی مقرر کردہ حدود پر کوئی اعتراض نہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ جو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اس پر سر تسلیم خم کر دینے ہی میں امّت کی فلاح مضمر ہے۔

فصل چہارم

قذف

تمہیدی مباحث

قذف کی تعریف

قذف اسلامی شریعت میں کسی پاک باز مرد یا پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے یا کسی صحیح النسب شخص کے نسب کے انکار کو کہتے ہیں[1]

کسی پاک باز پر زنا کی تہمت لگانا یا کسی صحیح النسب شخص کے نسب کا انکار کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالے کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (النور : ۲۳)	یقیناً جو لوگ ایسی عورتوں پر جو پاک دامن برے کاموں سے بے خبر اور ایماندار ہوں بدکاری کا عیب لگاتے ہیں ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو اس دن سخت عذاب ہوگا۔

---

[1] ہدایہ ۲ : ۵۰۹ طبع دہلی

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

اجتنبوا السبع الموبقات	سات ہلاک کرنے والی چیزوں
قالوا وما هن یارسول	سے پرہیز کرنا، صحابہؓ نے دریافت
الله قال الشرك بالله	کیا وہ کون کون ہیں تو آپ نے
والسحر وقتل النفس	ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ
التی حرم الله واكل	کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا،
الربوا اكل مال الیتیم	قابلِ احترام جان کو ناحق مار
والتولی یوم الزحف	ڈالنا، سود کھانا، ناحق یتیم کا مال
وقذف المحصنات	کھانا، جہاد کے دن میدان چھوڑ
المؤمنات الغافلات	کر بھاگ جانا، پاکدامن ایماندار
متفق علیہ [1]	اور برے کاموں سے بےخبر عورتوں
	پر زنا کی تہمت لگانا (اس روایت
	کو بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے)

زنا کی تہمت لگانے والوں کی سزا شریعت نے اسّی کوڑے اور ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت ہونا قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ	اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر

---

[1] المغنی ۱۰ : ۲۰۱

الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ	زنا کی تہمت لگائیں پھر اپنے
شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ	دعوے پر چار گواہ نہ لاسکیں۔ تو
جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ	ایسے لوگوں کو اسی کوڑے مارو
شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰئِكَ هُمُ	اور آئندہ کبھی بھی ان کی گواہی
الْفَاسِقُوْنَ۔	قبول نہ کرو ، اور یہ لوگ فاسق
(النور : ۴)	ہیں ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں :

وذالك ان الزنا معصية كبيرة يجب اخمالها و اقامة الحد عليها والمؤاخذة بها وكذالك القذف معصية كبيرة وفيه الحاق عار عظيم على الزنا[1]

ترجمہ : زنا ایک ایسی معصیت اور گناہ کبیرہ ہے جس کے انسداد کی کوشش کرنا اور اس پر حد جاری کرنا واجب ہے ، اسی طرح زنا کی تہمت لگانا بھی گناہ کبیرہ ہے کیونکہ جس پر یہ تہمت لگتی ہے اس کی عزت پر بٹہ لگ جاتا ہے ۔

علامہ ابراہیم آفندی نے حد قذف کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی کتاب اسرار الشریعۃ الاسلامیہ میں لکھا ہے :

---

[1] شاہ ولی اللہ ، حجۃ اللہ البالغہ ۲ : ۱۶۱ طبع لاہور ۱۹۷۵ء

"قاذف کے لیے ایک اور سزا ہے وہ یہ کہ اسے ہمیشہ کے لیے مردود الشہادۃ قرار دے دیا جاتا ہے اس لیے کہ اس نے اپنی کذب بیانی سے نہ صرف یہ کہ ایک پاک دامن عورت یا پاک باز مرد کی عفت کو بٹہ لگانے کی کوشش کی بلکہ درحقیقت اس نے ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھولا اور پورے ایک کنبے کو تباہی کے بھیانک غار میں دھکیلنے کا سامان کیا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ ایسا شخص ہمیشہ کے لیے سوسائٹی میں ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا جائے۔ کوڑوں اور مردودۃ الشہادۃ ہونے کی دونوں سزاؤں کو اس لیے جمع کیا گیا تاکہ قاذف (تہمت لگانے والا) کو جسمانی اور روحانی دونوں اعتبار سے تکلیف اور نقصان پہنچایا جائے۔"[1]

---

[1] ابراہیم آفندی، اسرار الشریعۃ الاسلامیہ ص۲۵۵ طبع مصر ۱۳۲۸ھ

فصل پنجم

شراب نوشی

تمہیدی مباحث

ظہور اسلام سے قبل عرب میں شراب نوشی عام تھی۔ عورتیں بچے اور غلام غرضیکہ معاشرے کا ہر فرد باستثنائے چند اس میں مبتلا تھا۔ اس لیے اس کی حُرمت کا حکم دفعتہً نازل نہیں ہوا، بلکہ اس سلسلے میں احکام تدریجاً آئے۔

سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

(النساء - ۴۳)

اے ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں رہو تو اس وقت جب تک تم جو کچھ زبان سے کہتے ہو اسے سمجھنے نہ لگو۔ نماز کے قریب نہ جاؤ۔

اور چونکہ ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے درمیان وقفہ کم ہوتا ہے۔ اس لیے لوگوں نے دن کے بیشتر اوقات میں شراب نوشی ترک کر دی۔ یہ سلسلہ جاری رہا، تاآنکہ یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ

(البقرہ - ۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (وقتی طور پر) کچھ نفع بھی ہے لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے نفع کے مقابلے میں زیادہ بڑا ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں شراب سے نفرت پیدا ہوگئی اور اکثر سنجیدہ لوگوں نے اس سے پرہیز کرنا شروع کر دیا اس طرح مسلم معاشرے میں شراب کے خلاف ایک فضا پیدا ہوگئی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

(المائدہ — ۹۰)

اے ایمان والو! واقعی بات یہ ہے کہ شراب اور جُوا اور بتوں کے تھان اور فال کھولنے کے تیر یہ سب ناپاک کام شیطان کے ہیں لہذا ان سے بچتے رہو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد شراب قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرما دیا۔

ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مومن [1]

جب شرابی شراب پی رہا ہوتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں رہتا۔

حکم اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے کہ شراب نوشی کی حد اسی کوڑے ہیں۔

ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ

شام میں چند لوگوں نے شراب پی تو یزید بن سفیان نے ان سے تعرض کیا اور دریافت کیا کہ "تم نے شراب کیوں استعمال کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا (المائدۃ - ۹۳)

جو لوگ ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان کے کھانے کی چیزوں (کھانے پینے پر) کوئی گناہ نہیں۔

اس لیے ہم شراب پیتے ہیں۔ یزید بن سفیان نے پورا واقعہ من و عن خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس لکھ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

"اگر میرا یہ خط تمہیں صبح کو ملے تو شام تک کی بھی مہلت نہ دینا اور اگر شام کو ملے تو صبح ہونے تک کا انتظار نہ کرنا اور ان لوگوں کو فوراً میرے پاس روانہ کرنا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو گمراہ نہ کر سکیں"۔

---

[1] بخاری شریف : ۲ : ۸۳۶ طبع دہلی

چنانچہ جناب یزید بن ابی سفیان نے انہیں پکڑ کر فوراً حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ ان کے آنے کے بعد حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کی مجلسِ شوریٰ طلب کی اور ان سے اس معاملے میں مشورہ فرمایا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "ان لوگوں نے دین میں ایک ایسی بات کی ابتدا کر دی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت نہیں دی تھی لہٰذا میری رائے ہے کہ ان سے دریافت کیا جائے اگر واقعتہً وہ شراب کو حلال سمجھتے ہوں تو انہیں قتل کرا دیا جائے کیونکہ انہوں نے اپنی مرضی سے ایک ایسی چیز کو حلال قرار دے رکھا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے (اور ایسا کرنا کفر ہے) اور اگر وہ لوگ شراب کو حرام تو سمجھتے ہیں، لیکن پی رہے ہیں تو انہیں انشی ۸۰ کوڑے مارے جائیں۔

جب اس بات پر صحابہ کا اجماع ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے تمام ممالک محروسہ میں یہ حکم نامہ لکھ کر بھیج دیا کہ شراب نوشی کی حد انشی ۸۰ کوڑے ہے آپ نے حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت ابوعبیدہؓ کو بھی یہی باتیں لکھ بھیجیں [1]

چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک ہے کہ شراب نوشی کی حد انشی ۸۰ کوڑے ہے البتہ امام شافعی کے نزدیک چالیس کوڑے ہے لیکن اگر بطور تعزیر حاکم مزید چالیس کوڑے مارنا چاہے (یعنی کل انشی کوڑے) تو مار سکتا ہے [2]

---

[1] المغنی : ۱۰ : ۳۲۶

[2] ایضاً : ص ۳۲۹

فصل ششم

چوری

تمہیدی مباحث

سرقہ (چوری) لغت میں کہتے ہیں چھپ کر حرز میں داخل ہونا اور کوئی ایسا مال لے لینا جو اس کا نہ ہو۔ سارق (چور) کی لسان العرب میں یہ تعریف لکھی ہے۔

السارق عند العرب من جاء مستترا الی حرز فاخذ منہ مالیس لہ فان اخذ من ظاھر فھو مختلس و مستلب ومنتھب ومحترس فان منع مما فی یدیہ فھو غاصب [1]

ترجمہ: اہل عرب کے نزدیک چور اس کو کہتے ہیں جو خفیہ طور پر حرز (جائے حفاظت) میں داخل ہو کر وہاں سے وہ چیز نکال لے جو اس کی نہ ہو اگر کوئی شخص علانیہ کسی کی کوئی چیز چھین لے تو اسے عربی میں مختلس، مستلب منتھب اور محترس کہتے ہیں اور اگر کسی دوسرے کی کوئی چیز کسی کے پاس ہو اور وہ نہ دے تو اسے غاصب کہتے ہیں۔

---

[1] ابن منظور الافریقی المصری: لسان العرب: ۱۰: ۱۵۶: طبع بیروت ۱۹۵۶ء

البستانی نے محیط المحیط میں یہ معنی لکھا ہے۔

اخذہ خفیۃ من حرز [1]

ترجمہ: جاتے حفاظت سے خفیہ طور پر کسی چیز کا لے لینا۔

چوری گناہ کبیرہ ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (المائدہ - ۳۸)	اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو، ان کے کرتوتوں کے عوض میں اللہ کی طرف سے بطور عبرت ناک سزا کے اور اللہ بڑا قوت والا اور بڑا حکمت والا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ

"اگرچہ اس آیت کریمہ میں پوری امت کو مخاطب کر کے حکم دیا گیا ہے کہ چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹ دو تاہم اکثر علماء کا خیال ہے کہ یہ حاکم وقت کی ذمے داری ہے (وہ یہ کام خود کرے یا کسی حاکم کو یہ ذمے داری سونپ دے) عام لوگ یہ کام نہیں کر سکتے" [2]

---

[1] المعلم بطرس البستانی : محیط المحیط : ۱ : ۹۵

[2] الرازی محمد فخر الدین : تفسیر کبیر : ۳ : ۴۰۱ : طبع مصر

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابُو ہریرہؓ سے روایت ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ولا یشرب الخمر حین یشرب وھو مومن ولا یسرق حین یسرق وھو مومن ولا ینتھب نھبۃ یرفع الناس الیہ فیھا ابصارھم وھو مومن [1]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت زنا کرنے والا زنا کرتا رہتا ہے۔ وہ مومن نہیں رہتا، جس وقت شراب پینے والا شراب پیتا رہتا ہے، وہ مومن نہیں رہتا، جس وقت چوری کرنے والا چوری کرتا رہتا ہے، وہ مومن نہیں رہتا اور جس وقت ڈاکو لوگوں کا مال لوٹتا رہتا ہے اور لوگ بے بسی سے اس کو دیکھتے رہتے ہیں، وہ مومن نہیں رہتا۔

سرقہ کی دو قسمیں ہیں

(الف) سرقہ موجب حد

(ب) سرقہ موجب تعزیر

سرقہ موجب حد

اصطلاح شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ

"کوئی مکلف (عاقل، بالغ، بصیر، ناطق) شخص بہ نیت سرقہ

---

[1] صحیح البخاری : ۲ : ۱۰۰۲ طبع دہلی

دوسرے شخص کی ملک صحیح محرز سے خفیہ طور پر
بلا شخص مذکور کی رضا و علم کے کوئی ایسی چیز نکال کر
اپنی ملکیت میں داخل کرلے جس کی مالیت دس درہم یا
اس سے زیادہ کی ہو اور وہ چیز قدرتی طور پر جلد بگڑ جانے
والی نہ ہو، نیز شرعاً مال متقوم ہو" [1]

اس کی سزا جرم ثابت ہو جانے کے بعد ہاتھ کاٹ دینا ہے۔

سرقہ موجب تعزیر

اس کی دو قسمیں ہیں

(الف) پہلی قسم وہ ہے جو اگرچہ حد کے تحت آتی ہو تاہم اجرائے کی مشرائط پورے طور پر نہ پائے جانے کے باعث یا شبہ پیدا ہو جانے کے سبب حد کے دائرے سے نکل کر تعزیر کی حد میں آ جائے۔ مثلاً خفیہ طور پر اپنے شریک کا مال لے لینا۔

(ب) دوسری قسم وہ ہے جس میں غیر کا مال لے لینا تو ثابت ہو لیکن وہ مال خفیہ طور پر نہ لیا گیا ہو، مثلاً کسی کا مال اس کے علم میں غصب کر لیا یا کسی کے ہاتھ سے نوٹ چھین کر بھاگ گیا۔

اس طرح کے مقدمات میں حاکم اپنی صوابدید سے کوئی بھی سزا تجویز کر سکتا ہے۔

---

[1] ملا علی قاری: المرقاۃ المفاتیح: ۷: ۱۵۳ طبع ملتان

فصل ہفتم

حرابہ (رہزنی) کے تمہیدی مباحث

حرابہ (رہزنی) بھی چوری کی طرح قابل حد جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ

(المائدہ ۔ ۳۳)

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے کو دوڑتے پھرتے ہیں ایسے لوگوں کی بس یہی سزا ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا شہر بدر کر دیئے جائیں یہ سزا ان کے لیے دنیا میں سخت رسوائی (کا باعث) اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

مذکورہ آیت کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔

ذهب جمهور الفقهاء الى انما نزلت فيمن خرج من المسلمين يسعىٰ فى الارض بالفساد ويقطع الطريق [1]

ترجمہ:۔ جمہور فقہا کا خیال ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسلمان ہونے کے باوجود زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے اور رہزنی کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔
یہی رائے قسطلانی کی بھی ہے۔ [2]

تعریف

فقہ میں رہزنی اس کو کہتے ہیں کہ کوئی فرد یا جماعت جس میں طاقت کے استعمال کی صلاحیت ہو قوت کے بل بوتے پر (قوت استعمال کر کے یا دھمکی دے کر) راستہ روک کر مال لوٹ لے۔ [3]

شرائط

رہزنی کے مقدمے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری

---

[1] ابن حجر العسقلانی: فتح الباری: ۱۱۹ [2] قسطلانی: ارشاد الساری: ۲۱۰: طبع بولاق مصر ۱۳۲۷ھ
[3] عالمگیری: ۲:

ہے ۔

الف : راہزن اس طرح مسلح ہوں کہ مسافروں میں ان کے مقابلے کی سکت نہ ہو اسلحہ کے حکم میں بندوق ۔ پستول ۔ بڑا پتھر ۔ لاٹھی اور خنجر سب داخل ہیں ۔

ب : جرم کا ارتکاب ایسی جگہ پر کیا گیا ہو کہ متاثرین کی فریادرسی کا وہاں امکان نہ ہو ۔ مثلاً ایسی جگہ جو شہر سے باہر ہو یا بقول امام ابویوسف شہر میں دن کے وقت اسلحہ کے ساتھ اور رات کے وقت اسلحہ کے ساتھ یا بغیر اسلحہ کے اگر رہزنی کیجائے تو اس پر رہزنی کی حد نافذ ہوگی اور اس پر فتویٰ ہے ۔

ج : یہ واقعہ دارالاسلام میں پیش آئے ۔

د : سرقہ کی تمام شرائط پائی جائیں ۔ یعنی نصاب پورا ہو ۔ راہزنوں میں کوئی راہزن متاثرین میں سے کسی کا قریبی رشتہ دار نہ ہو، سب مجرم عاقل بالغ ہوں، گونگے نہ ہوں، اگر ایک سے زائد افراد ارتکاب جرم میں شریک رہے ہوں تو ہر ایک کے حصے میں بقدر نصاب مال آتا ہو ۔

ہ : راہزن توبہ کرنے یا صاحب مال کو مال لوٹانے سے پہلے گرفتار ہوئے ہوں ۔

د : مستغیث (راہزنی سے متاثر ہونے والا شخص) کی جان اور مال شرعاً محفوظ ہو یعنی وہ مسلمان ہو یا ذمّی بنکر دارالاسلام میں سکونت پذیر ہو ۔

ز : اس کا جو مال لوٹا گیا وہ مستغیث کے قبضہ، صحیح میں رہا ہو یعنی یا تو وہ شخص اس مال کا مالک ہو یا امانتہً وہ مال اس کے پاس ہو یا اس مال پر اسے قبضہ، ضمان حاصل ہو۔

ح : یہ بھی ضروری ہے کہ رہزن مستامن نہ ہو یعنی دارالاسلام میں کافر ہونے کے باوجود عارضی اجازت نامہ کی بنیاد پر مقیم ہو، کیونکہ مستامن پر رہزنی کی حد جاری نہیں ہوتی بلکہ اس پر تعزیر عائد ہوتی ہے[1]

رہزنی کی چار صورتیں اور ان کی حدود

مندرجہ ذیل چار صورتیں رہزنی میں شمار ہوتی ہیں۔

۱ :۔ لوگوں کو مغلوب کر کے مال لوٹنے کے لیے نکلا اور دہشت پھیلا دی، لیکن نہ کسی کا مال لوٹا اور نہ کسی کو قتل کیا۔

۲ :۔ لوگوں کو مغلوب کر کے انکا مال لوٹنے کے لیے نکلا اور مال لوٹ بھی لیا لیکن کسی کو قتل نہیں کیا۔

۳ :۔ لوگوں کو مغلوب کر کے مال لوٹنے کے لیے نکلا اور بعض افراد کو قتل کر دیا لیکن مال نہیں لوٹا۔

۴ :۔ لوگوں کو مغلوب کر کے مال لوٹنے کے لیے نکلا اور مال لوٹا اور بعض کو قتل بھی کیا۔

مذکورہ چار صورتوں میں شریعت نے الگ الگ سزائیں

---

[1] عالمگیری : ۲ : ۱۸۶ بعد

متعین کی ہیں۔

الف:۔ صورت اول میں حکم ہے کہ ایسے شخص یا اشخاص کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک وہ صدق دل سے توبہ نہ کرلیں۔

ب:۔ صورت دوم میں مال کی مقدار دیکھی جائے گی۔ اگر لوٹا ہوا مال اتنا تھا کہ رہزنوں کی جماعت کے تمام افراد پر برابر برابر تقسیم کرنے سے ہر ایک کے حصے میں مقدار نصاب (دس درہم یعنی ساڑھے چار ماشہ سونا یا اس کی قیمت کا مال) یا اس سے زیادہ آئے تو ہر رہزن کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔

ج:۔ صورت سوم میں حاکم تمام رہزنوں کو قتل کرا دے گا۔

د:۔ صورت چہارم میں حاکم کو اختیار ہے کہ چاہے تو ان کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹوا کر انہیں قتل کرا دے یا صرف سولی پر چڑھا دے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام زفر کا قول ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ دو سزائیں نہ دی جائیں لہذا ان کے نزدیک ہاتھ پیر کٹوانے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف سولی پر چڑھا دیا جائے یا قتل کرا دیا جائے اور اگر ہاتھ پیر کٹوائے جائیں تو پھر نہ قتل کرایا جائے اور نہ سولی پر چڑھایا جائے[1] رہزن کو تین دنوں تک پھانسی پر لٹکایا جائے۔ یا نیزہ اس کے پیٹ میں بھونک کر ہلاک کر دیا جائے اس کے بعد اس کی لاش کو سولی پر چڑھا دیا جائے یہی قول امام شافعی کا بھی ہے[2]

---

[1] شرح فتح القدیر: ۴: ۲۶۸

[2] العینی محمود بن احمد: عینی شرح کنز: ۲: ۲۶۶: طبع نولکشور

فصل ہشتم

ارتداد

تمہیدی مباحث

ارتداد کی تعریف

ارتداد لغت میں لوٹنے کو کہتے ہیں اصطلاح فقہ میں ارتداد اسلام کو چھوڑنے اور دین سے پھر جانے کو کہتے ہیں

رجوع عن الاسلام

رجوع عن الاسلام کی تین معروف صورتیں ہیں :-

الف :- عملاً

ب :- قولاً

ج :- اعتقاداً

الف :- عملاً سے مراد وہ ارتداد ہے جو ایسے اعمال کے ارتکاب سے پیدا ہو جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور ملزم اسے حلال تصور کرے اور اس کا مقصد احکام شریعت کا استہزاء یا اقدار دینی کا استخفاف ہو یا اس کے دل میں شریعت سے عناد ہو اور وہ اپنے اس عناد کا اظہار علی الاعلان حرام امور کے ارتکاب سے کرے مثلاً بتوں کو سجدہ کرنا سورج یا چاند کو سجدہ کرنا۔ قرآن و

حدیث کی توہین کرنا۔ انہیں گندگی میں پھینک دینا (العیاذ باللہ) پاؤں سے روندنا یا یہ جانتے ہوئے کہ شراب نوشی اور زنا کاری حرام ہے فخریہ اور علانیہ شراب نوشی اور زناکاری کرنا۔ یا خنزیر کے گوشت کو حلال قرار دینا نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنا[1]

روزہ نہ رکھنا اور روزہ داروں کا مذاق اڑانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کی سنت سمجھ کر تحقیر کرنا یا اس کا مذاق اڑانا[2] عمداً قبلہ کی سمت چھوڑ کر دوسری طرف رخ کر کے نماز پڑھنا۔ عمداً بے وضو نماز پڑھنا، کپڑے اور بدن میں نجاست لگی ہو اور عمداً بغیر کسی عذر شرعی کے اسی حالت میں نماز پڑھنا، لواطت کو حلال سمجھنا[3]

حائضہ سے مباشرت کو حلال سمجھنا[4]

اگر اس طرح کے اعمال کا صدور کسی نومسلم شخص سے ہو یا ایسے علاقے کے باشندے سے جہاں جہالت کا دور دورہ ہو اور غالب گمان ہو کہ شخص مذکور حقیقت سے باخبر نہ ہوگا تو اس کی فوراً تکفیر نہیں کیجائے گی بلکہ شرعی دلائل کے ذریعہ اسے قائل

---

[1] التشریع الجنائی: ۲: ۷۰۷ بعد

[2] البحر الرائق: ۵: ۱۳۰

[3] ایضاً ص ۱۳۲

[4] ایضاً

کرنے کی کوشش کی جائے گی اگر وہ سمجھانے بجھانے اور تبلانے کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹا رہے تو پھر اسے مرتد قرار دیدیا جائے گا، لیکن اگر اسطرح کے اعمال کسی خاندانی مسلمان سے صادر ہوں اور وہ کسی ایسی جگہ کا باشندہ ہو جہاں علم کا چرچہ ہو تو اس کی تکفیر کردی جائے گی [1]

ب: ۔ قولاً سے مراد وہ ارتداد ہے جو کلمۂ کفر کے کہنے اور اس پر اصرار کرنے سے ثابت ہوتا ہے ۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار کرنا یا اس کی وحدانیت کا انکار کرکے کسی دوسرے کو اسکا شریک ٹھہرانا یا اللہ تعالےٰ کے لیے بیٹا یا بیوی ثابت کرنا یا مدعی نبوت کو صالح، مجدد، یا مصلح ماننا (جیسا کہ لاہوری قادیانی مرزا غلام احمد کو مانتے ہیں) یا انبیاء میں سے کسی کی نبوت کا انکار کرنا تمام ملائکہ یا کسی ایک فرشتے کا انکار کرنا، قرآن کا انکار کرنا، قرآن میں کسی قسم کی تحریف ماننا، حیات بعد الموت کا انکار کرنا، کلمۂ شہادت کا انکار کرنا، اسلام سے برائت کا اظہار کرنا یا یہ کہنا کہ اسلامی شریعت کے احکام دائمی نہیں ہیں بلکہ ایک خاص وقت تک کے لیے آئے تھے اور وقت گزرنے کے بعد باطل ہوگئے یا یہ کہنا کہ اسلامی قوانین کے مقابلے میں ہمارے خودساختہ قوانین بہتر ہیں [2]

---

[1] التشریع الجنائی: ۲: ۷۰۷

[2] بحرالرائق: ۵: ۱۳۰ بعد

یا اللہ تعالیٰ کو جاہل اور عاجز کہنا یا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا مذاق اڑانا یا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند کرتا ہے یا علم غیب رکھنے کا دعویٰ کرنا یا یہ کہنا کہ مجھے پتہ نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے یا نہیں یا انبیاء علیہم السلام کی طرف فحش باتوں کی نسبت کرنا یا صراحتہً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا یا حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پر تہمت لگانا یا یہ کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ بھی مجھے یہ کام کرنے کو کہے تو بھی میں نہیں کرونگا یا قرآن کی آیتوں کا مذاق اڑانا یا قیامت، جنت، دوزخ، میزان، حساب وکتاب کا (بغیر کسی تاویل کے) انکار کرنا یا یہ کہنا کہ میری نگاہ میں حلال وحرام برابر ہیں، یا یہ کہنا کہ شریعت اور مذہب دھوکا ہیں، یا کسی سے کہنا کہ مجھے سجدہ کرو یا یہ کہنا کہ میں فرعون یا ابلیس ہوں یا یہ کہنا کہ مجھے عذاب وثواب کی پرواہ نہیں یا شراب کا مٹکا سامنے رکھ کر کہنا کہ "اگر یہ مٹکا حضرت جبریل علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا جاتا تو وہ اسے اپنے کاندھے پر اٹھائے پھرتے۔"[۱] اس طرح کی تمام باتوں سے آدمی پر کفر لازم آتا ہے۔ تاہم تکفیر کرنے سے پہلے علماء کا فرض ہے کہ پوری طرح تحقیق کرلیں کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کفر کا ارادہ نہ کرے اور کلمۂ کفر زبان سے نکالدے۔ اس صورت میں اس پر ارتداد کا حکم نہیں لگانا چاہیئے، کیونکہ تمام

---

[۱] بحرالرائق: ۵: ۱۳۰ ببعد

اعمال کی بنیاد نیت پر ہے البتہ اگر قائل کا مقصود شریعت مطہرہ کا استخفاف یا تحقیر یا استہزاء ہو تو اسے مرتد مانا جائے گا۔[1]

واضح رہے کہ کسی کو کافر و مرتد قرار دیدینا بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور اس معاملے میں ہر ممکن احتیاط کرنی چاہیئے۔ شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے۔

وقد ذکروا ان المسئلة المتعلقة بالکفر اذا کان لها تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لان الخطاء فی ابقاء الف کافر اهون من الخطاء فی افناء مسلم واحد۔[2]	علماء نے کہا ہے کہ اگر کفر سے متعلق کسی مسئلہ میں ننانوے وجوہات ایسی ہوں جن سے کفر کا احتمال ثابت ہوتا ہو اور ایک وجہ اس کے خلاف ہو تو مفتی اور قاضی کو چاہیئے کہ منفی احتمال پر عمل کرے کیونکہ اگر غلطی سے ایک ہزار کافر مسلمان باقی رہ جائیں تو یہ اس بات سے زیادہ آسان ہے کہ کسی ایک مسلمان کو خارج از اسلام قرار دیدیا جائے۔

علامہ ابن النجیم حنفی نے بحر الرائق میں لکھا ہے۔

---

[1] الزرقانی: ۶ ۲۱۸ ببعد

[2] ملا علی قاری الحنفی: شرح فقہ اکبر: ۱۹۹ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۵ھ

اذا كان فی المسئلة وجوه	اگر کسی مسئلہ میں ایسی بہت سی
توجب التكفير ووجه	وجہیں ہوں جن سے کفر لازم آتا ہے
واحد يمنع التكفير	اور ایک وجہ بھی ایسی مل جائے جو
فعلى المفتی ان يميل	تکفیر کے خلاف ہو تو مفتی کو چاہیئے
الى الوجه الذی يمنع التكفير	کہ تکفیر نہ کرے کیونکہ مسلمان کے
تحسينا للظن بالمسلم۔[1]	بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیئے۔

اسی بناء پر اگر جبراً کسی سے کلمۂ کفر ادا کرایا جائے یا بے ہوشی کی حالت میں کوئی شخص کلمۂ کفر کہدے یا نشے کی حالت میں کفریہ کلمات بک دے تو ارتداد لازم نہیں آتا[2]

ج۔ اعتقاداً:۔ اعتقاداً سے مراد وہ اعتقادات ہیں جو اسلامی عقائد کے منافی ہوں۔ اس طرح کے اعتقاد رکھنے سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے مثلاً عالم کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ قرآن منزل من اللہ نہیں ہے، خالق و مخلوق کے اتحاد کا عقیدہ رکھنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق نہ ماننا، حضرت علیؓ کو معبود ماننا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں یا رسول سے افضل یا رسول کے برابر ہیں یا یہ عقیدہ رکھنا کہ جب تک مسلمان اسلام سے جان نہیں چھڑائیں گے وہ

---

[1] البحر الرائق: ۵: ۱۳۴

[2] رد المحتار: ۳: ۲۸۵ طبع دہلی ۱۲۸۸ھ

ترقی نہیں کر سکتے۔ اس طرح کے تمام عقائد عقائد کفریہ ہیں۔ البتہ ارتداد اعتقادی میں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ اعتقاد کا قول و عمل میں ظہور بھی ہوتا رہے کیونکہ اگر کسی کے قلب میں منافی اسلام مختلف وسوسے پیدا ہوتے رہیں تو ان پر محاسبہ نہیں ہے [1]

ارتداد کی سزا

مرتد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

(النحل — ۱۰۶)

جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کرے مگر یہ کہ اس پر جبر کیا جائے اور وہ مجبوراً محض زبان سے کلمۂ کفر کہدے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر قائم ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، لیکن جو شخص کشادہ دلی کے ساتھ اللہ کے ساتھ کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑا عذاب دیا جائے گا۔

---

[1] التشریع الجنائی ۲: ۷۱۱

ترمذی شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدّل دینہ فاقتلوہ۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے دین (اسلام) کو تبدیل کردے اسے قتل کردو۔

ابوداؤد شریف میں ہے۔

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم رجل مسلم یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلٰث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ۔[2]

حضرت عبد اللہؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان کا خون جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں حلال نہیں ہے مگر تین صورتوں میں ایک تو شادی شدہ زانی دوسرے قصاص میں اور تیسرے اس شخص کا جو اپنے دین (اسلام) اور مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑدے۔

مذکورہ آیات واحادیث کی بنیاد پر سلف وخلف کے تمام علماء کا

---

[1] ترمذی شریف ۱:۲۷۰ طبع کراچی

[2] ابوداؤد شریف : ۲ : ۵۹۸ طبع کانپور

اس امر پر اجماع ہے کہ "ارتداد کی سزا قتل ہے"[1]

مستحب ہے کہ امام یا قاضی مرتد پر دوبارہ اسلام پیش کرے اور اگر اسے کسی قسم کا شبہ پیدا ہو گیا ہے تو اسے رفع کرنے کی کوشش کرے مزید یہ کہ اسے تین دنوں تک قید میں رکھ کر غور کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کرے تو خیر ورنہ اسے قتل کرا دے[2]

اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس کے پانچ معاملات باطل ہو جاتے ہیں۔

۱:۔ نکاح

۲:۔ ذبیحہ

۳:۔ اسکا شکار کیا ہوا جانور

۴:۔ وراثت

۵:۔ شہادت

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر عورت مرتد ہو جائے تو اسے قتل کرانا درست نہیں بلکہ اسے قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ دوبارہ اسلام قبول کرے یہ سلسلہ اس کی موت تک جاری رکھا جا سکتا ہے[3]

---

[1] المغنی ۱۰: ۴۰

[2] بحرالرائق ۵: ۱۳۵

[3] ایضاً ص ۱۴۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ نمبر (۲)

مصنّفین کے مختصر حالات

علامہ آلوسی

ابوالثنا ابوعبداللہ شہاب الدین محمود الآلوسی البغدادی الحسنی الحسینی
المتوفی ۱۲۷۰ھ

آپ آلوسی خاندان میں ۱۲۱۷ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ یہ خاندان بڑے علم وفضل کا مالک تھا۔ آپ نے تمام متداولہ علوم کی تحصیل اپنے والد سے کی۔ آپ کے والد نے مہارت تامہ کی غرض سے آپ کو عراق کے شیوخ کے سپرد کیا۔ آپ ۱۲۵۰ھ میں جامع غوثیہ میں بلائے گئے۔ آپ کے وعظ میں علی رضا پاشا بھی تھا۔ اس پر آپ کے وعظ کا بہت اثر ہوا اس نے آپ کو بلا بھیجا اور بہت عزت وتکریم کی اور آپ کو حنفیہ کا عہدۂ قضا پیش کیا۔ آپ بہت بڑے عالم زاہد اور پرہیزگار انسان تھے اگرچہ مسلکاً آپ شافعی تھے مگر بیشتر مسائل میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے تھے۔ آپ کا ۱۲۷۰ھ میں بغداد میں انتقال ہوا۔ آپ کی تالیفات میں تفسیر روح المعانی ایک شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ اس کے علاوہ الاجوبۃ العراقیہ عن اسئلۃ الایرانیہ اور الاجوبۃ العراقیہ عن اسئلۃ اللاہوریہ اور سفرۃ الزاد السفرۃ الجہاد بہت مشہور ہیں ان کے علاوہ بھی آپ کی تقریباً آٹھ کتابیں مطبوعہ ہیں جو ادب نحو اور سفرناموں پر مشتمل ہیں۔

ابراہیم علی آفندی

علمائے مصر میں آپ کا شمار چوٹی کے علما میں ہوتا ہے۔ آپ مدرسہ

خدیویہ کے شیخ الفقہ تھے۔ آپ کی تالیف اسرار الشریعۃ الاسلامیہ فقہ کی بہت اہم کتاب ہے۔ امام غزالیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح مصنف نے اس کتاب میں احکام شریعت یعنی اوامر و نواہی کی حکمتیں بیان کی ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی

قاضی القضاۃ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد الکنعانی العسقلانی المصری مولداً الشافعی مسلکاً المعروف بابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ۔ آپ مصر میں ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ گھر پر ہی ابتدائی تعلیم و تربیت پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ حاوی اور مختصر ابن حاجب وغیرہ پڑھیں پھر مکہ تشریف لے گئے اور وہاں کے محدث حضرات سے سماع کیا وہیں آپ کو حدیث سے ایسا شغف ہوا کہ آپ شام حجاز مصر جہاں بھی کسی محدث کا پتہ چلا، وہاں پہنچے اور حدیث اخذ کی۔ الشیخ عراقی سے اصول حدیث اور روایت کی سند حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں الشیخ بلقینی ابن الملقن العزبن جماعۃ المجد الفیروزآبادی الشیخ الغماری اور البدر البشتکی کے نام قابل ذکر ہیں - یہ حضرات اپنے زمانے میں اپنے اپنے فن کے ماہر تھے۔ اور آپ نے تمام ماہرین سے استفادہ کیا۔ آپ کے اسی علم و فضل کی وجہ سے آپ کا چرچہ بلاد اسلامی کے طول و عرض میں پھیل گیا تھا اور آپ طالبان علم کے لیے مرجع بن گئے تھے۔ آپ نے متعدد مدارس میں درس دیا۔ آپ جامع عمرو اور جامعۃ الازھر میں بھی تعلیم دیتے رہے۔

آپ کی تالیفات تقریباً ایک سو پچاس سے زیادہ ہیں۔ جن میں سے بہت اہم درج ذیل ہیں۔

۱۔ الاصابہ فی معرفۃ اسماء الصحابہ ۲۔ بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام ۳۔ تخریج احادیث شرح الوجیز ۴۔ تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ ۵۔ تعریف اہل التقدلیس ۶۔ تقریب التہذیب ۷۔ التلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ۸۔ تہذیب تہذیب الکمال فی معرفۃ الرجال ۹۔ توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ۱۰۔ الدرایہ فی منتخب تخریج احادیث الہدایہ ۱۱۔ دیوان قطب۔ ۱۲۔ الرحمۃ الغیثیۃ بالترجمۃ اللیثیہ ۱۳۔ شرح نخبۃ الفکر فی مصطلع اہل الاثر۔ ۱۴۔ طبقات المدلسین ۱۵۔ غبطۃ الناظر فی ترجمۃ الشیخ عبدالقادر ۱۶۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۷۔ القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد ۱۸۔ لسان المیزان ۱۹۔ مراتب المدلسین فی الحدیث۔

علامہ ابنِ حزم

ابو محمد علی بن محمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح الظاہری الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ۔

آپ کے آباؤ اجداد مغربی اندلس کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد قرطبہ میں آباد ہوئے۔ آپ ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم پائی قرطبہ اس وقت علوم فنون کا مرکز تھا۔ آپ کو معلومات جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ آپ داؤد بن خلف الاصفہانی سے بہت متاثر تھے۔ ظاہر نصوص

کے مطابق حکم دیتے تھے اس وجہ سے آپ پر ہمعصر علماء نے تنقید بھی کی ہے۔
آپ بہت بڑے مورّخ، ادیب، شاعر اور طبیب تھے۔ آپ نے ہر فن میں کوئی نہ کوئی کتاب تالیف کی آپ کی تالیفات اسّی ہزار صفحات پر مشتمل تھیں۔ فقہ میں آپ کی کتاب المحلی بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تالیفات میں طوق الحمامہ الفصل فی الملل والاہواء والنحل مداواۃ النفوس فی تہذیب الاخلاق والزھد فی الرذائل اور رسائل اصول الفقہ بہت اہم کتابیں ہیں۔ آپ کا شعبان ۴۵۶ھ میں انتقال ہوا۔

ابنِ شحنہ

احمد بن محمد بن محمد قاضی القضاۃ لسان الدین ابوالولید بن الشحنۃ قاضی الحنفیہ المتوفی ۸۸۲ھ۔

آپ مصر میں حنفی مذہب کے قاضی تھے۔ بعد میں آپ کو حلب کی قضا سپرد کی گئی۔ آپ بہت متدین صالح اور رقیق القلب تھے۔ آپ حلب کی جامع الاموی میں خطیب بھی تھے۔ جب آپ حلب کے قاضی تھے اُس وقت آپ نے ایک کتاب لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام لکھی۔ یہ کتاب آپ کے علم وفضل کا بہترین نمونہ ہے۔

ابنِ عابدین

محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحیم بن نجم الدین بن محمد

صلاح الدین الشہیر بعابدین المعروف بابن عابدین: المتوفی ۱۲۵۲ھ۔

آپ دمشق میں ۱۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہی ہوئی۔ آپ نے بہت چھوٹی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ آپ کے والد نے آپ کو اپنی دکان پر بٹھا دیا۔ آپ دکان بھی چلاتے اور تلاوت بھی کرتے رہتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے آپ کی قرأت سنی تو اعتراض کیا اور کہا قرآن سننا فرض ہے اور آپ کی وجہ سے لوگ گنہگار ہوتے ہیں اور اس طرح تم بھی گناہ کرتے ہو پھر تمہاری قرأت بھی صحیح نہیں ہے۔ اس دن سے آپ کو اپنی قرأت کی درستگی کی فکر ہوئی۔ آپ شیخ سعید الحموی کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے بلوغ سے پہلے پہلے شاطبیہ میدانیہ اور جزریہ وغیرہ ختم کر لیں۔ پھر آپ نے وہیں پر نحو صرف اور فقہ شافعیہ کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پھر آپ سید محمد شاکر العمری العقاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے معقول حدیث اور تفسیر پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے فقہ حنفیہ کا مطالعہ شروع کیا اور کچھ دنوں تک تقابل کرنے کے بعد آپ نے حنفی مسلک اختیار کر لیا۔ پھر فقہ حنفیہ کا باقاعدہ درس الشیخ الامیر المصری الشیخ عبد الغنی المیدانی، الشیخ حسین البیطار، احمد آفندی اور محمد الازہری سے لیا۔ اور اس طرح آپ اپنے زمانے کے فقہائے حنفیہ میں بہت ممتاز فقیہ شمار ہونے لگے۔ آپ عالم با عمل اور زاہد و عابد متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ کا وصال دمشق میں ہوا اور آپ کو مقبرہ باب الصغیر میں دفن کیا گیا۔

آپ کی بہت سی مطبوعات کا ذکر ملتا ہے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ الابانہ عن اخذ الاجرۃ عن الحضانۃ ۲۔ اتحاف الذکی النبیہ بجواب

مایقول الفقیہ ۲۔ اجابۃ الغوث ببیان حال النقب والنجباء والابدال والاوتاد والغوث ۴۔ اجوبۃ محققۃ عن اسئلۃ مفرقۃ ۵۔ اعلام الاعلام باحکام الاقرار العام۔ ۶۔ اقوال الواضح الجلیۃ فی مسألۃ نقض القسمۃ ومسألۃ الدرجۃ الجعلیۃ۔ ۷۔ بقیۃ الناسک فی ادعیۃ المناسک ۸۔ تحبیر التحریر ۹۔ تحریر العبارۃ فیمن ہو اولی بالاجارۃ ۱۰۔ تحریر النقول ۱۱۔ تنبیہ ذوی الافہام علی احکام التبلیغ خلف الامام۔ ۱۲۔ تنبیہ الولاۃ ۱۳۔ تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۱۴۔ الرحیق المختوم: شرح قلائد المنظوم ۱۵۔ رد المحتار ۱۶۔ رفع الاشتباہ عن عبارۃ الاشتباہ ۱۷۔ سل الحسام الہندی ۱۸۔ شفاء العلیل ۱۹۔ العلم الظاہر ۲۰۔ العقود الدریۃ فی قول الواقف علی الفرائض الشرعیۃ ۲۱۔ الفوائد العجیبہ ۲۲۔ الفوائد المخصصہ ۲۳۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۲۴۔ نسمات الاسحار۔

ابن قاضی سماونہ

الشیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل ابن عبد العزیز المشہور بقاضی سماونہ الحنفی المتوفی ۸۲۳ھ۔

آپ کے والد بلادِ روم میں قلعہ سماونہ میں قاضی تھے آپ وہیں پیدا ہوئے آپ نے وہاں کے ایک عالم المولی الشاہدی سے ابتدائی تعلیم پائی اور پھر مصر تشریف لے آئے۔ آپ اور السید الشریف الجرجانی مبارک شاہ المنطقی کے درس میں ہم سبق تھے۔ آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ اکمل الدین سے تکمیل کی۔ اس کے بعد آپ تبریز میں تشریف لائے اور وہاں تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران امیر تیمور

کے پاس علمار کا ایک مناظرہ ہوا۔ امیر تیمور نے آپ کو فیصل مقرر کیا۔ آپ نے جو فیصلہ دیا وہ ہر فریق نے بطیب خاطر قبول کر لیا۔ آپ کے علم و فضل سے امیر تیمور بہت متاثر ہوا اور آپ کو بہت سا انعام دیا اور آپ لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت بھی بہت دُور دُور تک پہنچ گئی۔ آپ کی تصنیفات میں جامع الفصولین فقہ حنفی کی مہمات کُتب میں شمار ہوتی ہے اور اس سے ہر زمانے کے علمار تمسک کرتے رہے ہیں۔

ابن قدامہ

عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی ثم الصالحی المتوفی ۶۸۲ھ۔

آپ نے حدیث اپنے والد الشیخ ابو عمر محمد اور چچا موفق الدین سے جو حدیث کے بہت بڑے عالم تھے سیکھی۔ اور علم فقہ بھی اپنے چچا سے حاصل کیا۔ موفق الدین کی کتاب المقنع جس کی بعد میں مبسوط شرح آپ نے لکھی خود مولف سے پڑھی۔ آپ کے بارے میں محی الدین النووی فرمایا کرتے تھے کہ میرے اساتذہ میں ابنِ قدامہ جیسا کوئی عالم نہیں ہے۔ آپ سب سے پہلے حنبلی عالم ہیں جو شام میں قاضی مقرر کیے گئے۔ آپ کی کتاب الشرح الکبیر آج بھی مسالک اربعہ میں مقبول ہے۔

محمد ابنِ قدامہ

عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی ثم الدمشقی الصالحی الحنبلی موفق الدین ابو محمد۔ المتوفی ۶۲۰ھ

آپ ۵۴۱ھ میں مقام جماعیل میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان ترکِ وطن کر کے دمشق چلا آیا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ آپ نے دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور ساتھ ہی مختصر الخرقی بھی حفظ کر لی۔ اس کے بعد آپ دمشق سے بغداد ۵۶۱ھ میں تشریف لے گئے اور وہاں بھی آپ نے اخذ و استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ آپ اپنے زمانے کے متبحر عالم شمار ہونے لگے۔ آپ فقہ نحو فرائض اور حساب میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی تالیفات میں درج ذیل کتابیں مطبوعہ شکل میں ملتی ہیں۔

۱۔ ذم التاویل ۲۔ عقیدہ الامام موفق الدین ۳۔ المغنی فی شرح مختصر الخرقی ۴۔ المقنع ۵۔ مختصر العلل فی الحدیث۔

ابنِ قیم الجوزیہ

شمس الدین ابوعبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد ابن حریز الزرعی الدمشقی المعروف بابن قیم الجوزیہ الحنبلی المتوفی ۷۵۱ھ۔

آپ تقی الدین ابن تیمیہ کے شاگردِ رشید تھے۔ آپ نے تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ آپ کو استاد کے ساتھ کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی اُٹھانی پڑیں۔ آخری بار آپ قلعہ دمشق میں محبوس ہوئے اور ابنِ تیمیہ کی وفات پر رہائی پائی۔ اس کے بعد آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں سکونت اختیار کی۔ آپ بہت بڑے زاہد عابد تھے اہلِ مکہ آپ کی کثرت طواف سے بہت تعجب کرتے تھے۔ لوگ ابنِ تیمیہ کی زندگی میں بھی ابنِ قیم سے درس لیتے تھے۔ اور آپ کے بعد

تو ابنِ قیم مرجع خلائق ہو گئے ۔ مصری امرا آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ ابنِ تیمیہ کے پکّے مقلد تھے اور فتویٰ میں ابنِ تیمیہ کی اتباع کرتے تھے۔ آپ کی کثیر مؤلفات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ اجتماع الجیوش الاسلامیہ ۲۔ اخبار النساء ۳۔ اعلام الموقعین ۴۔ اغاثۃ اللہفان فی مصائد الشیطان ۵۔ اغاثۃ اللہفان فی حکم طلاق الغضبان ۶۔ بلوغ السوٴل من اقضیتہ الرسول ۷۔ التبیان فی اقسام القرآن ۸۔ کتاب الروح ۹۔ زاد المعاد ۱۰۔ شفاء العلیل ۱۱۔ الطرق الحکمیہ ۱۲۔ طریق الہجرتین ۱۳۔ عدۃ الصابرین ۱۴۔ کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن ۱۵۔ کتاب الصلوٰۃ و احکام تارکہا ۱۶۔ مدارج السالکین ۱۷۔ مفتاح دار السعادت۔

ابنِ منظور الافریقی

جمال الدین ابو الفضل محمد بن جلال الدین ابو العز مکرم بن نجیب الدین ابو الحسن علی بن احمد بن ابی القاسم بن حبقہ بن منظور الانصاری الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ۔

آپ مصر میں پیدا ہوئے اور ابن المقیر کے شاگرد بنے۔ آپ نے بہت سی عربی ادب کی مفصل کتب کا اختصار کیا۔ مشہور یہ ہے کہ آپ نے تقریباً پانچ سو کتابوں کا خلاصہ لکھا۔ آپ دیوان انشاء میں ملازم تھے۔ آپ کو طرابلس کا عہدہ قضاء بھی سپرد ہوا۔ آپ نے اپنی کتاب لسان العرب کو بین التہذیب و المحکم، الصحاح، الجمہرہ اور النہایہ سے جمع کیا اور اس پر اور اضافے بھی کئے۔ السبکی اور

ذھبی آپ کے شاگردوں میں مشہور علماء میں سے ہوئے ہیں۔ آپ مسلکاً مائل بہ تشیع تھے۔ آپ کی تالیفات یہ ہیں۔

لسان العرب اور نشار الازھار فی اللیل والنہار واطائب اوقات الاصائل والاسحار مشہور کتابیں ہیں۔

علامہ ابنِ نجیم

زین العابدین بن ابراھیم بن محمد بن نجیم المصری۔ الحنفی المتوفی ۹۷۰ھ

آپ نے بہت بڑے علما کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا۔ جن میں شرف الدین بلقینی شہاب الدین الشلبی شیخ امین الدین عبد العال قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کے اساتذہ نے آپ کی صلاحیتوں کے پیشِ نظر آپ کو اپنے سامنے فتویٰ دینے کی اجازت دی۔ اور آپ اپنے اساتذہ کی موجودگی میں کافی مدت تک درس دیتے رہے۔ اور آپ سے ایک زمانہ مستفیض ہوا۔ آپ العارف باللہ سلیمان الخضیری سے سلسلہ طریقت میں بیعت تھے۔ عبد الوہاب الشعرانی فرماتے ہیں کہ میں ابنِ نجیم کے پاس دس برس تک رہا مگر میں نے کوئی بات کبھی خلافِ سنّت اور عقل سلیم اور طبع حلیم سے ہٹی ہوئی نہ پائی۔ میں نے آپ سے ایک مرتبہ مناظرہ بھی کیا مگر میں نے انہیں خلق کا عمدہ نمونہ پایا۔ آپ نے ۹۶۹ یا ۹۷۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کی مؤلفات میں البحر الرائق شرح کنز الدقائق کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے گرانقدر مؤلفات چھوڑی ہیں جن سے آج بھی تمسک کیا جاتا ہے مثلاً الاشباہ والنظائر، الرسالۃ الزینیہ

فی مسائل الحنفیہ وغیرہ۔

امام ابنِ ھمام

کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود الاسکندری مولداً السیواسی المعروف بابن الھمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ

آپ کے والد سیواس میں قاضی تھے۔ اس کے بعد آپ کے والد قاہرہ میں منتقل ہو گئے اور بعد میں وہ اسکندریہ میں قاضی ہو گئے۔ اس دوران کمال الدین ۷۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور اسی جگہ ابتدائی علوم اپنے والد سے حاصل کئے۔ اسکندریہ کے قیام کے دوران آپ دیگر علما سے بھی مستفیض ہوتے رہے یہاں تک کہ آپ عالم بے بدل ہو گئے۔ آپ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی اور بہت سے لوگوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ بڑے پائے کے فقیہہ، نحوی، صرفی اور ماہرِ علم بیان و التصوف تھے۔ آپ نے کچھ عرصہ تک افتاء کا کام بھی کیا مگر جلد ہی یہ کام چھوڑ دیا۔ آپ منصوریہ میں مدرس بھی مقرر ہوئے۔ آپ قاہرہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی مؤلفات میں سے التحریر فی اصول الفقہ الفتح القدیر اور المسائرہ فی اصول الدین بہت معروف ہیں اور آج تک متداول ہیں۔

امام ابو داؤد

الشیخ الامام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق ابن بشیر بن شداد بن

عمر بن عمران الازدی السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ۔

آپ نے شام عراق خراسان مصر اور حجاز کے علمائے حدیث سے حدیث جمع کی اس طرح آپ مختلف روایات حدیث کے جامع ہو گئے۔ آپ فنِ روایت کے بھی بہت بڑے ماہر تھے اور علل حدیث کے اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم۔ آپ نے سنن ابی داؤد جمع کی تو اس کو امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کیا۔ امام احمد ابن حنبل نے اسے بہت پسند کیا اور آپ کے کام کو سراہا۔ آخر عمر میں آپ بصرہ میں مقیم ہو گئے تھے آپ کی وفات ۲۷۵ھ میں بصرہ میں ہی ہوئی۔ آپ کی تالیفات میں سنن ابی داؤد صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے اور آپ کی دوسری تالیف کتاب المراسیل ہے جو آج تک فنِ حدیث کے علم کے لیے متمسک بہ ہے۔

امام احمد بن حنبل

ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ھلال الشیبانی۔ المتوفی ۲۴۱ھ۔

آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ وہیں پر ابتدائی تعلیم پائی پھر کوفہ بصرہ مکہ مدینہ یمن شام اور الجزیرہ کا طلب حدیث کے لیے سفر کیا۔ جب آپ کو علوم الحدیث میں اچھی مہارت ہو گئی تو آپ نے مسند تالیف کی۔ کہتے ہیں کہ آپ کو دس لاکھ احادیث اور ان کی روایت حفظ تھی۔ آپ امام شافعی کے مصاحبین خاص میں سے تھے اور یہ مصاحبت امام شافعی کے مصر روانہ ہونے تک قائم رہی۔ امام شافعی جب مصر روانہ ہونے لگے تو فرمایا کہ بغداد میں ابن حنبل سے زیادہ متقی اور فقیہہ کوئی نہیں۔ آپ کو خلق قرآن کے مسئلہ پر بہت اذیتیں پہنچائی گئیں۔ متوکل کے خلیفہ

ابوالحسن علی الشیبانی

ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی الملقب کہ ابن اثیر عزالدین المتوفی ۶۳۰ھ۔

آپ جزیرہ عمر میں پیدا ہوئے اور وہیں لڑکپن گزارا۔ اس کے بعد آپ اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ موصل آ گئے اور ابوالفضل ابن احمد الخطیب الطوسی کے شاگردوں سے حدیث سنی۔ کئی مرتبہ بغداد تشریف لے گئے۔ آپ نے شام اور القدس کے محدثین سے بھی سماع کیا۔ اس کے بعد موصل تشریف لائے اور وہیں بیٹھ کر تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ کا گھر موصل اور باہر سے آنے والے لوگوں کے لیے علم وفضل کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ تاریخ میں امام بے بدل تھے اور انساب العرب کے اپنے زمانے کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ آپ کا انتقال موصل میں ہوا آپ کی تصنیفات میں اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ الکامل اور اللباب فی معرفۃ الانساب ہیں جو اپنے موضوع پر منفرد کتابیں مانی جاتی ہیں اور تاریخ میں آج تک حوالہ کے لیے متمسک بہ ہیں۔

ہونے تک آپ محصور رہے۔ متوکّل نے آپ کو آزاد کر دیا اور معتزلہ کا اس طرح زور ختم ہو گیا۔ دوران مصائب امام صاحب کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ آپ ۲۴۱ھ میں بغداد میں اس دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ کا مقبرہ دار حرب میں بنا۔ آپ کی تالیف مسند امام احمد شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الزہد اور کتاب الصلوٰۃ آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

الانقروی

محمد بن حسین الانقروی شیخ الاسلام المتوفی ۱۰۹۸ھ۔

آپ بہت بڑے عالم متقی اور پرہیزگار تھے۔ تحصیلِ علم کے بعد آپ پہلے ایک قصبہ میں قاضی مقرر ہوئے مگر آپ کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت کو دیکھ کر جلد ہی آپ کو مصر کا قاضی مقرر کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ کو قسطنطنیہ کا قاضی مقرر کیا گیا پھر آپ العسکر کے قاضی بنے۔ اپنے دوران قضا آپ نے ایک فتویٰ کی کتاب الفتاوی الانقرویہ تحریر کی۔ جو آج تک متمسک بہ ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر

محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی المتوفی ۱۱[illegible]ھ۔

آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اورنگ زیب خود بہت بڑا ماہر فقہ اور عابد و شاغل بادشاہ تھا۔ اس نے مولانا نظام الدین جو ہندوستان کے

علما کے سرگروہ تھے کی زیرِ ادارت ایک مجلس قائم کی جس کا کام یہ تھا کہ تمام سابقہ فقہی مواد کی چھان پھٹک کر کے اپنے زمانے کے مطابق فقہی معاملات کا نئے سرے سے تعین کر دیا جائے اور اس کتاب کو پورے ملک میں معمول بہ قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ ہندوستان کے چوٹی کے تیرہ علمار اور چودھویں خود محی الدین اورنگ زیب اس مجلس کے ارکان منتخب کیے گئے اور ان لوگوں کی کاوش سے فتاویٰ عالمگیری تیار کی گئی۔ اس کے بعد اس کتاب کو مصر، حجاز مقدس، شام، بلاد روم اور عراق میں بھی قبول عام حاصل ہوا اور وہاں کے علمار بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بنیاد بنانے لگے۔ چنانچہ جب چھاپہ خانہ کی ایجاد عام ہوئی تو یہ کتاب بلاد اسلامیہ کے ہر ملک میں چھپی اور تقریباً تمام بڑی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ یہ کتاب پورے عالم اسلام میں معمول بہ ہو گئی اور آج تک ہے۔

البابرتی

محمد بن محمد بن محمود البابرتی المعروف باکمل الدین البابرتی الحنفی۔ الدمشقی شیخ الخانقاہ الشیخونیہ المتوفی ۷۸۶ھ۔

آپ ۷۱۰ھ اور بقول بعض ۷۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی پھر حلب تشریف لے گئے اور وہاں کے علمار سے اخذ و استفادہ کا سلسلہ شروع کیا ۷۴۰ھ کے بعد آپ قاہرہ پہنچے شمس الدین الاصفہانی اور ابی حیان الاندلسی کے شاگرد بنے۔ اس کے بعد آپ کو شیخون کی خانقاہ کی ولایت تفویض ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد آپ شیخ الخانقاہ بنا دیے گئے۔

تب آپ وہیں پر مقیم ہو گئے۔ آپ بلند پایہ فقیہہ اور اصولی تھے۔ آپ نے کئی ایک کتابیں تالیف کیں جن میں سے بعض ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ مثلاً شرح اصول بزدوی شرح المشارق، شرح مختصر ابنِ حاجب۔ و شرحِ مختصر المنار وغیرہ۔ آپ کی مطبوعہ کتاب الغایۃ بشرح الہدایۃ ہے۔ جو فقہ حنفی کی معروف کتاب ھدایہ کی ایک عمدہ شرح ہے۔ اور متداول بین الفقہاء ہے۔ آپ کی وفات ۷۸۶ھ میں ہوئی۔ آپ کے جنازہ میں سلطان مصر خود شامل ہوئے۔ بہت تگ و دو کی کہ کسی طرح شیخ کے جنازہ کو کندھا دے سکے لیکن عوام کی اتنی بھیڑ تھی کہ یہ ممکن نہ ہو سکا۔ مصر میں آپ کی بہت عزت تھی اور آپ عوام میں اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔

امام البخاری

ابو عبداللہ محمد بن ابی الحسن اسماعیل بن ابراہیم ابن بردزبہ الجعفی البخاری الامام فی الحدیث المتوفی ۲۵۶ھ۔

آپ بخارا میں پیدا ہوئے۔ والد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ والدہ نے حفظ قرآن کا اہتمام کیا اور آپ صغیر سنی ہی میں حافظ قرآن ہو گئے تھے۔ آپ بچپن ہی سے بڑے قوی الحفظ تھے۔ آپ نے عربی زبان و ادب بھی وہیں پڑھا۔ آپ کو حفظ حدیث کا شوق ہوا چنانچہ آپ نے قبل البلوغ دس ہزار احادیث یاد کر لی تھیں۔ اس کے بعد آپ طلبِ حدیث میں ممالک اسلامیہ کے بلاد شرقیہ میں سے اکثر علاقوں میں پہنچے جن میں خراسان، عراق،

حجاز، مصر، شام وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ جب آپ کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تو آپ نے ان کی صحت کے معیار کی چھان پھٹک کے لیے کچھ اصول متعین کیے اور ان اصولوں کے مطابق ان احادیث کو ایک کتابی شکل میں جمع کر دیا جس کو آج ساری دنیا الجامع الصحیح للبخاری کے نام سے جانتی ہے اور جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھی جاتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے یہ کتاب اپنے دور کے محدثین کی خدمت میں پیش کی اور ہر طرف سے تحسین و آفرین اور داد پائی۔ آپ نیشا پور اور بغداد میں بھی مقیم رہے لیکن بالآخر حب وطن نے کھینچا اور آپ بخارا میں واپس آ گئے۔ وہاں فتنہ خلق قرآن کا رد کیا اور اس کی پاداش میں بخارا سے نکال دیے گئے۔ آپ خرتنگ جاتے ہوئے راستے میں انتقال کر گئے۔ آپ کی مؤلفات میں الادب المفرد فی الحدیث۔ التاریخ الصغیر۔ الضعفاء الصغیر۔ ثلاثیات البخاری۔ التاریخ الکبیر۔ جامع الصحیح۔ اسماء الصحابہ۔ الاسماء والکنی۔ برالوالدین۔ تفسیر القرآن۔ ثلاثیات فی الحدیث۔ الجامع الصغیر۔ الجامع الکبیر۔ خلق افعال العباد۔ العوالی فی الحدیث۔ کتاب الاشربہ۔ کتاب الرقاق۔ کتاب السنن فی الفقہ۔ کتاب الضعفاء۔ کتاب الفوائد۔ کتاب القرآۃ خلف الامام۔ کتاب الوحدان۔ کتاب الہیئۃ۔ المبسوط فی الحدیث وغیرہ ہیں۔

البہوتی

الشیخ منصور بن یونس بن صلاح الدین بن حسن ابن احمد بن علی بن

ادریس البہوتی الحنبلی المتوفی ۱۰۵۱ھ۔

آپ اپنے دور کے حنبلی علماء میں ممتاز تھے۔ آپ کے معمولات زیادہ تر تحریر و تبلیغ ہی سے متعلق تھے۔ اکناف عالم سے لوگ فتویٰ کے سلسلہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جہاں تک ممکن ہوتا آپ شہر کے ہر مریض کی عیادت کو جاتے تھے۔ آپ کی وفات مصر میں ہوئی اور مقبرہ مجاورین میں دفن ہوئے۔ آپ کی تالیفات میں الروض المربع بشرح زاد المستنقع مختصر المقنع اور کشاف القناع عن الاقناع بہت مشہور ہیں اور فقہ حنبلی کی مہمات کتب میں شمار ہوتی ہیں ان کتابوں سے اب بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

قاضی البیضاوی

عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی ناصر الدین ابوالخیر الشیرازی الشافعی المتوفی ۶۸۵ھ۔

آپ شیراز کے قاضی تھے۔ بہت بڑے صرفی، نحوی، مفسر، فقیہ اور اصولی تھے۔ ایک مرتبہ تبریز جانا ہوا وہاں وزیر کی موجودگی میں بڑے بڑے علماء کا ایک اجتماع ہو رہا تھا۔ آپ بھی مجلس کے آخری کونے میں دبک کے بیٹھ رہے مجلس میں ایک نکتہ بیان ہوا جو کسی سے بھی حل نہ ہو سکا۔ آخر آپ نے وہ نکتہ بیان کیا تو تمام فضلاء اور وزیر آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ سے وزیر نے دریافت کیا تو آپ نے بتایا کہ میں عبداللہ بن عمر بیضاوی ہوں۔ وزیر نے آپ کی بہت تعظیم کی اور آپ نے جو کچھ طلب کیا تھا عطا کیا۔ آپ کی

تالیفات ہیں آپ کی تفسیر شہرہ آفاق کتاب ہے اور آج تک داخل نصاب ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی بیسیوں تالیفات برائے استفادہ عام وخواص ہیں جن میں اصول میں منہاج الوصول الی علم الاصول بڑی اہم کتاب ہے۔ دوسری تصنیفات درج ذیل ہیں:

طوالع الانوار ومطالع الانظار۔ لب الالباب فی علم الاعراب۔ غایۃ القصوی۔ مختصر الکشاف۔ شرح المصابیح۔ المصباح۔

امام البیہقی

ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن عبد اللہ ابن موسیٰ البیہقی النیشاپوری الخسروا جردی الفقیہ الشافعی الحافظ الکبیر المشہور۔ المتوفی ۴۵۸ھ۔

آپ نے ابوالفتح المروزی سے فقہ حاصل کی بعد میں آپ پر حدیث کا غلبہ ہوگیا تو آپ نے طلبِ حدیث کے لیے عراق خراسان حجاز اور دیگر بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا اس کے بعد آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی تصانیف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔ آپ نے امام شافعی کے نصوص بھی جمع کئے جو دس بلدوں میں ہیں۔ آپکی تالیف سنن الکبریٰ نے آپ کو شہرت دوام بخشی۔ اس کے علاوہ سنن صغیر دلائل النبوۃ والسنن والاثار۔ شعب الایمان۔ مناقب الشافعی ومناقب احمد ابن حنبل وغیرہ آپکی معروف تالیفات ہیں آپ کی وفات نیشاپور میں ۴۵۸ھ میں ہوئی آپ کا جنازہ بیہق میں لایا گیا اور وہاں دفن ہوئے۔ آپ کی بعض دوسری مطبوع کتب ہیں

کتاب الاسماء والصفات اور القرآۃ خلف الامام ہیں۔

امام الترمذی

ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ ابن الضحاک السلمی الضریر البوغی الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ۔

آپ ۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے امام بخاریؒ سے حدیث سُنی۔ بخاری اور ترمذی کے بعض شیوخ مشترک ہیں جن میں ابن بشار قتیبہ، ابن سعید، اور علی بن حجر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے اخذ حدیث کے لیے خراسان حرمین شریفین اور عراق کے علمائے حدیث سے بھی سماع کیا۔ بعض روایات بخاری نے بھی آپ سے لی ہیں۔ آپ کی وفات ترمذ میں ۲۷۹ھ میں ہوئی۔ آپ کی شہرہ آفاق کتاب الجامع الصحیح للترمذی، الشمائل النبویہ اور العلل فی الحدیث وغیرہ ہیں۔

الحجاوی المقدسی

شرف الدین ابو النجا موسیٰ بن احمد بن موسیٰ بن سالم بن عیسیٰ بن سالم الحجاوی المقدسی الصالحی الحنبلی المتوفی ۹۶۰ھ۔

آپ دمشق میں حنبلی مسلک کے مفتی تھے۔ آپ کو شیخ الاسلام کا لقب بھی ملا ہوا تھا۔ آپ اصولی محدث اور فقیہہ تھے۔ زہد و تقویٰ کے اعتبار سے آپ کے زمانہ میں آپ کا کوئی ہم پایہ نہ تھا۔ آپ کی تالیفات متعدد ہیں۔ کتاب الاقناع نے آپ کی شہرت کو دوام بخشا۔ اس کے علاوہ آپ کی مشہور کتب میں شرح المفردات

شرح منظومہ الآداب اور المستقنع وغیرہ بہت اہم ہیں۔ آپ کا وصال ربیع الاول ۹۶۰ھ میں ہوا۔

الحصکفی

محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمن بن محمد ابن جمال الدین بن حسن بن زین العابدین الملقب علاؤ الدین الحسکفی الاصل الدمشقی المعروف بالحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ۔

آپ دمشق میں پیدا ہوئے اپنے والد سے علوم متداولہ کا درس لیا۔ امام محمد المحاسنی کے بھی شاگرد بنے۔ آپ خیر الدین الرملی سے اخذ و استفادہ کے سلسلہ میں رملہ تشریف لے گئے اور اس کے بعد حج کیا۔ آپ ابتدائے عمر میں بہت غریب تھے جب آپ روم گئے تو وہاں آپ کی بڑی قدر و منزلت کی گئی۔ آپ مدرسہ جقمقیہ کے مہتمم بنائے گئے اور اس کے بعد آپ کو شام کی قضا پر مقرر کیا گیا۔ آپ پانچ برس تک مفتی رہے آپ کا انتقال دمشق میں ہوا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے۔ آپ بڑے محدث فقیہہ اور نحوی تھے۔ آپ کی تالیفات آج تک متمسک بہ ہیں۔ آپ کی تالیفات میں زیادہ اہم کتب درج ذیل ہیں:

۱۔ افاضتہ الانوار علی اصول المنار ۲۔ الدر المختار فی شرح تنویر الابصار ۳۔ الدر المنتقی فی شرح الملتقیٰ۔

الدسوقی

الشیخ محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی المالکی المتوفی ۱۲۳۰ھ۔

آپ شہر دسوق میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت کے لیے قاہرہ تشریف لے آئے جہاں قرآن مجید حفظ کیا پھر الشیخ علی الصعیدی اور الشیخ الدردیر اور حسن الجبرتی سے متداول علوم حاصل کیے پھر آپ نے قرأت اور دوسرے علوم کی تدریس کا کام شروع کر دیا۔ آپ کو معانی و بیان میں ید طولی حاصل تھا۔ آپ دم واپسیں تک تدریس و افتاء کا کام کرتے رہے۔ آپ کی تالیفات ہیں (۱) حاشیہ علی تحریر قواعد المنطقیہ (۲) حاشیہ علی شرح التفتازانی علی تلخیص المفتاح (۳) حاشیہ علی شرح السنوسی (۴) حاشیہ علی شرح الکبیر (۵) حاشیہ علی مغنی اللبیب (۶) الحدود الفقہیہ مشہور و متداول ہیں۔

امام رازی

ابو عبداللہ محمد بن العمر بن الحسین ابن حسن بن علی التیمی البکری الطبرستانی الرازی فخر الدین المتوفی ۶۰۶ھ۔

آپ ۵۴۴ھ میں بمقام رے پیدا ہوئے۔ وہیں اپنے والد ضیاء الدین عمر سے تعلیم کی ابتدا کی پھر المجد الجیلی کے پاس المراغہ چلے گئے اور ان سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد خراسان ماوراء النہر تشریف لے گئے اور وہاں کے شیوخ سے علم حاصل کیا۔ اس دوران آپ خوارزم شاہ سے ملے اور اس نے آپ کی بہت عزت و تکریم کی بعدہ آپ نے ہرات کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اس وقت آپ کو شیخ الاسلام کا لقب ملا۔ لوگ آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ بادشاہ بھی آپ کو بہت انعام و اکرام دیا کرتا تھا۔ یہ بات حاسدوں کو اچھی نہ لگی اور آپ کو کسی حیلہ

سے زہر دے دیا گیا اور اسی سے عید الفطر کے دن ۶۰۶ھ میں آپ کی وفات ہو گئی۔

آپ علمائے متاخرین میں سب سے افضل تھے۔ بڑے پائے کے محدث فقیہہ اور مفسرِ قرآن تھے۔ آپ کی تصانیف کی شہرت بلاد اسلامیہ میں آپ کی عمر میں ہی پھیل گئی تھی۔ اور آپ کی تصنیفات آج بھی متمسک بہ ہیں۔

آپ کی تصنیفات سے چند مشہور و متداول کُتب درج ذیل ہیں:

۱۔ اساس التقدس ۲۔ شرح قسم الالٰہیات ۳۔ لباب الاشارات ۴۔ اللوامع البینات ۵۔ محصل افکار المتقدمین ۶۔ المسائل الخمسون فی اصول الاحکام ۷۔ معالم فی اصول الدین ۸۔ مفاتیح الغیب ۹۔ مناقب الامام الشافعی ۱۰۔ نہایۃ الایجاز فی درایۃ الاعجاز۔

علامہ راغب

ابو القاسم الحسین بن محمد بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ

علمائے لغت میں آپ کا نامِ نامی بہت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ آپ بہت بڑے لغوی اور متکلم تھے۔ عربی ادب حدیث اور اخلاق میں بھی آپ کے پائے کا کوئی ہمعصر نہ تھا۔ علامہ بیضاوی آپ کے خوشہ چینوں میں ہیں۔ بعض لوگ آپ کو معتزلی بھی لکھتے ہیں۔ آپ نے ایک نامکمل تفسیر بھی لکھی تھی اس کے علاوہ آپ کی کُتب میں الذریعہ الی مکارم الشریعہ تصوف میں تفصیل النشأتین و تحصیل السعادتین محاضرات الادباء و محاورات الشعراء و البلغاء ہیں اور ان

سب سے بڑھ کر جس کتاب نے آپ کو زندہ جاوید بنا دیا وہ المفردات فی غریب القرآن ہے۔ آپ کا انتقال ۵۰۲ھ میں ہوا۔

الرملی

خیر الدین بن احمد بن احمد بن نور الدین علی بن زین الدین بن عبدالوہاب الایوبی العلیمی الفاروقی الحنفی الرملی المتوفی ۱۰۸۱ھ۔

آپ فلسطین کے شہر رملہ میں ۹۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم رملہ ہی میں ہوئی پھر آپ مصر تشریف لے گئے اور وہاں کافی عرصہ ٹھہرے اور تعلیم حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ آپ عالم بے بدل اور فاضل اجل ہو کر وطن واپس لوٹے تو آپ کی شہرت چہار دانگ عالم میں پھیل چکی تھی۔ آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے درس میں ایک انبوہِ کثیر ہمیشہ مستفیض ہوتا تھا۔ آپ کی تالیف الفتاوی الخیریہ بتدوین محی الدین آج تک حنفی مسلک میں معتبر کُتب فقہ میں شمار کی جاتی ہے۔

امام الزرقانی

ابو عبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن محمد ابن علوان الزرقانی المصری المالکی المتوفی ۱۱۲۲ھ۔

آپ ۱۰۵۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے النور البشر املسی اور حافظ العصر البابلی اور اپنے والد سے علم حاصل کیا۔ آپ علوم الحدیث میں

خاتم المحدثین کے لقب سے ملقب تھے۔ فقہ، فصاحت اور باقی تمام علوم میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ آپ کی تالیفات مالکیہ کے نزدیک ہمیشہ متمسک بہ رہیں۔ آپ کی تالیفات میں شرح المواہب اللدنیہ شرح علی المنظومۃ البیقونیۃ اور شرح موطا الامام مالک مشہور و متداول کتب ہیں۔

الزیلعی

ابو محمد فخر الدین عثمان بن علی بن محجن البارعی الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۴۳ھ

آپ ۷۰۵ھ میں قاہرہ پہنچے۔ وہاں آپ مدرس مقرر ہوئے۔ آپ فتویٰ بھی دیتے تھے۔ مصر میں آپ نے حنفی مسلک کے پھیلانے کا کام بہت تندہی سے کیا۔ آپ فقہ حنفی کے اپنے زمانے کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی تالیف تبیین الحقائق مدارس اسلامیہ میں آج تک متداول ہے اور اسے مفتی بہ سمجھا جاتا ہے۔

علامہ السرخسی

محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی شمس الائمہ المتوفی ۴۹۰-۵۰۰ھ۔

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ لڑکپن میں اپنے والد کی معیت میں بغرض تجارت بغداد تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ بخارا تشریف لے گئے اور وہیں شمس الائمہ حلوائی سے ملاقات ہوئی۔ آپ ان کے درس میں شامل ہو گئے اور رفتہ رفتہ آپ کے عزیز ترین شاگردوں میں شمار ہونے لگے۔ علامہ السرخسی نے

نے تمام علوم وفنون حلوائی سے حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس کا شغل اپنایا۔ اور آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے فقہا اور علمار کے نام آتے ہیں۔ آپ نے بادشاہ وقت کو اس کے ظلم کے خلاف تنبیہاً نصیحت کی تو اس نے آپ کو اوزجند میں ایک کنوئیں میں قید کر دیا۔ جب آپ کے طلبہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو وہ سب اپنے اپنے دفتر لے کر وہاں پہنچ گئے۔ آپ نے المبسوط کنوئیں میں سے بلا کسی کتاب کے مطالعہ کے املا کرائی جو پندرہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور فقہ حنفی کی مہمات کتب میں شمار ہوتی ہے۔ آپ نے بحالت محبوسی شرح کتاب عبادات اور شرح کتاب الاقرار بھی املا کروائی۔ ایک کتاب اصول فقہ پر لکھی اور سیر الکبیر کی شرح بھی محبس سے لکھوا رہے تھے کہ رہائی ہوگئی۔ اس کے بعد آپ فرغانہ چلے آئے جہاں کے امیر حسن نے آپ سے اپنے پاس رہنے کی درخواست کی اور آپ اس کے پاس ٹھہر گئے تو آپ کے شاگرد وہاں پہنچ گئے اور سیر الکبیر کی شرح مکمل کر دی گئی۔ اس کے علاوہ آپ نے مختصر طحاوی اور امام محمد کی کتب کی شرحیں بھی لکھیں۔

آپکی تالیفات میں مبسوط کو وہ دوام حاصل ہوا کہ آج تک متمسک بہ قرار پائی اور کئی مرتبہ طبع ہوئی۔ باقی کتب بھی فقہ حنفی میں معتبر مانی جاتی ہیں۔ آپ کی وفات کے بارے میں اقوال میں اضطراب پایا جاتا ہے بعض نے ۴۸۴ھ بعض ۴۹۰ھ اور بعض نے ۵۰۰ھ بتائی ہے لیکن راجح قول ۵۰۰ھ ہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

السرخسی

محمد بن محمد بن محمد السرخسی رضی الدین برہان الدین حنفی المتوفی ۵۷۱ھ

آپ المدرسۃ الحلاویہ بمقام حلب میں مدّت تک درس دیتے رہے۔ آپ کی شہرت سے علمار حسد کرنے لگے اور نورالدین زنگی کے پاس شکایت کردی تو آپ اس مدرسہ سے الگ ہو گئے۔ بہت بڑے فقیہہ اور اصولی تھے۔ آپ سے علمار کی ایک جماعت نے استفادہ کیا۔ آپ کی تالیف المحیط الثانی دس جلدوں میں المحیط الثالث چار جلدوں میں اور المحیط الرابع دو جلدوں میں ہے اور یہ سب مجلدات فقہ ہی سے متعلق ہیں۔ ایک کتاب چالیس جلدوں پر مشتمل نحو پر لکھی اُس کا نام بھی کتاب المحیط ہی ہے۔ آپ کا انتقال رجب المرجب ۵۷۱ھ میں بروز جمعہ ہوا۔

شاہ ولی اللہ

ابوعبداللہ احمد شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدھلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ۔

آپ ۴ ماہ شوال ۱۱۱۴ھ بروز بدھ پیدا ہوئے۔ پانچ برس کی عمر میں داخل مکتب ہوئے اور چودھویں برس تک حفظِ قرآن اور علوم متداولہ سے فراغت پاکر درس دینے لگ گئے۔ آپ ابھی سترہ برس کے تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد آپ متواتر بارہ برس تک کُتب دینیہ اور عقلیہ کا درس دیتے رہے۔ اسی دوران آپ نے مذاہب اربعہ کا مطالعہ کیا اور اپنے درس اور تحریر میں محدثین فقہا کا سا رنگ پیدا کر لیا۔ ۱۱۴۳ھ میں زیارت حرمین کو تشریف لے گئے وہاں شیخ ابوطاہر المدنی اور حرمین کے دیگر علما سے حدیث سُنی۔ ابوطاہر المدنی نے آپ کو خرقہ خلافت بھی عطا کیا۔ ایک سال تک وہیں ٹھہرے رہے اور ۱۱۴۵ھ میں واپس دہلی تشریف لے آئے۔ درس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا

سلسلہ بھی شروع کیا۔ اور یہ سلسلہ تادمِ مرگ قائم رہا۔ آپ کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ہوئی۔

آپ کی اکثر تصانیف کا نام زبان زد خلائق ہے۔ جن میں سے چند ایک معروف ترین درج ذیل ہیں:

حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفا، مصفی و مسوی، فیوض الحرمین، در الثمین الانتباہ، انسان العین فی مشائخ الحرمین، الفوز الکبیر، عقد الجید، قول الجمیل، خیر کثیر، ہمعات، الطاف القدس، مقالہ وضیہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف سرور المحزون، لمعات، سطعات، المقدمۃ السنیہ، فتح الرحمٰن، انفاس العارفین شفاء القلوب فتح الخبیر، قرۃ العینین، البدور البازغہ، زہراوین، التفہیمات الالٰہیہ

الشرنبلالی

الشیخ ابو البرکات حسن بن عمار بن علی ابو الخلاص المعصری الشرنبلالی المتوفی ۱۰۶۹ھ۔

آپ نے عبد اللہ تحریری محمد محبی اور علی بن غانم سے علم حاصل کیا۔ آپ اپنے زمانے کے علماء میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور آپ کا فتوے دور و نزدیک ہر کہیں معتبر مانا جاتا تھا۔ آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے فضلاء کے نام آتے ہیں۔ مثلاً اسماعیل نابلسی احمد عجمی اور سید احمد حموی وغیرہ۔ آپ کی تالیفات میں مراقی الفلاح امداد الفتاح درر و غرر اور غنیۃ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الحکام فقہ حنفی میں معتبر مانی جاتی ہیں۔ آپ کی وفات رمضان المبارک

۱۰۶۹؁ھ میں ہوئی۔

طحطاوی

الشیخ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱؁ھ۔

آپ سلطنت مصر کے شہر اسیوط کے مضافاتی گاؤں طحطا میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۸۱؁ھ میں جامعہ ازھر میں داخل ہوئے۔ وہاں شیخ احمد الحماقی، شیخ مصطفیٰ الطائی اور شیخ عبدالرحمٰن العریشی سے علم فقہ میں استفادہ کیا۔ عبدالرحمٰن الجبرتی کے والد سے علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل کی۔ فقہ میں آپ کی مہارت مسلّم تھی۔ دورانِ تعلیم بڑے اہم مسائل میں ان کے ساتھی طلبہ ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ فراغت کے بعد آپ مدرسۃ العینیہ میں متعین ہوئے اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے مدرسہ عینیہ میں شیخ الاحناف کے عہدے تک ترقی کی۔

آپ نے نورالایضاح کی شرحِ مراقی الفلاح پر حاشیہ لکھا جو بہت مقبول ہوا آپ کی دوسری کتاب تنویر الابصار کی شرح درمختار کا حاشیہ ہے جو بہت ہی مقبول ہوا اور احناف کی بہت اہم کُتب میں شمار کیا جاتا ہے۔

عبدالقادر

عبدالقادر عودہ شہید شاہ فاروق کے زمانے میں مصر میں عدالت کے جج تھے۔ آہستہ آہستہ آپ اخوان المسلمون سے متاثر ہوئے تو مسلمان ہونے کی حیثیت میں غیر اسلامی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے سے آپ کی طبیعت گھٹن محسوس کرنے لگی

چنانچہ آپ مستعفی ہو گئے۔ کچھ مدت بعد آپ اخوان المسلمون کے مرشد عام ہو گئے۔ ۱۹۵۴ء میں کرنل ناصر نے آپ پر جھوٹا مقدمہ چلایا اور آپ کو دوسرے پانچ ساتھیوں سمیت سزائے موت دے دی گئی۔ آپ نے اسلامی علوم پر متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں التشریع الجنائی الاسلامی پورے عالم اسلام کے علماء سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ الاسلام واوضاعنا القانونیۃ الاسلام واوضاعنا السیاسیہ، المال والحکم فی الاسلام اور الاسلام حائرٌ بین جہل ابنائہ و عجز علمائہ بہت اہم کُتب ہیں۔

علی القاری

ملا علی القاری نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی المتوفی ۱۰۱۴ھ۔

آپ ہرات میں پیدا ہوئے اور صوبہ کے دیگر شہروں میں حصولِ علم کے لیے سفر کیا۔ بعد میں مکّہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں حسن البکری احمد بن حجر الھیثمی سے استفادہ کیا۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور بہت جلد آپ کی شہرت پورے عالمِ اسلام میں ہر طرف پھیل گئی تھی۔ آپ کی تصنیفات سے پورا عالمِ اسلام آپ کی زندگی میں ہی تمسک کرتا تھا۔ آپ کی وفات ۱۰۱۴ھ میں مکّہ مکرمہ میں ہوئی جب آپ کی وفات کی خبر علماء ازھر کو مصر میں پہنچی تو چار ہزار علماء نے آپ کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ آپ کی تالیفات بہت زیادہ ہیں جن میں کم و بیش بیس کُتب طبع ہو چکی ہیں جن میں مندرجہ ذیل بہت اہم ہیں۔

۱۔ جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۔ الحرز الثمین للحصن الحصین ۳۔ شرح

الشفاء للقاضی عیاض ۴۔ شرح مقدمۃ الجزریہ ۵۔ شرح الفقہ الاکبر ۶۔ ضوء المعالی ۷۔ فتح الرحمن بفضائل شعبان ۸۔ مرقاۃ المفاتیح لمشکاۃ المصابیح ۹۔ المسلک المتقسط فی المسلک المتوسط ۱۰۔ المشرب الوردی فی حقیقۃ المھدی ۱۱۔ منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر ۱۲۔ الموضوعات۔

کئی ایک کتب غیر مطبوعہ بھی ہیں مثلاً رسالۃ السواک وغیرہ۔

علامہ عینی

بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود القاضی شہاب الدین الحلبی الاصل العینتابی المولد ثم القاہری الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ المعروف بعینی۔

آپ کے والد عینتاب کے قاضی تھے۔ آپ وہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ اپنے والد سے بھی استفادہ کیا آپ کے فہم و ذکا کی بدولت آپ کو نائب قاضی مقرر کر دیا گیا۔ ۷۸۳ھ میں مزید اخذ و استفادہ کے لیے حلب اور دمشق کا سفر کیا۔ بیت المقدس کی زیارت کے لیے گئے تو علاؤ الدین سے ملاقات ہوئی اور ان کی معیت میں جامعہ ازہر چلے آئے اور علاؤ الدین کی شاگردی اختیار کر لی۔ آپ سے علم فقہ حاصل کیا۔ قاہرہ کے مشہور علماء سے بھی متعلمانہ روابط پیدا کر لیے اور آپ میں قاہرہ کا سارا علم جمع ہو گیا۔ آپ کو قاہرہ کا محتسب بھی مقرر کیا گیا۔ آپ مدرسۃ مؤیدیہ میں شیخ الحدیث بھی رہے بعدہ مدرسہ محمودیہ میں شیخ الفقہ بھی رہے۔ آپ کی فقہی مؤلفات کو ہمعصر علماء نے بہت قدر کی نگاہ

سے دیکھا اور مدتوں تک وہ شاملِ نصاب رہیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ البنایہ شرح الھدایہ ۲۔ رمز الحقائق شرح کنز الدقائق المعروف بلعینی ۳۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ۴۔ فرائد القلائد فی مختصر شرح الشواہد ۵۔ المقاصد النحویہ فی شرح شواہد شروح الالفیہ۔

آپ نے جامع ازہر کے پڑوس میں ایک مدرسہ بھی بنوایا۔ جو مدرسۃ عینیہ کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کی وفات ۸۵۵ھ میں ہوئی اور اسی مدرسہ کے صحن میں دفن ہوئے۔

قاضی خان

فخر الدین ابو المحاسن الحسن بن منصور ابی القاسم محمود بن عبد العزیز الاوزجندی المعروف بقاضی خان المتوفی ۵۹۲ھ۔

آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم نکتہ رس اور دقیقہ سنج تھے۔ آپ نے علم فقہ اس زمانے کے بلند پایہ علما سے حاصل کیا جن میں شمس الائمہ محمد بن عبد الستار الکردی حسن بن علی المرغینانی برہان الدین کبیر اور آپ کے دادا محمود بن عبد العزیز الاوزجندی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے علم و فضل کا بہت چرچا ہوا۔ اور آپ کا فتویٰ ہر ملک میں مانا جاتا تھا۔ آپ کی تالیف فتاویٰ قاضی خان سے ہر زمانے کے علماء نے استناد کیا ہے۔

علامہ قسطلانی

شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر ابن عبد الملک بن احمد الخطیب بن محمد بن حسین ابن علی بن میمون القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ۔

آپ ۸۵۱ھ میں پیدا ہوئے مصر میں نشوونما پائی۔ قرآن حفظ کیا۔ شاطبیہ اور وردیہ سے فراغت کے بعد آپنے خالد الازھری فخر المقتسمی، جلال البکری سے علم دین اور دیگر مروجہ علوم کی تعلیم پائی۔ الشیخ علوی سے صحیح بخاری کا درس لیا۔ آپ نے کئی مرتبہ سفرِ حج بھی کیا۔ آپ جامع العمری میں وعظ کرتے تھے۔ آپ کے زمانے میں آپ جیسا کوئی دوسرا اثر انگیز وعظ کرنے والا نہ تھا۔ آپ کے بے شمار شاگرد تھے جن میں سے سخاوی بہت بلند پایہ عالم ہوئے ہیں۔ سخاوی نے آپ کی بعض کتابیں بھی آپ سے لکھی ہیں۔ آپ کی اہم تصنیفات میں ارشاد السّاری شرح صحیح بخاری اور المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ۔ آپ کی جلال الدین سیوطی سے معاصرانہ چشمک بھی رہتی تھی۔ آپ کی تالیفات کو آپ کی حیات میں ہی بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک عزیز ابراھیم بن عطاء اللہ المکی کی موت کی خبر سُن کر آپ پر فالج کا حملہ ہوا کئی دنوں تک بے ہوش رہے۔ آخر ۹۲۳ھ میں دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

علامہ کاسانی

علاؤالدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الملقب بملک العلماء۔

المتوفی ۵۸۷ھ۔

آپ نے علی محمد السمرقندی سے علم فقہ حاصل کیا۔ علی محمد السمرقندی کے والد کی تصنیف التحفہ فی الفقہ آپ نے زبانی یاد کرلی تھی۔ پھر اس کی شرح بدائع الصنائع کے نام سے لکھی اور اس کو اپنے شیخ السمرقندی کی خدمت میں حاضر کیا۔ سمرقندی بہت خوش ہوئے اور اپنی بیٹی فاطمہ سے نکاح کردیا اور مہر یہی کتاب رکھی گئی۔ آپ کا انتقال حلب میں ہوا اور آپ کی قبر آپ کی بیوی کے پاس بنائی گئی۔ آج بھی کاسانی کی قبر بیوی اور خاوند کی قبر کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت دُور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کی تالیف بدائع الصنائع آج بھی فقہ حنفی کی اہم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

امام مالک

ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر التیمی الاصبحی المدنی المتوفی ۱۷۹ھ۔

آپ امام دارالہجرۃ کے نام سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں ربیعۃ الرائی جو اہلِ مدینہ کے فقیہ تھے، سے علم حاصل کیا۔ آپ نے بعض صحابہ سے بھی سماع حدیث کیا ہے۔ آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ مدینہ میں آپ کا فتویٰ اور فیصلہ بلا ردّ و کد کے قبول ہوتا تھا۔

آپ حدیث بیان کرنے کے لیے خاص اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کی مجلس میں ایک زمانہ حدیث سُننے کے لیے جمع ہوتا تھا۔ جب عباسی دورِ حکومت آیا تو آپ

نے مجلس کا اہتمام ترک کر دیا۔ عباسی گورنر کے پاس آپ کے بارے میں یہ بات پہنچائی گئی کہ امام اس قسم کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جو آپ بیعت میں لیتے ہیں گورنر نے آپ کو بلوا کر سزا دی اور آپ کے بازو کندھوں سے اُتر گئے مگر آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی۔ اور نہ ہی آپ کے بلند درجات میں کوئی کمی ہوئی۔ آپ مذہب مالکی کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔ آپ کی تالیفات میں رسالہ امام اہل المدینہ الی ہارون الرشید۔ موطا اور المدونۃ الکبریٰ بہت ہی معروف ہیں۔ موطا امام مالک حدیث کی اہم ترین کتاب ہے۔

علامہ مرغینانی

برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی شیخ الاسلام المتوفی ۵۹۳ھ

آپ مرغینان کے شہر فرغانہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کا شمار اپنے زمانے کے بلند ترین محدثین فقہا اور مفسرین میں ہوتا تھا۔ آپ میں قوتِ فیصلہ اور اخذ و استنباط کی صلاحیت بہت زیادہ تھی۔ اپنے زمانے کے مروجہ تمام علوم پر حاوی تھے۔

آپ نے پہلے قدوری کو مختصر کر کے ایک کتاب لکھی اس کا نام بدایۃ المبتدی رکھا پھر اس کی شرح لکھی جو الہدایہ شرح بدایہ کے نام سے مشہور ہے اور آج تک داخل نصاب ہے۔ اس کتاب نے آپ کو حیات ابدی بخشی اور آپ کے علم و فضل کا فیض آج تک جاری کیا۔

امام مسلم

ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم ابنِ ورد بن کرشان النیشاپوری الشافعی۔ المتوفی ۲۶۱ھ۔

آپ کی ولادت ۲۰۶ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم نیشاپور ہی میں ہوئی پھر آپ کو اخذ حدیث کا شوق ہوا تو آپ نے بہت کٹھن اور دور دراز کے سفر کر کے حجاز مقدس کے حفاظ سے استفادہ کیا۔ آپ عراق بھی گئے اور وہاں کے ائمہ حدیث سے بھی سماع کیا۔ آپ نے امام بخاری اور امام احمد ابنِ حنبل سے بھی حدیث سُنی۔ امام بخاری سے آپ کی دوستی بھی تھی۔ آپ کو تقریباً تین لاکھ احادیث حفظ تھیں۔ اواخر عمر میں نیشاپور میں مستقل طور سے مقیم ہو گئے اور سفر کرنا ترک کر دیا تھا۔ تجارت ذریعہ معاش تھی۔ آپ کی تالیفات میں صحیح مسلم صحیح بخاری کے ہم پلّہ شمار کی گئی ہے۔ دیگر تصانیف میں المنفردات والوحدان۔ المسند الصحیح۔ کتاب العلل وغیرہ بہت اہم ہیں۔ ان میں سے بعض ابھی تک غیر مطبوع بھی ہیں۔

مہدی

الشیخ محمد العباسی الحنفی المہدی المصری المتوفی ۱۳۱۵ھ۔

آپ کی ولادت ۱۲۴۳ھ میں اسبق میں ہوئی۔ آپ کی ولادت کے تیسرے سال آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے والد اسبق کے قاضی تھے۔ آپ کے والد والی اسبق سے مل کر کاروبار بھی کرتے تھے۔ انتقال کے بعد ابراہیم پاشا

والی اسیق نے آپ کے بچوں کو آپ کی جائیداد سے قرض کی بنا پر محروم کر دیا تو الشیخ محمد العباسی کو جامعہ ازہر میں یتیم بچوں کے شعبہ میں داخل ہونا پڑا۔ آپ نے اور آپ کے بھائی نے وہاں خوب محنت کی اور طالب علمی کے زمانہ ہی میں خوب شہرت حاصل کی۔ ابراہیم پاشا کو جب آپ کے والد کے قرضے کا صحیح طور پر علم ہُوا تو اس نے بھی باقی جائیداد آپ کو دے دی۔ آپ ابھی اکیس بائیس برس کے تھے کہ آپ کو فتویٰ دینے کا مجاز قرار دیا گیا۔ آپ اپنے اُستاذ خلیل الرشیدی کے مددگار متعین ہوئے۔ اس طرح آپ میں قضا کے لیے جو صلاحیتیں ضروری تھیں پیدا ہو گئیں۔ اور آپ اپنے دَور کے معروف مفتیوں میں شمار کیے جانے لگے۔ آپ کی شہرت بلادِ اسلامیہ میں عام ہو گئی اور دور دراز سے مسائل معلوم کرنے کے لیے لوگ آپ سے رجوع کرنے لگے۔ آپ متواتر باون برس تک مفتی رہے اور اٹھارہ برس تک شیخ الاسلام کے عہدہ پر متمکن رہے۔ آپ کا قاہرہ میں انتقال ہوا اور قرافتہ المجاورین میں دفن ہوئے۔

آپ کی یادگار کتاب فتاوی المہدیہ ہے۔ جو ان وقائع پر مشتمل ہے جو وقتاً فوقتاً آپ کے سامنے آتے رہے اور آپ نے ان کے بارے میں فتوے دیئے۔ فقہ حنفی کی نہایت ہی عمدہ کتاب ہے۔

فیروز آبادی

الشیخ ابواسحاق ابراہیم بن علی ابنِ یوسف بن عبد اللہ الشیرازی الفیروز آبادی الشافعی الملقب جمال الدین المتوفی ۴۷۶ھ۔

آپ فیروز آباد میں ۳۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فیروز آباد ہی میں ہوئی۔ پھر آپ شیراز تشریف لے گئے اور علامہ بیضاوی سے علم فقہ حاصل کیا۔ اس کے بعد بصرہ گئے اور الجزری کے شاگرد بنے۔ ۴۱۵ھ میں بغداد گئے اور طبری سے اخذ و استفادہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ کو ایک دفعہ عہدہ قضا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ پھر کافی مدت بعد پھر آپ کو عہدہ قضا سپرد کیا گیا جو وفات تک قائم رہا۔ آپ اپنے دور کے نابغۂ روزگار علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کی تصنیفات شوافع کے ہاں اب بھی مستند تسلیم کی جاتی ہیں۔ آپ کی تالیفات میں التنبیہ، رسالۃ الشیرازی الطب الروحانی اللمع فی اصول الفقہ اور المہذب بہت اہم ہیں۔

کتابیات

(بحساب حروفِ تہجّی)

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	مطبع
۱۔	اتحاف الابصار والبصائر	الشیخ محمد ابو الفتح الحنفی مفتی اسکندریہ	مطبع الوطنیہ مصر ۱۲۸۹ھ
۲۔	ارشاد الساری	شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ	" الکبریٰ بولاق ۱۳۲۳ھ
۳۔	اسرار الشریعۃ الاسلامیہ	ابراہیم علی آفندی	الواعظ مصر ۱۳۲۸ھ
۴۔	الاشباہ والنظائر	ابن نجیم شیخ زین العابدین المتوفی ۹۶۹ھ	کلکتہ ۱۲۸۱ھ
۵۔	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد تھانوی	کراچی ۱۳۸۶ھ
۶۔	الاقناع	شرف الدین موسی الحجادی المقدسی المتوفی ۹۶۸	مکتبۃ النصر الحدیثیہ
۷۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل	عبد اللہ بن عمر ناصر الدین البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ	مصطفی البابی
۸۔	البحر الرائق	ابن نجیم شیخ زین العابدین المتوفی ۹۶۶	دار الکتب العربیہ الکبریٰ
۹۔	بدائع الصنائع	علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی المتوفی ۵۸۷	مطبعۃ الجمالیہ مصر ۱۳۲۸
۱۰۔	تاج العروس	سید محمد مرتضی الزبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ	
۱۱۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی المتوفی ۷۴۳	مطبع الکبری بولاق مصر ۱۳۱۳
۱۲۔	التشریع الجنائی الاسلامی	عبد القادر عودہ الشہید ۱۹۵۶ء	بیروت ۱۹۶۸ء
۱۳۔	تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)	امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶	مطبعۃ الالہیہ مصر
۱۴۔	جامع الصحیح للبخاری	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری المتوفی ۲۵۶	کرزن پریس دہلی ۱۳۲۲

نمبر شمار	نام کتاب	مولف	مطبع
۱۵۔	جامع الصحیح للمسلم	ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری	مصطفیٰ البابی مصر ۱۹۶۰
۱۶۔	جامع الترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ابن سودہ المتوفی ۲۷۹	کراچی
۱۷۔	جامع الفصولین	محمود بن اسرائیل الشہیر بابن قاضی سماونہ المتوفی ۸۲۳ھ	المطبع الکبریٰ بولاق مصر ۱۳۰۰
۱۸۔	حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر	شیخ محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی المتوفی ۱۲۳۰	عیسیٰ البابی الحلبی مصر
۱۹۔	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	الشیخ احمد الطحطاوی المتوفی ۱۲۳۱	بولاق مصر ۱۳۶۸
۲۰۔	حاشیہ علی رد المحتار	الشیخ محمد العباسی المہدی المتوفی ۱۳۱۵	المطبع الکبریٰ الامیریہ بولاق مصر ۱۳۲۳
۲۱۔	حاشیہ جامع الفصولین	خیر الدین الرملی المتوفی ۱۰۸۱	المطبع الکبریٰ بولاق مصر ۱۳۰۰
۲۲۔	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ الدہلوی المتوفی ۱۱۷۶	المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱۳۹۵
۲۳۔	دائرۃ المعارف القرن العشرین	محمد فرید وجدی بک بن مصطفیٰ وجدی بک بن علی رشاد	مصر ۱۳۶۷
۲۴۔	در مختار	محمد علاء الدین الحصکفی المتوفی ۱۰۸۸	لکھنو نول کشور
۲۵۔	الذخیرہ	برہان الدین محمود بن احمد البخاری المتوفی ۶۱۶	
۲۶۔	رد المحتار	محمد امین الشہیر بابن عابدین المتوفی ۱۲۵۲	المطبع الکبریٰ بولاق مصر ۱۳۲۵
۲۷۔	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق المعروف بعینی	ابو محمد محمود بن احمد المعروف بالعینی المتوفی ۸۵۵	نولکشور لکھنؤ
۲۸۔	روح المعانی	ابو الثناء محمود الآلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ	بیروت
۲۹۔	سبل السلام	محمد بن اسماعیل کحلانی المتوفی ۱۱۴۲ھ	مصطفیٰ البابی مصر ۱۹۶۰
۳۰۔	سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث ابو داؤد السجستانی المتوفی ۲۷۵	کانپور
۳۱۔	سنن الکبریٰ للبیہقی	ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن عبد اللہ ابن موسیٰ البیہقی المتوفی ۴۵۸	بیروت

نمبر شمار	نام کتاب	مولف	مطبع
۳۲-	شرح الزرقانی	ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن محمد علوان الزرقانی المتوفی ۱۱۲۲	عبدالحمید احمد حنفی مصر
۳۳-	شرح العنایہ علی الہدایہ	محمد بن محمود البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ	مطبع الکبری الامیریہ بولاق ۱۳۱۵
۳۴-	شرح فتح القدیر	امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ	" " " "
۳۵-	شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان المعروف بملا علی القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ	مجتبائی دہلی ۱۹۰۷ء
۳۶-	الشرح الکبیر	عبدالرحمٰن بن ابی عمر محمد بن احمد ابن قدامہ المقدسی المتوفی ۶۸۲ھ	مطبع المنار مصر ۱۳۴۸
۳۷-	الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ	محمد ابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ	المکتبۃ العلمیۃ مدینہ منورہ ۱۳۹۱
۳۸-	فتاوی الانقرویہ	الشیخ محمد بن الحسین شیخ الاسلام المتوفی ۱۰۸۹	دارالاشاعت افغانستان ۱۲۱۰
۳۹-	غنیۃ ذوی الاحکام فی لغیۃ دارالحکام	الشیخ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المتوفی ۱۰۶۹ھ	
۴۰-	فتاویٰ التتارخانیہ	عالم بن علار المتوفی ۷۸۶ھ	دارالاشاعت افغانستان ۱۳۹۰
۴۱-	فتاویٰ الحمادیہ	قاضی القضاۃ حماد الدین احمد بن القاضی محمد اکرم	ہندستان میں ۱۲۸۲ میں طبع ہوا
۴۲-	فتاویٰ الظہیریہ	الشیخ محمد بن احمد بن عمر ظہیر الدین البخاری المتوفی ۶۱۹	" " "
۴۳-	فتاویٰ عالمگیری	باہتمام اورنگ زیب عالمگیر محی الدین محمد	المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰
۴۴-	فتاویٰ قاضی خان	امام فخرالدین حسن بن منصور الاوزجندی المتوفی ۵۹۲	" " "
۴۵-	فتاویٰ المہدیہ	الشیخ محمد عباس المہدی المتوفی ۱۳۱۰	المطبعۃ الازہریہ ۱۳۰۱

نمبرشمار	نام کتاب	مؤلف	مطبع
۴۶	فتح الباری	قاضی شہاب الدین احمد بن علی المعروف بابن حجر عسقلانی	مصطفی البابی ۱۹۰۹
۴۷	قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار	الشیخ محمد علاء الدین بن محمد امین بن عمر عابدین المتوفی ۱۳۰۶	المطبع المیمنۃ ۱۳۲۱
۴۸	کتاب الاختیار ترجمہ	مولانا سلامت علی خان	نیبرلا پبلشرز لاہور
۴۹	کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ	عبدالرحمن الجزیری	المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر ۱۹۶۲ء
۵۰	کشف القناع	منصور بن یونس بن ادریس البہوتی المتوفی ۱۰۵۱	مکتبۃ الحدیثیۃ
۵۱	لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام	ابوالولید ابراہیم بن ابی الحسن بابن شحنہ المتوفی ۸۸۲	مصر ۱۳۱۰
۵۲	لسان العرب	جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی	بیروت ۱۳۵۷
۵۳	المبسوط	شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل ابوبکر السرخسی المتوفی ۵۰۰ - ۴۹۰	مطبع السعادۃ ۱۳۲۴ مصر
۵۴	مجلۃ الاحکام العدلیہ		مطبع شعار کو
۵۵	مجمع الانہر	شیخ زادہ عبدالرحمن بن شیخ محمد بن سلیمان المتوفی ۱۰۷۸	حیدرآباد دکن عثمانیہ ۱۳۲۷
۵۶	المحلیٰ	ابومحمد علی بن حزم الاندلسی الظاہری المتوفی ۴۵۶	مطبع الام مصر
۵۷	المحیط	محمد بن محمد بن محمد السرخسی رضی الدین برہان الدین المتوفی ۵۷۱ھ	
۵۸	محیط المحیط	بطرس البستانی المتوفی ۱۸۸۷	بیروت ۱۸۷۰
۵۹	المدونۃ الکبری	امام مالک بن انس المتوفی ۱۷۹	دارصادر بیروت

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	مطبع
۶۰ -	المرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان المعروف ملا علی القاری المتوفی ۱۰۱۴	مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۸۷
۶۱ -	المسند امام احمد	امام احمد ابن حنبل الشیبانی المتوفی ۲۴۱ھ	مصر المطبع المیمنہ ۱۳۱۳
۶۲ -	مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبد اللہ ولی الدین الخطیب التبریزی	دمشق
۶۳ -	معین الحکام	الشیخ الامام علاؤ الدین الطرابلسی المتوفی ۸۴۴	" " "
۶۴ -	المغنی	عبد اللہ ابو محمد بن احمد بن محمود بن قدامہ المتوفی ۶۳۰	المطبعۃ المنار مصر ۱۳۴۸
۶۵ -	المفردات فی غریب القرآن	ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲	
۶۶ -	منحۃ الخالق	محمد امین المعروف بابن عابدین المتوفی ۱۲۵۲	دار الکتب المؤیدۃ الکبریٰ مصر
۶۷ -	المہذب	الشیخ الامام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی الفیروزآبادی المتوفی ۴۷۶	مصر ۱۳۲۳
۶۸ -	الہدایہ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳	دہلی

مجمع الزوائد	نورالدین ابوالحسن علی بن ابوبکر ابن سلیمان بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ۔	بیروت ۱۹۶۷
اسد الغابہ	ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی المتوفی ۶۳۰ھ۔	تہران
الاستیعاب	ابوعمر جمال الدین یوسف بن عمر بن عبدالبر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ	
الاصابہ	ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۲۵ھ	مصر ۱۹۳۹ء

مؤلف (مولانا سید محمد متین ہاشمی)

کی دوسری تصنیفات و تراجم

۱ــــ اسلامی حدود۔

۲ــــ اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ۔

۳ــــ فہرست مخطوطات دیال سنگھ لائبریری ۳ جلدیں۔

۴ــــ فہرست مخطوطات جلد چہارم (زیر طبع)۔

۵ــــ سنن ابی داؤد ترجمہ و تشریح ۴ جلدیں (زیر طبع)۔

۶ــــ سطعات شاہ ولی اللہ ترجمہ و شرح۔

۷ــــ آخری سورتوں کی تفسیر۔

۸ــــ تفسیر سورہ یٰس شریف۔

۹ــــ تحریک جامعہ محمدی۔

۱۰ــــ مجلۃ الاحکام العدلیہ ترجمہ و تشریح (زیر طبع)۔

۱۱ــــ ترجمہ و حاشیہ الشفاء قاضی عیاض (زیر طبع)۔

۱۲ــــ فسانہ اسلام۔